جال

رئیس احمد جعفری

شعاعِ ادب - لاہور

حقوق محفوظ

طبع اوّل دو ہزار

نومبر ۱۹۵۷ء

قیمت چھ روپے

مطبوعہ :- نقوش پریس - لاہور

اے شمع تیری عمرِ طبیعی ہے ایک رات
رو کر اسے گزار کہ ہنس کر گزار دے

انسان کی زندگی کتنی مختصر ہوتی ہے؟ اور یہ مختصر زندگی بھی کتنی ناپائیدار ہوتی ہے، ذرا سے جھٹکے میں، معمولی سے حادثہ میں، بغیر کسی بیماری اور حادثہ کے، چشم زدن میں ختم! اور یہ مختصر، بہ ناپائیدار زندگی بھی یکسوئی سے نہیں گزرتی، کش مکش، اندوہ، غمِ روزگار، غمِ عشق، ناکامیاں، نامرادیاں، ماحول کی ناسازگاریاں، حالات کی تباہ کاریاں، دوستوں کی بے وفائیاں دشمنوں کی کارگزاریاں، دل کی محرومیاں، دماغ کی ناآسودگیاں، جذبات کی نارسائیاں، غربت، مصیبت، فلاکت، آفت، کشاکش، بدگمانی، مجبوری، معذوری، بے لبسی، کتنی بدبختیاں ہیں، جن سے انسان کو دوچار ہونا پڑتا ہے۔

اس کتاب کی ہیروئن شائستہ کی زندگی بھی مصیبتوں کے جال میں جکڑی ہوئی تھی، اس نے ہمت اور حوصلہ سے کام لے کر، اس جال کو توڑنا چاہا، لیکن نہ توڑ سکی۔ آخر انسان تھی، آخر عورت تھی، ——— کمزور، بے بس، بے کس!

لیکن شائستہ کی زندگی، اکیلی شائستہ کی زندگی نہیں، ہمارے سماج میں، ہمارے گھر میں، ہمارے خاندان میں، جو ماحول ہے، اس نے نہ جانے

کتنی معصوم، اور پاک دامن لڑکیوں کا گلا اس طرح گھونٹا ہے کہ جس طرح شائستہ کا، بیچاری شائستہ، زندگی کا کوئی سُکھ نہ حاصل کر سکی، حالانکہ وہ شریف تھی، عفت مآب تھی، خوب صورت تھی، وفادار تھی، اس میں خوبیاں ہی، خوبیاں تھیں، لیکن مصیبتوں کے جال نے اُسے جکڑ لیا اور پھر وہ اس میں سے نہ نکل سکی؛ یہاں تک کہ......... ! اب آپ خود پڑھ لیجئے۔

ناشر

اُمنگیں

آج وہ کتنی خوش تھی، جیسے اس کی زندگی کا نیا اور شاندار دور شروع ہو رہا ہو، امتحان میں نہ صرف وہ کامیاب ہوئی تھی، بلکہ اپنے سارے درجہ میں اوّل آئی تھی، ہیڈ مسٹرس بیگم ذلفی نے اُسے مبارکباد دیتے ہوئے کہا تھا،

شائستہ تمہاری ہونہاری، سعادتمندی اور ذہانت وقابلیت نے اسکول کا نام اونچا کر دیا ہے، ہمیں اُمید ہے اسی طرح تم میٹرک کے امتحان میں بھی اوّل آؤ گی!"

اور شائستہ نے بڑے ادب کے ساتھ سر جھکا کر اپنی اُستانی کی یہ باتیں سُنی تھیں، اور ایک نئی دنیا کا خواب دیکھنے لگی تھی، میٹرک میں اوّل آ کر حکومت سے وظیفہ لے گی، پھر ایف ایس سی کا امتحان دے گی، پھر میڈیکل کالج میں داخل ہو گی، وہاں بھی اوّل آئے گی، اس کے بعد ولایت جائے گی، اور وہاں سے ڈاکٹری کی سب سے بڑی ڈگری لے کر واپس آئے گی، اور آتے ہی

اپنا مطب شروع کر دے گی، بہت جلد سارے شہر میں ڈاکٹر شائستہ کی دھوم مچ جائے گی خلقت ٹوٹ پڑے گی، اس کے دارالشفا کی طرف حُسن برسنے لگے گا، اس کے غریب خانہ میں، اور پھر وہ سوچنے لگی، اس وقت میرا یہ ننھا سا خوبصورت سا، پیارا پیارا بھائی جو ابھی صرف دو برس کا ہے، اسکول میں داخل ہو چکا ہوگا، میں اس کی پڑھائی اپنے ذمہ لے لوں گی، اعلیٰ تعلیم دلا کر اس کا مستقبل روشن کر دوں گی، وہ بھی ترقی کرے گا، پروان چڑھے گا، روپیہ کمائے گی، اور پھر ہم بھائی بہن تقسیم کار کر لیں گے، ابّا میاں تو بیٹے کے پاس رہیں گے، نہ جانے کیوں ان کی خونخوار آنکھیں دیکھ کر میں سہم جاتی ہوں، خون خشک ہو جاتا ہے میرا، نا بابا میرا ان کا گذر نہیں ہو سکتا، ہم دونوں ایک ساتھ نہیں رہ سکتے، بس دُور کی صاحب سلامت اچھی،

ہاں، امّاں جی، میرے پاس رہیں گی ——— کتنے عرصہ سے بیمار ہیں، ڈاکٹروں نے دِق تجویز کی ہے، مگر ڈھنگ سے علاج بھی نہیں ہو پاتا بیماری کا، ایسی بے زبان، ایسی صابر، ایسی نیک عورت دنیا کے پردہ پر نہ ہوگی، یہ ظالم شخص جو میرا باپ ہے، اپنی بیوی کو کیسی بے دردی سے مارتا ہے کس طرح اس کے زیور بیچ بیچ کر موج اڑاتا ہے، خود گوشت کھاتا ہے، اور اس بیچاری کے حصہ میں روکھی روٹی اور اُبلی ہوئی دال آتی ہے مگر وہ اللہ کی بندی اُف بھی نہیں کرتی "شوہر پرست" جو ٹھہری، مجھے تو اب شوہر کے تصور سے اتنی نفرت ہو گئی ہے کہ زندگی بھر شادی نہیں کرنے کی بس خدمتِ خلق کروں گی اور زندگی گذار دوں گی اسی طرح ۔

خدایا یہ ظلم تو دیکھو، ابا جان کی تنخواہ ہے ستر روپے، اور جنگی کے ایک محرر کی اس سے زیادہ ہو بھی کیا سکتی ہے، پچاس ساٹھ روپے اُوپر سے مار لیتے ہیں، مگر یہ ساری رقم، اپنی رنگ رلیوں پر صرف کردیں گے، اماں بچاری کے حصہ میں پچاس روپے سے زیادہ نہیں آتے، اس رقم میں وہ ابا کو دونوں وقت گوشت کھلائیں، ان کے اور اپنے اور میرے کپڑے بنائیں دوا علاج کریں، کوئی مہمان آ ٹپکے تو اس کی خاطر مدارات کریں، میرے اسکول کی فیس دیں، کتابیں خریدیں، اور جب پورا نہ پڑے تو سلائی کریں، محنت مزدوری کریں، ہاس پڑوس سے قرض منگائیں، اور اس کے بعد، شرابی شوہر کے نخرے اُٹھائیں، مار کھائیں، مگر اُف نہ کریں، آنسو نہ گرنے دیں، چاہے جتنا بخار ہو، چاہے جتنی طبیعت نڈھال ہو، مگر وقت پر کھانا تیار کریں، ننھے کو نہلائیں دھلائیں، اس کی رکھوالی کریں، رات رات بھر اس کی وجہ سے جاگیں، بھلا ایسی عورت کو بھی دِق نہ ہوگی تو کس کو ہوگی؟

کئی دن سے اُن کی طبیعت بہت خراب ہے، آج تو بہت ہی خراب تھی، میں تو آج بھی اسکول نہیں آ رہی تھی، لیکن ہیڈ مسٹرس صاحبہ نے بلا بھیجا تھا، اماں نے زبردستی بھیج دیا، بیٹھی یہاں ہوں، دِل وہاں اٹکا ہے، خدا اُنہیں جلدی سے اچھا کردے، کتنا پیار آتا ہے، اُن کی صورت دیکھ کر، جیسے وہ میری بیٹی ہیں، اور میں اُن کی ماں!"

خیالات کے اسی پیچاک میں وہ اُلجھی ہوئی تھی کہ ایک بے تکلف سہیلی، زاہدہ آگئی، اُس نے دبے پاؤں آکر پیچھے سے دونوں آنکھیں موند لیں،

شائستہ نے اس کے ہاتھ ہٹاتے ہوئے کہا،

"زاہدہ ———————

زاہدہ کھلکھلاتی ہوئی پاس آکر بیٹھ گئی،

"کیا سوچا جارہا تھا شائستہ خانم؟"

شائستہ نے زیرِ لب تبسم کے ساتھ جواب دیا،

"ایک دلچسپ افسانے کا پلاٹ!"

زاہدہ :- میں سمجھ گئی، فلمیں بہت دیکھی جارہی ہونگی آج کل!"

شائستہ :- ہاں، بہت، کبھی تو دن میں دو دو بار دیکھتی ہوں!

زاہدہ :- پھر تو دلچسپ افسانوں کے پلاٹ ذہن میں ضرور کلبلاتے ہوں گے،

لیکن افسانوں کے پلاٹ سوچتے سوچتے کہیں خود افسانہ نہ بن جانا!

شائستہ :- وہ تو بننا ہی پڑے گا،

زاہدہ :- کیوں بننا پڑے گا؟ ——— کیا رومان کا سلسلہ بھی شروع ہوگیا کہیں؟

شائستہ :- ہنستے ہوئے نہ ہر بات پوچھی جاتی ہے، نہ ہر بات کا جواب دیا جاتا ہے ——— خاموش

زاہدہ :- اچھا نہ بتاؤ، ابھی سارے اسکول میں خبر اڑائے دیتی ہوں، کہ شائستہ،

———————

شائستہ :- زاہدہ سے محبت کرتی ہے، کیوں یہی نا؟

زاہدہ :- دیکھو بتا دو سچ سچ، ورنہ ———————

شائستہ :- ہاں جانتی ہوں تمہارے جاسوس سارے شہر میں پھیلے ہوئے ہیں، فوراً پتہ لگا لوگی کس سے محبت کرتی ہوں میں ؟"

زاہدہ :- ہاں بے شک،

شائستہ :- لیکن ہر جاسوس ایک ہی خبر لائے گا کہ میری محبوبہ زاہدہ ہے،

زاہدہ :- (مسکراتے ہوئے) اور بھی کچھ سنا تم نے ؟

شائستہ :- نہیں ــــــ کوئی نئی خبر ؟

زاہدہ :- وہ رونق ہے نا ؟

شائستہ :- ہاں خوب جانتی ہوں، کیا ہوا اُسے ؟

زاہدہ :- کل اُس کا ایک خط پکڑا گیا،

شائستہ :- یہ بڑی بُری عادت ہے تم لوگوں کی ؛ آخر کسی کے خط پکڑ لے اور چرا لے سے کیا حاصل ؟

زاہدہ :- تم تو بالکل بے وقوف ہو، خود اُس نے لکھا تھا، میرا مطلب ہے، رونق نے لکھا تھا خط،!

شائستہ :- رونق نے خط لکھا تھا ؟ ــــــ کسے ؟

زاہدہ :- کریم صاحب کو،

شائستہ :- وہی جو ہمارے اسکول میں کلرک ہیں ؟

زاہدہ :- (ہنستے ہوئے) ہاں ہاں وہی،

شائستہ :- بڑی عجیب بات ہے، آخر رونق کو یہ سوجھی کیا تھی ؟

زاہدہ :- میں کیا جانوں ؟ ــــــ بڑی عمر ہے اس کی، دیکھو اسی طرح

آسا ہی ہے، پُوچھ لو، خوب ڈانٹنا،

اتنے میں رونق آگئی، شائستہ نے زاہدہ سے کہا

"پوچھوں ——————؟"

زاہدہ نے جواب دیا،

پُوچھ لو، ہمیں تو یقین نہیں کہ رونق جیسی شریف اور نیک، پاک باز لڑکی اتنی ناپاک حرکت کر سکتی ہے — کہ اسکول کے کلرک کو عاشقانہ خط لکھنے لگے، نہ جانے کس چانڈو خانے سے یہ گپ سُن کر آئی ہو، اور آتے ہی سارے اسکول میں پروپیگنڈا بھی شروع کر دیا، سچ سچ پوچھنا تھا، تو پہلے پوچھ لیا ہوتا، بدنام کرنے کے بعد، پوچھ گچھ کرنے سے کیا حاصل؟ اچھی رہی یہ —— غصّہ سے رونق کا ایک رنگ آرہا تھا، ایک جا رہا تھا، اس کا جی چاہ رہا تھا اس ہمت پر شائستہ کا منہ نوچ لے، شائستہ رونق کے ساتھ لپٹ گئی، اور گدگدانا شروع کر دیا، پھر کہا۔

"خدا کی قسم، یہ زاہدہ بڑی جھوٹی ہے، اُس کی پٹیا کہیں کی، یہ ساری باتیں جو اُسے میرے بارے میں کہی ہیں خود کہہ رہی تھی، تم جانتی ہو اس شیطان کی خالہ کو، پھر بھی خفا ہو گئیں ——————؟"

رونق نے ایک نظر زاہدہ پر ڈالی، اس کا سنجیدہ لیکن شوخ چہرہ شائستہ کی تصدیق کر رہا تھا، رونق نے تیکھے تیور سے پوچھا،

"کیوں زاہدہ ——————؟ شاید تم نہیں جانتیں،

"ہم بھی منہ میں زبان رکھتے ہیں!"

زاہدہ نے بڑی سنجیدگی سے کہا،

"دکھاؤ!"

شائستہ، اور رونق دونوں کو ہنسی آگئی، اتنے میں کچھ اور سہیلیاں بھی آگئیں ان میں رابعہ بھی تھی بے انتہا سیاہ فام اور ساتھ ہی ساتھ بے انتہا موٹی، اُسے دیکھتے ہی زاہدہ نے بڑے گھبرائے ہوئے انداز میں شائستہ سے کہا،

"بھاگو، بھاگو!"

اور یہ کہہ کر خود بڑی تیزی سے اس طرح بھاگ کھڑی ہوئی جیسے کوئی بھڑکی ہوئی بھینس سے ڈر کر بھاگتا ہے، سب سہیلیاں زور زور سے ہنسنے لگیں قہقہوں کے اس شور میں شائستہ کے کانوں میں ایک آواز گونجی،

"بیٹی شائستہ گھر چلو، تمہاری اماں نے بلایا ہے!"

یہ اس کی پڑوسن تھی دلارے کی ماں، شائستہ نے نظر اُٹھا کر دیکھا تو دلارے کی ماں کے چہرے پر ہوائیاں اُڑ رہی تھیں، اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا، وہ چپ چاپ اُٹھ کھڑی ہوئی،

"چلو ——— !"

---

(۲)

خون کی تے

دلارے کی ماں کے قدم سے قدم ملائے شائستہ چپ چلی جا رہی تھی، اس کا دل دھڑک رہا تھا، بار بار جی چاہتا تھا پوچھے،

"اماں کیسی ہیں؟ ———— کیوں بلایا ہے انہوں نے؟"

لیکن زبان یاری نہ دیتی تھی، الفاظ ہونٹ تک آ کر رک جاتے تھے، دلارے کی ماں کا بھی یہی حال تھا، بالکل خاموش اور گم صم، آخر شائستہ ضبط نہ کر سکی، اس نے رندھے ہوئے گلے اور بھرائی ہوئی آواز کے ساتھ کہا،

"خالہ ————

دلارے کی ماں نے مدھم آواز میں جواب دیا،

ہاں بیٹی،

شائستہ:- اماں نے کیوں بلایا ہے مجھے؟

دلارے کی ماں:- بیٹی میں کیا جانوں؟

شائستہ :- انہی نے تو زبردستی کرکے مجھے اسکول بھیجا تھا، اور خود ہی تمہیں بھیج کر بلا لیا ، ؟

دلارے کی ماں :- ہاں کوئی بات یاد آگئی ہوگی ، !

شائستہ :- ابّا سے تو لڑائی نہیں ہوئی ؟

دلارے کی ماں :- وہ تو جنگی کے دفتر گئے ہیں ، رات گئے تک واپس آئیں گے ؛

شائستہ :- ننھے کی طبیعت تو ٹھیک ہے ؛ کل سے دست آرہے تھے اسے ؛

دلارے کی ماں :- اس وقت تو اچھا بھلا تھا ، خوب کلکاریاں مار رہا تھا اپنے بستر پر ،

شائستہ :- خالہ ——————

دلارے کی ماں :- ہاں بیٹی ،

شائستہ :- اماں کی طبیعت کیسی ہے ؟

دلارے کی ماں :- تم جانتی ہو کیسی ہے ،

شائستہ :- میرا مطلب یہ ہے کچھ زیادہ تو نہیں خراب ہوگئی ؟

دلارے کی ماں :- کیا زیادہ کیا کم —————— بڑی نامراد بیماری ہے یہ ،

شائستہ :- وہ تو ہے ، لیکن اس وقت کوئی خاص بات تو نہیں ہوئی ؟

دلارے کی ماں :- قئے ہوئی ہے بڑی بھاری ،

شائستہ :- (چونک کر) قئے ؛ —————— وہ تو کچھ کھاتی ہی نہیں انہیں قئے کیوں ہوئی ؟

دلارے کی ماں :- اسی لئے تو ہوئی ، اب ان میں دم کیا رہ گیا ہے ؛ ذرا سا خون تھا ، وہ بھی نکل گیا اس طرح ،

شائستہ :- کیا خون کی قے ہوتی ہے ؟

دلارے کی ماں :- ہاں بیٹی ——————— یہ بڑی ،

شائستہ :- خالہ ، مجھے سنبھالو ،

دلارے کی ماں نے چلتے چلتے اُسے دونوں ہاتھوں سے پکڑ لیا اور کہا ،

"کیا بات ہے بیٹی ؟"

شائستہ نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا ،

"چکر آرہے ہیں ، زمین پاؤں کے نیچے سے نکلی جارہی ہے ،

دلارے کی ماں نے اُسے پکڑے پکڑے اور چلتے چلتے کہا ،

"بیٹی ہمت سے کام لو ، سب کے ماں باپ ہمیشہ نہیں بیٹھے رہتے !"

شائستہ :- (روتے ہوئے) خالہ ، خالہ کیا میری اماں گزر گئیں اس دنیا سے ؟

دلارے کی ماں :- نہیں نہیں ——————— جب تک سانس تب تک آس ، حالت ضرور نازک ہے ،

شائستہ :- اے خدا ، میری زندگی ، میری ماں کو دے دے ، ان کے بغیر میں زندہ نہیں رہ سکتی !

دلارے کی ماں :- نہیں بیٹی یہ نہ کہو ،

شائستہ :- کیسے نہ کہوں ، میرا دل ہول رہا ہے ، میرے ہاتھ پاؤں سنسنا رہے ہیں ،

دلارے کی ماں :- میں جانتی ہوں ، تم اپنی ماں سے کتنی محبت کرتی ہو ، لیکن بیٹی ، اس دنیا میں جو آیا ہے اُسے مرنا ہے ، خدا کرے وہ بچ جائیں ، لیکن تمہیں ہر بات کے لئے تیار رہنا چاہیئے ، خدا نخواستہ وہ مرگئیں تو تمہی کو سنبھالنا پڑیگا

شائستہ :- یہ منحوس گھر ہے، اس میں ایک آن کے لئے کبھی میری ماں کو سکھ نہ ملا وہ ہمیشہ دکھی رہیں، اس گھر سے مجھے نفرت ہے، اماں کو کچھ ہوا تو میں آگ لگا دوں گی اس میں،

دلارے کی ماں :- پھر اس میں جو کچھ ہے سب کچھ جل کر بھسم ہو جائے گا،

شائستہ :- ہو جانے دو میں نہیں پروا کرتی،

دلارے کی ماں :- لیکن تمہارا ننھا ———— وہ بھی تو اسی گھر میں ہے،

شائستہ :- نہیں نہیں، اسے کچھ نہیں ہو گا، میں اسے بہت چاہتی ہوں، میں اس کی بہن ہوں،

دلارے کی ماں :- ہاں تم اس کی بہن ہو، لیکن تمہیں اس کی ماں بننے کے لئے بھی تیار رہنا چاہیئے۔

شائستہ :- میں اس کے لئے سب کچھ کروں گی،

دلارے کی ماں :- شاباش میری بچّی،

شائستہ :- کیا اماں کی حالت بہت نازک ہے؟

دلارے کی ماں :- ہاں بہت زیادہ،

شائستہ :- لیکن مجھے بلانے کے بجائے پہلے حکیم یا ڈاکٹر کو بلانے کی فکر کی ہوتی،

دلارے کی ماں :- دلارے کے باپ حکیم جی کو لینے گئے ہیں شاید آ چکے ہوں،

شائستہ :- کیوں خالہ اماں بچ جائیں گی؟

دلارے کی ماں :- زندگی اور موت خدا کے ہاتھ میں ہے میری بچّی!

اتنے میں گھر آ گیا!

شائستہ نے کہا،

"خالہ میں یہاں کھڑی ہوں، جاؤ دیکھ آؤ، اماں کا کیا حال ہے؟"

دلارے کی ماں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے ساتھ لے چلتے ہوئے کہا۔

"خدا کے فضل پر بھروسہ رکھو ——— آؤ!"

شائستہ مزاحمت نہ کر سکی، ماں کا سُتا ہوا چہرہ دیکھ کر وہ دیوانہ وار اس کی طرف لپکی اور اس سے لپٹ کر رونے لگی۔

"اتنی دیر میں تمہیں کیا ہو گیا اماں، ——— ؟"

دلارے کی ماں نے سامنے نظر ڈالی، تو تازہ خون کے تھکّے نظر آئے، کہنے لگی،

شاید میرے پیچھے پھر تے ہوئی ہے؛

شائستہ کی ماں نے آنکھوں کی گردش سے اقرار کیا، پھر شائستہ کو اپنے پاس آنے کا اشارہ کیا، وہ سمٹ کر اور زیادہ اس سے مل کر بیٹھ گئی،

"کیا ہے اماں؟ ——— کچھ کہنا چاہتی ہو تم؟"

اس مرتبہ بھی آنکھوں کی گردش سے اس نے کام لیا،

شائستہ نے بڑے محبت بھرے لہجہ میں کہا،

"تو کہو ———"

لیکن وہ کچھ نہ کہہ سکی، اس کی زبان بند ہو چکی تھی!

شائستہ رونے لگی،

دلارے کی آنکھوں سے بھی آنسو جاری ہو گئے،

اس دُنیا سے رخصت ہوتے وقت شائستہ کی ماں کی آنکھیں بھی پُرنم ہو گئیں

———— شاید زندگی میں پہلی مرتبہ!!! شائستہ نے بڑی سے بڑی مصیبت اور اذیت کے وقت بھی اپنی ماں کی آنکھوں میں آنسو نہیں دیکھے تھے

———— لیکن آج، صرف آج!

وہ پھر ماں سے لپٹ گئی، اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی،

"امّاں کہو، تم کیا کہنا چاہتی ہو،!"

ماں نے کوئی جواب نہ دیا، ننھّے کی طرف دیکھنے لگی، دُلارے کی ماں نے اُسے بستر سے اُٹھایا، اور اس کی طرف لے کر بڑھی، وہ اس وقت بے خبر گہری نیند سو رہا تھا، اور کسی ایسے شیریں خواب میں محو تھا کہ بار بار اس کے ہونٹ مسکرا رہے تھے۔

دُلارے کی ماں ننھّے کو لے کر جیسے ہی اس کے قریب پہنچی اُس نے اشارہ سے کہا اسے شائستہ کی گود میں دے دو، ننھّا شائستہ کی گود میں آگیا، پھر اس کی ماں نے، اپنا کانپتا ہوا ہاتھ شائستہ کے ہاتھ پر رکھ کر اُسے دبانے کی کوشش کی، گویا وہ یہ کہنا چاہتی تھی، اس معصوم اور ننھّی سی امانت کو تمہارے سپرد کرتی ہوں، شائستہ نے ماں کا مطلب سمجھ لیا، اور زندھی ہوئی آواز میں کہا

"اماں تم اس کی پروا نہ کرو، یہ میری جان کے ساتھ ہے!"

یہ سنتے ہی جس چہرے پر اب تک مُردنی چھائی ہوئی تھی، ذرا سی دیر کے لیے شگفتگی سی نظر آئی، گویا وہ شائستہ کے الفاظ سے مطمئن ہوئی، اپنے لختِ جگر کے بارے میں جتنی فکریں اُسے پریشان کر رہی تھیں، سب کافور ہوگئیں، پھر وہ ٹکٹکی باندھ کر سامنے کی طاق پر دیکھنے لگی، اس طاق میں قرآن شریف

رکھا ہوا تھا، دُلارے کی ماں مطلب سمجھ گئی، اُس نے کہا۔

"بیٹی ننھے کو مجھے دے دو!"

شائستہ ننھے سے اس طرح چمٹ گئی، جیسے دُلارے کی ماں اُسے چھین لے جائے گی۔

"نہیں خالہ اسے میرے پاس رہنے دو!"

دلارے کی ماں نے ٹوکا،

"دیکھ تیری ماں کیا کہہ رہی ہے؟ ننھے کو مجھے دے، طاق سے قرآن اُتار اور لیسین پڑھ!"

شائستہ نے ماں کی طرف دیکھا! اور اس کے چہرے لبشرے سے، اندازہ کیا کہ دلارے کی ماں سچ کہہ رہی ہے، ننھے کو دُلارے کی ماں کی گود میں دے کر جلدی جلدی وضو کیا، پھر طاق سے قرآن اُتارا اور آہستہ آہستہ لیسین پڑھنے لگی، پڑھتی جاتی تھی اور آنکھوں سے آنسو کے موتی گرتے جاتے تھے،

اتنے میں دروازے پر دلارے کے باپ نے آواز دی،

"حکیم جی آتے ہیں!"

دلارے کی ماں نے جلدی سے لپک کر دروازہ کھولا، حکیم صاحب نہایت متانت کے ساتھ تشریف لائے، شائستہ نے قرآن پھر طاق پر رکھ دیا، اور دالان کے ستون کے سہارے لگ کر کھڑی ہوگئی کہ دیکھے حکیم صاحب کیا معجزہ دکھاتے ہیں،

حکیم صاحب نے نبض دیکھی، اور ایک ٹھنڈی سانس لے کر حاضرین کو دیکھنے

لگے، اتنے میں دلارے کی ماں، قلم دوات اور کاغذ لے کر نسخہ لکھانے کے لئے سامنے آ کھڑی ہوئی، حکیم صاحب ٹکٹکی باندھ کر دیکھنے لگے، دلارے کی ماں نے کہا،

"حکیم صاحب نسخہ لکھ دو!"

حکیم صاحب نے اٹھتے ہوئے کہا،

"کس کے لئے ——— ؟"

شائستہ چیخی،

"میری ماں کے لئے ——— حکیم صاحب خدا کے لئے میری ماں کو بچا لیجیے!"

حکیم صاحب نے شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا،

"بیٹی مُردے زندہ نہیں ہوا کرتے، تیری ماں اس دنیا سے رخصت ہو گئیں، اب نسخہ کی نہیں دعا کی ضرورت ہے!"

شائستہ پھر کانپتی ہوئی آواز سے چیخی،

"غلط ——— اماں مر نہیں سکتیں وہ زندہ ہیں، وہ سو رہی ہیں وہ، ——— سو ——— رہی ہیں ——— اور پھر وہ کچھ نہ کہہ سکی، دھڑام سے تیورا کر گری اور بیہوش ہو گئی!

---

(۳)
نئی ماں

شائستہ نے اسکول جانا چھوڑ دیا ——— اب اس کے صرف دو کام تھے
دونا یا ننھّے کو پیار کرنا، واقعی وہ ایک ماں کی طرح اپنے ننھّے سے بھائی کا چاؤ
چوچلا کر رہی تھی، اس کی ساری اُمنگیں ختم ہو چکی تھیں، اب وہ صرف ایک ہی
خواب دیکھتی تھی، ننھّا اچھا رہے، پروان چڑھے پھولے پھلے، وہ برتن مانجھتی
تھی، کپڑے دھوتی تھی، کھانا پکاتی تھی، ننھّے کے لئے، رات رات بھر جاگتی
تھی اور اسے بیکل نہ ہونے دیتی تھی، باپ سے نہ جانے کیوں اس کا دل نفرت
کرتا تھا، جب بھی منشی ممتاز علی پر اس کی نظر پڑ جاتی، وہ ایسا محسوس کرتی
جیسے یہ میرا باپ نہیں، میری معصوم اور مظلوم ماں کا قاتل ہے، ماں کے
قاتل سے کون محبت کر سکتا ہے؟ وہ منشی جی سے محبت نہیں کرتی تھی، لیکن
ان کی خدمت میں کوئی کسر بھی نہیں اُٹھا رکھتی تھی، وقت پر کھانا، وقت پر
ناشتہ، ان کے کسی آرام اور پروگرام میں فرق نہیں آیا تھا، وہ اب بھی

غصّہ کرتے تھے، ننھے سے بچّہ کو بھی اور نوجوان شائستہ کو بھی جھڑکتے تھے، ڈانٹتے تھے، کبھی کبھی مار بھی بیٹھتے تھے، غصّہ تو اُن کی ناک پر رکھا تھا بیوی کے مرنے کا ذرا جو انہیں غم ہو، ایسا معلوم ہوتا تھا، جیسے ایک کانٹا تھا، جو نکل گیا، اب وہ پہلے سے زیادہ چونچال اور ہشاش بشاس نظر آتے تھے، ایک روز منشی جی دفتر سے آئے اور شائستہ سے کہنے لگے،

"میں ذرا چند دن کے لئے باہر جا رہا ہوں ولارے کی ماں سے کہہ دیا ہے وہ رات کو رہ جایا کرے گی!"

شائستہ نے ڈرتے ڈرتے کہا،

لیکن چند ہی دن میں تو اماں کا چالیسواں ہونے والا ہے!"

منشی جی کی تیوریاں چڑھ گئیں،

"تو ——————؟

شائستہ لرز گئی، لیکن بولی،

"کیا اس دن تک آپ آجائیں گے؟"

منشی جی کا غصّہ اور بڑھ گیا،

"کام ہو گیا تو آجاؤں گا نہ ہوا، نہیں آؤں گا! —————— ہونہا یہ کہہ کر زور زور سے پاؤں پٹکتے باہر چلے گئے، شائستہ رونے لگی اُسے روتا دیکھ کر ننھا بھی رونے لگا، ننھے کا رونا اس سے نہ دیکھا گیا وہ اسے بہلانے لگی، گیت سنانے لگی، لوریاں دینے لگی، یہاں تک کہ وہ قہقہے مار مار کر ہنسنے لگا اور اُسے ہنستا دیکھ کر وہ بھی مسکرانے لگی، اس ننھی سی جان نے بہن کا غم

چھین لیا،

دُلارے کی ماں چراغ جلے آجاتی، کچھ دیر تک اِدھر اُدھر کی باتیں کرتی، پھر اطمینان سے خرّاٹے لینے لگتی، جیسے گھوڑے بیچ کر سو رہی ہو، لیکن شائستہ کو نیند نہ آتی، نہ جانے کیا بات تھی، جب سے ماں کا انتقال ہوا تھا، آنکھوں کی نیند اُتر گئی تھی، شاید اس کی وجہ یہ تھی، کہ دن کو سوچنے اور حالات کا جائزہ لینے کا موقع نہیں ملتا تھا، رات کو جب سب سو جاتے، تو اطمینان سے وہ ماضی، حال، اور مستقبل کی تصویریں دیکھنے لگتی ——— اندھیرے میں،

آج شائستہ بہت مصروف تھی، اس کی مرحوم ماں کا چالیسواں تھا، منشی جی سفر سے اب تک واپس تشریف نہیں لائے تھے، نہ جاتے وقت اس مد میں خرچ کرنے کے لئے کچھ دے گئے تھے، شائستہ نے سلائی کر کے سات روپے جمع کئے تھے، پانچ روپے دلارے کی ماں سے قرض لئے تھے، اسی میں مختصر طور پر فاتحہ کا کھانا تیار کر لیا تھا، عین مغرب کے وقت جب وہ فاتحہ دے کر کھانا تقسیم کرنے جا رہی تھی، منشی جی پیکرِ جمال بنے تشریف لائے،!

وہ تنہا نہیں تھے،

ان کے ساتھ ایک عورت بھی تھی، جس کے ہونٹوں پر تبسم کھیل رہا تھا، جس کے ساتھ بستر کے علاوہ کچھ برتن بھی تھے، کچھ سنگار کی چیزیں بھی، کچھ تھوڑا سا فرنیچر بھی،

شائستہ سوچنے لگی،

"یہ کون عورت ہے؟"

وہ اپنی یادوں پر زور دینے لگی،

"میں نے اسے کہیں دیکھا ہے؟"

لیکن نہ یاد نے کام دیا، نہ سوچ نے ——————— !

"آخر کون ہو سکتی ہے یہ؟"

مگر دل نے کچھ جواب نہ دیا،

اتنی ہی دیر میں منشی جی کا پیمانۂ صبر لبریز ہو چکا تھا، وہ گرجے،

"نالائق، بدتمیز!"

شائستہ چونک پڑی، اور سوالیہ نظروں سے باپ کی طرف دیکھنے لگی،

"سلام کیا تو نے انہیں؟"

بے ساختہ شائستہ کے ہاتھ سلام کے لئے اُٹھ گئے،

وہ عورت، مسکرائی، لیکن اس مسکراہٹ میں کتنا طنز تھا، اسے شائستہ نے خوب اچھی طرح محسوس کر لیا،

منشی جی نے، خلافِ عادت اور خلافِ معمول مسکراتے ہوئے کہا،

"یہ ہیں امجدی بیگم!"

شائستہ کی سمجھ میں اب بھی نہیں آیا، امجدی بیگم کون ہیں؟ اور کیوں آئی ہیں؟

منشی نے فرمایا،

"تمہاری نئی ماں"!

شائستہ کے پاؤں لڑکھڑانے لگے، دل دھڑکنے لگا!

یہ تو وہ جانتی تھی کہ ابا میاں نئی نویلی دلہن ضرور لائیں گے، لیکن اس قدر جلد، اور مرحوم بیوی کے عین چالیسویں کے دن اس کا تو اسے وہم و گمان بھی نہ تھا!

منشی جی نے کہا،

"امجدی ——— مسافروں کی طرح کیوں بیٹھی ہو؟ کوئی اپنے گھر میں اس طرح بیٹھتا ہے"!

پھر شائستہ سے گویا ہوئے،

آج سے یہ گھر چلائیں گی، کوئی کام ان کی مرضی کے خلاف نہیں ہونا چاہیئے'

شائستہ نے مری ہوئی آواز میں کہا،

"ایسا ہی ہو گا ابا جان!"

منشی جی نے کھانے کی دیگچیوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا،

"یہ کیا ہے؟ ——— کیا کسی کی دعوت ہے؟"

شائستہ بولی،

"نہیں تو ——— آج اماں کا چالیسواں ہے، فاتحہ کے لئے میں نے کچھ چیزیں پکالی تھیں!"

منشی جی نے ایک قہقہہ لگایا،

"تو گویا ہماری دعوت کا سامان پہلے سے تیار تھا!"

یہ قہقہہ نہ تھا، گھونسہ تھا جو شائستہ کے سینہ پر لگا، لیکن بے بس تھی کیا کر سکتی تھی، سوائے آنسو بہانے کے؟ وہ بھی اس طرح کہ ظالم باپ، اور

سنگدل ماں دیکھ نہ لے،
منشی جی نے امجدی بیگم سے کہا
"تھوڑا سا کھانا مسجد کے ملّا کو بھیج دو، کچھ دو چار فقیروں کو دے دو،
باقی استعمال میں لاؤ!"
امجدی بیگم نے کانوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا،
"توبہ ——————
منشی جی :- یہ کیوں بھائی؟
امجدی بیگم :- بڑے اچھے دن ہمیں یہاں لائے ہو غضب خدا کا چالیسویں کا کھانا
میں کھاؤں گی؟"
منشی جی :- پھر —— ؟ کیا ارادہ ہے؟
امجدی بیگم :- فاقہ کروں گی!
منشی جی :- کچھ پاگل ہوئی ہو، فاقہ کیوں کرو گی؟ —————— شائستہ بیٹی
یہ لے دو روپے، دلاری کی ماں سے کہدے وہ ایک مرغی لا دے گی،
جلدی سے پکا ڈال اپنی ماں کے لئے، —————— شاباش ——!
شائستہ وہ دو روپے لے کر، دلاری کی ماں کے ہاں چلی گئی، وہ خود اس کے
ہاں آنے کے لئے پر تول رہی تھی، آج کے کھانے میں اس کا بھی تو حصّہ تھا
وہ سمجھی شائستہ مجھے بلانے آئی ہے، کہنے لگی،
"تم کیوں آگئیں؟ —————— میں تو خود آرہی تھی بیٹی!
شائستہ نے کہا،

"خالہ تمہیں ایک تکلیف دینے آئی ہوں!

دلارے کی ماں :- تکلیف کا ہے کی، کہو کیا کام ہے؟

شائستہ :- (دو روپے دیتے ہوئے) ایک مرغی لا دو، اچھی سی،

دلارے کی ماں :- وہ تو لا دوں گی، لیکن اتنا سارا کھانا تو پکا ہے، اب مرغی پکا کر کیا کرو گی، مفت کی فضول خرچی۔

شائستہ :- اماں جان کے لئے پکانا ہے،

دلارے کی ماں :- (حیرت سے) اماں جان؟ —— کچھ دیوانی ہوئی ہے لڑکی؟

شائستہ :- خدا تمہارا کہا پورا کرے، اور میں دیوانی ہو جاؤں؟

دلارے کی ماں :- ارے کیوں میری بچی؟

شائستہ :- دیکھو اب کیا گت بنتی ہے، ہم بھائی بہن کی، طور تو بے طور نظر آتے ہیں!

دلارے کی ماں :- کس کے طور —————؟

شائستہ :- کہہ تو رہی ہوں، اماں جان کے طور، امجدی بیگم کے طور، منشی ممتاز صاحب کی نئی نویلی دلہن کے طور، جنہوں نے ابھی قدم رنجہ فرمایا ہے، اور فاتحہ کا کھانا کھانے سے صاف انکار کر دیا ہے،!

دلارے کی ماں :- (دانتوں تلے انگلی دبا کر) سچ ——— ؟ منشی جی نے شادی کر لی؟ ———— اور وہ بھی امجدی سے؟

شائستہ :- ہاں ——— کیا تم جانتی ہو، یہ امجدی بیگم کون ہیں؟

دلارے کی ماں :- (زہر خند کرتے ہوئے) میں نہ جانوں گی؟

شائستہ :- کون ہیں یہ ؟

دلارے کی ماں :- کیا کرو گی زبان کھلوا کر ،

شائستہ :- بتاؤ تو سہی ، ذرا معلوم تو ہو ، ہماری نئی اماں کہاں کی ہیں ، کیسی ہیں ؟

دلارے کی ماں :- یہ ایک بیوہ عورت ہے ، ۳۵ کی عمر ہو گی ، صورت نہ شکل بھاڑ میں سے نکل ، لیکن مردوں کو لبھانے اور پھر کام نکالنے کے طریقے خوب جانتی ہے ، منشی جی کی دور کی رشتہ دار بھی ہے ،

شائستہ :- نہیں کیسے معلوم ؟

دلارے کی ماں :- سب جانتی ہوں ، مجھ سے کیا چھپا ہے ، چھپ چھپ کے منشی جی ہمیشہ اسی کے ہاں جایا کرتے تھے ، یہاں سے ۸ ہی میل تو ہے راج پور وہیں رہتی تھی یہ !

شائستہ :- تو پہلے کی صاحب سلامت ہے ؟

دلارے کی ماں :- صاحب سلامت نہیں ، یاری ، آشنائی ——— توبہ ہے میرے خدا ، واقعی قیامت قریب آ گئی ہے ، میں تو یہ سوچ رہی ہوں ، کہ تمہارا اس عورت سے نباہ کیسے ہو گا ؟

شائستہ :- کیوں ؟ کر لوں گی کسی طرح ،

دلارے کی ماں :- ناممکن ——— بڑی بدمزاج اور بدزبان عورت ہے خدا پناہ میں رکھے اس سے ، !

شائستہ :- دیکھا جائے گا ، تم مرغی لاؤ جلدی سے ، ورنہ میری شامت آ جائے گی ،

دلارے کی ماں جلدی سے باہر گئی ، اور ذرا دیر میں ایک اچھی سی مرغی

لے کر آ گئی،

شائستہ گھر پہنچی تو اتنی ہی دیر میں گھر کا نقشہ بدلا ہوا تھا، گھر کے دونوں کمروں پر امجدی بیگم نے قبضہ کر لیا تھا، کوٹھری اس کے لئے خالی چھوڑ دی تھی ننھا کوٹھری کے دروازے کے پاس بیٹھا رو رہا تھا لیکن اس کا پُرسانِ حال کوئی نہ تھا ؂

(۴)

ستالے اے ستم ایجاد جتنا جی چاہے!

دلارے کی ماں نے امجدی بیگم کے بارے میں جو کچھ کہا تھا اس کا حرف حرف صحیح ثابت ہوا، ایسی بدمزاج اور بدزبان عورت واقعی شائستہ نے کبھی نہیں دیکھی تھی، ساتھ ہی بلا کی عیّار اور مکّار بھی، شائستہ اور ننّھے سے تو اُسے خدا واسطے کا بیر تھا، لیکن منشی جی کی عدم موجودگی میں!! وہ گھر میں آتے اور امجدی کا طرزِ عمل بدلا، ان کے سامنے وہ ننّھے پر اپنے آپ کو صدقے واری کرتی رہتی تھی، شائستہ سے اس چاؤ اور محبت سے پیش آتی تھی کہ وہ حیرت کرنے لگتی یہ وہی امجدی ہے جو ابھی تھوڑی دیر پہلے قہر و غضب کا پیکر بنی ہوئی تھی؟ کبھی کبھی تو ایسا ہوتا وہ خود غلط فہمی میں مبتلا ہو جاتی، اور سوچنے لگتی نئی اماں اتنی بُری نہیں ہیں، جتنی میں سمجھتی ہوں، لیکن کچھ ہی دیر بعد، وہ پھر یہ غور کرنے پر مجبور ہو جاتی کہ یہ عورت زہر کی بجھی ہوئی ہے، اس کے انداز و اطوار سے صرف نفرت

جھلکتی ہے، اس سے کسی طرح کی بھلائی اور انسانیت کی توقع ہی نہیں کی جاسکتی، یہ میری ماں کی قائم مقام بن کر نہیں آئی ہے، میرے باپ کی قائم مقام ہے، وہی غصہ، وہی جلال، وہی نخوت، وہی فرعونیت

لیکن کچھ بھی ہو، زندگی اسی گھر میں گذارنی تھی، حالات کیسے ہی ہوں، نہ باپ کا دامن چھوڑا جاسکتا تھا، نہ گھر سے منہ موڑا جا سکتا تھا، یہی کچھ سوچ کر وہ پھر اپنے کام میں لگ جاتی، اور اپنے دل کو اس طرح بہلانے کی کوشش کرتی، گویا کچھ ہوا ہی نہیں تھا، جو کچھ ہوا تھا، اس کی حیثیت خواب و خیال سے زیادہ نہ تھی،

ایک روز امجدی نے شائستہ سے کہا،

"قیمہ آیا ہوا رکھا ہے پھر سل پر پیس ڈالو، اس کے بعد کباب بنالو!"

نہ جانے کیا بات تھی آج ننھے میاں کا گریۂ بے اختیار قابو سے باہر تھا، کسی طرح بہلائے نہیں بہل رہے تھے، جتنا جتنا چمکارو بہلاؤ، اتنا ہی اتنا بھڑکتے، مچلتے اور بگڑتے تھے، شائستہ نے امجدی کو کوئی جواب نہیں دیا، ننھے کو بہلاتی رہی، سوچا یہ تھا ذرا یہ بہل جائے تو حکم کی تعمیل کروں، دفعتًہ اس کے کانوں میں امجدی بیگم کا نعرۂ غضب گونجا، وہ کہہ رہی تھیں،

"حرامزادی کی بچی کچھ بہری ہے، سن رہی ہے یا نہیں؟"

یہ نیا لقب سُنکر، حرامزادی کی بچی کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے وہ چپ چاپ اُٹھی اور باورچی خانہ میں جاکر کام کرنے لگی، ننھے اس

کی گود میں تھا ، اور وہ جلدی جلدی اپنے کاموں سے نمٹ رہی تھی یہاں تک کہ قیمہ اُبل گیا اور اب وہ سل پر اُسے رکھ کر پیسنے لگی قیمہ کے پیسنے میں بیک وقت دونوں ہاتھ مصروف رکھنا ضروری تھے چنانچہ اُس نے ننھے کو اپنے پاس زمین پر بٹھا لیا اور قیمہ پیسنے لگی ، ننھے میاں کو جو فرصت ملی، تو اُنہوں نے بغیر کسی اعلان کے، پہلے تو ایک مختصر سا گشت لگایا ، پھر سل کے عین سامنے کھڑے ہو کر جو پیشاب فرمایا تو دھار سیدھی سل کو اور شائستہ کے ہاتھوں کو چومتی ہوئی نکل گئی ، شائستہ سہم گئی ، جیسے اس سے کوئی بہت بڑا جرم سرزد ہو گیا ہو ، اُس نے بے بسی سے امجدی بیگم کی طرف دیکھا ، وہ دیکھ رہی تھیں کیا ماجرا گذرا ، شائستہ اور زیادہ ڈر گئی ، اتنے میں بادِ مخالف کے ایک جھونکے کی طرح ، امجدی بیگم تشریف لائیں ، پہلے تو اُنہوں نے سارا قیمہ سل سے اُٹھا کر باہر صحن میں پھینکا ، پھر ایک لات شائستہ کی کمر پر اس شان سے لگائی جیسے کوئی کھلاڑی فٹ بال کو ٹھکراتا ہے ، پھر آؤ دیکھا نہ تاؤ ، ننھے کے پھول سے رخساروں پر طمانچوں کی بارش شروع کر دی ، شائستہ یہ منظر نہ دیکھ سکی ، اُس نے جھپک کر بڑی تیزی سے ننھے کو ان کے سامنے سے اُٹھا لیا ، خود روتی اور روتے ہوئے بھائی کو سہلاتی اور بہلاتی اپنی کوٹھری میں چلی گئی ،

امجدی بیگم نے سر پر ایک پٹی باندھی اور چارپائی پر دراز ہو گئیں ٹھیک دو بجے منشی جی بھوک سے بے حال اور نڈھال تشریف

لاتے، بھوک ان کی کمزوری تھی، خصوصاً ایک بجے کے بعد، اگر کھانا نہ ملے تو پھر وہ ہر اس شخص کو کھانے پر تیار ہو جاتے تھے، جو سامنے آ جاتے، امجدی بیگم ان کی اس ادا سے واقف تھیں، انہیں دیکھتے ہی اُٹھ کھڑی ہوئیں اور باورچیخانہ کی طرف لپکیں، ماتھے پر پٹی بندھی دیکھ کر منشی جی نے پوچھا،

"یہ کیا ہوا؟ ——— طبیعت کیسی ہے؟"

"ٹھیک ہے!"

یہ کہتی ہوئی وہ باورچیخانہ کی طرف لپکیں، اور ایک ڈلیا میں چار روٹیاں، اور ایک رکابی میں ٹماٹر کی چٹنی، اور ایک گلاس میں ٹھنڈا پانی سامنے لاکر رکھ دیا، صرف ٹماٹر کی چٹنی دیکھ کر منشی جی بھڑک گئے۔

"یہ کیا ہے؟ کیا میں یہ کھاؤں؟"

امجدی بیگم نے بیمار آواز میں جواب دیا،

"اس وقت تو یہی کھالو!"

منشی جی: لیکن کیوں؟ ——— وہ قیمہ جو میں نے لاکر دیا تھا، !

امجدی بیگم:- ہاں دیا تو تھا،

منشی جی:- کیسی پہیلیاں بجھوا رہی ہو، ہاں دیا تو تھا، ارے بھئی وہ کیا ہوا؟ کیا چیل کوّے کھا گئے اسے؟

امجدی بیگم:- نہیں یہ بات تو نہیں، اللہ جانے صبح سے سر پھٹا جا رہا ہے مارے درد کے ———

منشی جی :- تو کیا فرض تھا کہ تم پکاتیں ؟ ——— شائستہ کہاں مر گئی تھی ؟ وہ کس مرض کی دوا ہے آخر ؟

امجدی بیگم :- انہوں نے تو یہ گل کھلایا ہے جو چٹنی روٹی تمہیں کھانا پڑ رہی ہے،

منشی جی :- (برہم ہو کر) کیا مطلب ؟

امجدی بیگم :- کہہ تو رہی ہوں درد کے مارے سر پھٹا جا رہا تھا، پھر بھی میں نے قیمہ ابالا، پیسا، حالانکہ چکر آنے لگے تھے، پلیتے ہوئے پھر میں نے شائستہ سے کہا، بیٹی اپنے باپ کے لئے چار کباب تل دے جلدی سے،

منشی جی :- (بے صبری سے) پھر ——— ؟ پھر کیا ہوا ؟ (چیخ کر) کیا کیا اس حرامزادی نے ؟

امجدی بیگم :- کرتیں کیا منّھے سے کھیلتی ہوئی تشریف لائیں حالانکہ میں نے کہہ رکھا ہے کہ بچّے کو بغیر پیشاب کرائے کبھی باورچی خانہ میں مت لاؤ، لیکن میرا کہا ماننا تو ان کے لئے کفر ہے کھیل کھیل میں اس نے پیشاب کی دھار جو ماری ہے، تو سارے کباب بھیگ گئے میں نے تو پھر دلارے کی ماں سے گوشت منگوانے کی کوشش کی لیکن نہ ملنا تھا نہ ملا، دال تم کھاتے نہیں، چٹنی بنا دی، مزے کی ہے!

شائستہ دیوار سے لگی جھوٹ کا یہ سارا طومار سن رہی تھی، اور حیرت

کر رہی تھی کہ ایسا سفید جھوٹ بھی بولا جا سکتا ہے، مشکل سے یہ داستان طلسم ہوشربا ختم کر وہ اپنی کوٹھڑی میں آ کر بیٹھی ہو گی، کہ منشی جی پیکر جلال بنے ہوئے آ پہنچے اُن کی خونخوار، اور سرخ سرخ آنکھیں دیکھ کر وہ لرز گئی، اُنہوں نے منہ سے ایک لفظ نہیں کہا، آتے ہی شائستہ کو طمانچوں اور گھونسوں سے تواضع شروع کر دی، وہ بھی اپنی مرحوم ماں کی طرح کبھی کے سامنے رونے کی عادی نہیں تھی، چپ آنسو پیتی اور مار کھاتی رہی، جب خوب جی بھر کے پیٹ چکے، تو ننھے کی طرف لپکے، اور دو چار چانٹے اس کے بھی جھاڑ دیئے، اور پھر بجلی کی طرح نکل کر صحن میں آ گئے، امجدی سے کہا،

"میں جاتا ہوں!"

اور لیکے دل ـــ دلستاں روانہ ہوا،

منشی جی کے تشریف لے جانے کے بعد امجدی بیگم، شائستہ کی کوٹھری میں تشریف لائیں، اور کڑے تیور کے ساتھ فرمایا:-

"یہاں بیٹھی کیا کر رہی ہے؟ ـــــ مکار کہیں کی، کیسے ٹسوے بہائے جا رہے ہیں، بہت ہو گیا رونا دھونا! چلو کام کرو! ورنہ رات کو وہ پٹائی ہو گی کہ کئی دن سوجن نہیں اُترے گی بدن کی!'

شائستہ آنسو پونچھتی ہوئی کھڑی ہو گئی، اور سوالیہ نظروں سے

امجدی بیگم کی طرف دیکھنے لگی، امجدی بیگم نے طنزیہ لہجہ میں کہا،
"میری طرف کیا ٹکر ٹکر دیکھے جا رہی ہو، گیہوں کب کے آئے رکھے ہیں، آٹا پیس ڈالو!"

ماں کی زندگی میں شائستہ نے نہ کبھی سل پر بیٹھ کر قیمہ پیسا تھا، نہ چکی میں گیہوں پیسنے کی مشق کی تھی، یہ سارے کام دلارے کی ماں کرتی تھی، اور اُسے کچھ تھوڑا بہت کھانے پینے کو مل جاتا تھا، آج قیمہ بھی پیسنا پڑا، اور اب وہ گیہوں پیسنے جا رہی تھی،

ستا لے اسے ستم ایجاد جتنا جی چاہے،

لیکن آٹا پیسنے جاتے وقت پھر یہ سوال سامنے آیا کہ ننھے کو کس کے پاس چھوڑے، آخر اُسے گود میں اُٹھایا، اور سامنے کے دالان میں چکی کے پاس جا کر آٹا پیسنے لگی، امجدی بیگم نے دس سیر گیہوں دیئے تھے اور تاکید کر دی تھی، ابھی اسی وقت پیس ڈالو، وہ ایک ہاتھ سے ننھے کو سنبھالے تھی، دوسرے سے چکی کا ڈانڈا گھما رہی تھی، جب یہ ہاتھ تھک جاتا تو ننھے کو اُدھر بٹھا لیتی اور دوسرے ہاتھ سے چکی چلانے لگتی،

تھوڑی ہی دیر میں شائستہ کو آٹے دال کا بھاؤ معلوم ہو گیا، باہنیں درد کرنے لگیں، اور انگلیوں میں چھالے پڑ گئے، لیکن وہ بھی بڑی ہٹیلی لڑکی تھی اُس نے طے کر لیا تھا، چاہے انگلیاں لہولہان ہو جائیں، لیکن یہ سارے گیہوں ختم کر کے رکھے گی۔

اتنے میں قسمت کی ماری دلارے کی ماں آگئی، اُس نے جو شائستہ

کو چکی پر گیہوں پیستے دیکھا تو لرز گئی، اُسے یاد آ گیا، یہ لڑکی کتنی لاڈلی تھی، اپنی ماں کی بیماری کی حالت میں بھی اس سے کوئی کام اُنہوں نے نہیں لیا، وہ آ کر شائستہ کے پاس بیٹھ گئی، اور محبت بھرے لہجہ میں کہا،

"بیٹی یہ کیا ہو رہا ہے؟"

شائستہ پسینہ میں شرابور ہو رہی تھی، گالوں پر اور ماتھے پر پسینے کے قطرے موتی کی طرح چمک رہے تھے، اُس نے اپنے آنسو ضبط کرتے ہوئے مسکرانے کی ناکام کوشش کی اور کہا،

"دیکھ تو رہی ہو!"

دلارے کی ماں بولی،

"تو کیا میں مر گئی تھی؟ ——— مجھے بُلا لیا ہوتا!"

شائستہ نے چکی پیستے پیستے آہستہ سے کہا،

"اماں نے مجھی سے کہا ہے، مجھی کو پیسنا چاہیئے!"

دلارے کی ماں کی سمجھ میں یہ منطق نہ آئی،

"اچھا ہٹو میں پیسے دیتی ہوں!"

شائستہ نے مصروفیت جاری رکھتے ہوئے کہا،

"نہیں نہیں میں پیس لوں گی، تھوڑے سے تو رہ گئے ہیں!"

دلارے کی ماں نے کمر پر ہاتھ رکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔

"یہ تھوڑے سے ہیں؟ ——— کم سے کم آٹھ سیر ہوں گے!"

ان دونوں کی باتوں کی بھنک امجدی بیگم کے کان میں پڑی، وہ

...یر کی طرح سیدھی موقع واردات پر آ موجود ہوئیں،

"کیا باتیں ہو رہی ہیں دلارے کی ماں ——— ؟

وہ بولی،

"کچھ نہیں کہہ رہی تھی لاؤ میں پیسے دیتی ہوں!"،

امجدی بیگم نے خونخوار آنکھوں سے اُسے دیکھتے ہوئے کہا،

"میں پیسے دیتی ہوں ——— سسرال میں بھی تم ہی جا کر اس کا کام کر آیا کرنا! ——— چلو ہٹو، کام کرنے دو اسے!

دلارے کی ماں غریب تھی، لیکن یہ منشی جی کون سے لکھ پتی تھے، بس انیس بیس کا فرق تھا، اور پھر غریب سہی تو کیا غریب اس لئے ہوتے ہیں کہ حق ناحق دوسروں کی کڑوی کسیلی باتیں سنیں؛ ویسے بھی وہ ذرا تیکھے مزاج کی تھی، اس لب و لہجہ میں جو امجدی بیگم نے اُس سے گفتگو کی تو بگڑ گئی، بولی،

"کچھ ہوش میں ہو بی بی؛ میں کوئی تمہارے گھر بھیک مانگنے آئی ہوں"

امجدی بیگم:- تو کیا بھیک دینے آئی ہو؟

دلارے کی ماں:- واہ رے مزاج ——— ایک وہ تھی اس لڑکی (نشاستہ) کی ماں پھول جھڑتے تھے اس کے منہ سے، دشمن بھی سر جھکاتے تھے اس کے سامنے، ایک یہ آئی ہیں جیسے سارا شہر ان کا غلام ہے،

امجدی بیگم:- سارا شہر جائے بھاڑ میں، یہ گھر ہمارا ہے، یہاں جو،

ہمارا غلام ہے،

ولارے کی ماں :۔ ذرا زبان سنبھال کے بات کرو بی بی،

امجدی بیگم :۔ اچھا یہ نصیحتیں چھوڑو، جاؤ یہاں سے اب کبھی قدم نہ رکھنا یہاں!

ولارے کی ماں :۔ کیوں چلی جاؤں؟ میں تمہارے پاس نہیں شائستہ کے پاس آئی ہوں،

امجدی بیگم :۔ کوئی ضرورت نہیں ہے اس کے پاس بھی آنے کی،

ولارے کی ماں : بہت اترانے لگی ہو، پچھلے دن بھول گئیں شاید ——؟

امجدی بیگم :۔ چپ، کمینی، ذلیل، کتیا،

ولارے کی ماں : تو کمینی، تو ذلیل، تو کتیا —— بہت اترانے لگی ہے منشی جی کے چاؤ چونچلے پر، لیکن یہ دم بھر کی چاندنی ہے اس مردوے نے جب شائستہ کی ماں کو نہ چھوڑا، خوبصورت، اور سیرت میں تجھ سے لاکھ درجے بہتر تھی، تو تجھے کیا چھوڑے گا؟

امجدی بیگم :۔ کیا کھا جائیں گے مجھے؟

ولارے کی ماں :۔ وہ بے بھاؤ کے جوتے برسائیں گے کہ چاند گنجی ہو جائیگی —— منشی جی آدمی بھی ہیں اور بھوت بھی!

امجدی بیگم :۔ آنے دو انہیں دیکھ آج تیری چاند گنجی کراتی ہوں!

ولارے کی ماں :۔ کہو تو بلا لاؤں جا کر چنگی کے دفتر سے ذرا دیکھوں تو میری چاند کون گنجی کرتا ہے؟

شائستہ :۔ خالا، خالا ——

دلارے کی ماں :- لڑکی تو نہ بول !

شائستہ :- خالا میرا کہا مان لو، نہ لڑو،

دلارے کی ماں :- میں لڑ رہی ہوں ؟

شائستہ :- اچھا میری خاطر سے چُپ ہو جاؤ، اور چپ چاپ چلی جاؤ،

دلارے کی ماں :- اب تو اس گھر سے منشی جی کے جوتے کھا کر جاؤں گی ذرا دیکھوں تو کون مائی کا لال ایسا ہے جو مجھے ہاتھ لگائے گا،

شائستہ :- میں ہاتھ جوڑتی ہوں خالا، چپ رہو، چلی جاؤ، تمہارا کچھ نہ بگڑے گا، ساری آئی گئی میرے اُوپر ہو گی، تمہارا کوئی بال بیکا نہیں کر سکتا، لیکن میں ادھ موئی کر دی جاؤں گی،

دلارے کی ماں :- اچھا تو اب تجھ پر بھی نگوڑوں نے ہاتھ اُٹھانے شروع کر دیئے ہیں ؟

شائستہ : نہیں خالہ، میں بڑے آرام سے ہوں، لیکن میری بات مان لو خدا کے لئے رحم کرو مجھ پر !

دُلارے کی ماں نے کوئی جواب نہیں دیا، شائستہ کا حالِ زار دیکھ کر پہلے ہی اس کا دل اُمنڈ رہا تھا، اب یہ باتیں سُنکر اور زیادہ بے حال ہو گیا، آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے، اُس نے لپک کر شائستہ کو گلے سے لگا لیا، اور کہا۔

"میری بچی، صبر کر، خدا ان ظالموں سے تجھے نجات دے گا !"

شائستہ نے پھر خوشامدانہ لہجہ میں کہا۔

"اب تم چلی جاؤ خالا، پھر آجانا کسی وقت یہ تمہارا گھر ہے، تمہیں آنے سے کون روک سکتا ہے، لیکن اس وقت مصلحت یہی ہے، چلی جاؤ!"

دلارے کی ماں نے کوئی جواب نہ دیا، آنسو پونچھتی ہوئی چپ چاپ چلی گئی، اس کے جانے کے بعد شائستہ پھر چکی پیسنے لگی، امجدی بیگم بھی جا کر، اپنی چارپائی پر دراز ہو گئیں،

اتنے سارے گیہوں پیسنے سے اس کی انگلیاں سوج آئی تھیں، چھالے پڑ گئے تھے ان میں، لیکن وہ اس وقت اٹھی جب سارا کام ختم کر لیا، اس کام سے فارغ ہو کر وہ امجدی بیگم کے حضور میں پہنچی اور عرض کیا،

"گیہوں پس گئے سب!"

امجدی بیگم نے تیوری چڑھا کر

"لاؤ دکھاؤ!"

شائستہ نے ایک بڑی سی ڈلیا میں سارا آٹا لا کر سامنے رکھ دیا، امجدی بیگم نے چٹکی سے تھوڑا سا آٹا اٹھایا، اور ہتھیلی پر رکھ کر کہا،

"بہت موٹا ہے!"

شائستہ نے کہا،

"چھان لوں گی!"

امجدی بیگم نے بگڑ کر کہا،

"تاکہ دس سیر کا پانچ سیر رہ جائے —— بیٹی تمہارا باپ

…نی لکھ پتی تو نہیں ہے، جاؤ ایک مرتبہ پھر سے پیسو تاکہ ذرا باریک ہو جائے۔

شائستہ کے لئے تعمیل حکم کے سوا کیا چارہ تھا، ایک ٹھنڈی سانس لی، آسمان کی طرف حسرت سے دیکھا، اور آٹے کا وہ ڈھیر لے کر، پھر چکی کے گھروندے میں پہنچ گئی،

---

(۵)
عورت کا مکر

امجدی نے کئی مرتبہ شائستہ سے آٹا پسوا پسوا کر میدہ کرا دیا، تب چین آیا، زندگی میں یہ پہلا موقع تھا کہ اتنی سخت مشقت کرنی پڑی شائستہ کا سارا بدن، اور بدن کا جوڑ جوڑ درد کر رہا تھا، پسینہ خشک ہونے کا نام نہ لیتا تھا، اور ساتھ ساتھ ننھے میاں کی ناز برداریاں الگ، کوٹھری میں آکر بیٹھے ہوئے مشکل سے آدھا گھنٹہ ہوا ہوگا کہ امجدی بیگم پھر نمودار ہو گئیں،

"میں پوچھتی ہوں آخر کیا ہو رہا ہے یہاں اندھیری کوٹھری میں بیٹھے بیٹھے؟"

وہ ایک بے بس معمول کی طرح اُٹھ کھڑی ہوئی،

"کچھ نہیں ننھے کو بہلا رہی تھی!"

امجدی بیگم نے ننھے کے نام سے چڑ کر کہا،

"ہر وخت (وقت) نیھنے نیھنے، ننھے، موا مرتا بھی نہیں جو پاپ کٹے کسی طرح!"

شائستہ نے بیتاب ہو کر کہا،

"ایسا نہ کہئے، خدا اسے ہمیشہ زندہ رکھے، میرا ایک ہی بھائی ہے!"

تڑ سے شائستہ کے گال پر ایک زور دار طمانچہ پڑا،

"زبان دراز کہیں کی، ہمارے منہ آتی ہے، آنے دے اپنے آپ کو دیکھو کیسے جوتے لگواتی ہوں!"

باپ کا نام سن کر شائستہ کے بدن پر رعشہ طاری ہو گیا "غلطی ہو گئی معاف کر دیجئے، اب کبھی جواب نہیں دوں گی!"

امجدی بیگم کا غصہ، واقعی قہر تھا ان کا دل بھلا کاہے کو پسیجتا۔

"چل چل، تو میری ہوتی کون ہے؟ مجھے تجھ سے واسطہ کیا؛ جا چولھے بھاڑ میں، —— توبہ ہے، میرے تو آتے گئے حواس غائب کر دیئے ہیں اس فتنی نے، شام ہو رہی ہے، کچھ بخت کی بھی خبر ہے!"

شائستہ کے منہ سے نکلا۔

جی ——

امجدی بیگم نے مصرعہ پر گرہ لگائی،

"جی کی بچی، جا آٹا گوندھ! روٹی پکا، دو پراٹھے بھی بنا لے، مرتبان میں انڈے رکھے ہوتے ہیں ان کا قاگینہ بنا لے، ورنہ کچا ہی چبا جائیں گے منشی جی تجھے!"

شائستہ نے جواب دیا،

"بہت اچھا!"

اور پھر وہ ننھے کو گود میں لئے چپ چاپ باورچی خانے چلی گئی، وہاں جاکر چولھا جلایا، اپنے لئے دال اُبلنے کو رکھ دی، کیونکہ گوشت پکے یا انڈے، اسے دال ہی ملتی تھی، اور خود آٹا گوندھنے لگی، ننھے میاں پاس بیٹھ کر یہ دلچسپ تماشہ دیکھنے لگے، لیکن ایک ہی چیز کب تک دیکھتے؟ طبیعت اُکتا گئی، اور خراماں خراماں باورچیخانہ کی سیر کرنے لگے، سیر کرتے کرتے چولھے کے پاس پہنچ گئے، وہاں آگ بھڑک رہی تھی، یہ کچھ عجیب سی چیز نظر آئی، زیادہ دلچسپی اور محویت کے ساتھ دیکھنے لگے، اتفاق کی بات ایک چنگاری، چولھے سے جست کر کے بالکل پاؤں کے پاس آ کر گر پڑی، اب کیا تھا، اللہ دے اور بندہ لے، بھلا ایسے خداداد اور نادر موقعہ کو وہ ہاتھ سے کیوں جانے دیتے، فوراً دستِ مبارک بڑھایا اور ہاتھ میں اُٹھا لیا، فوراً ہی گھبرا کر پھینکا لیکن وہ اپنا کام کر چکی تھی، ایک چیخ زمین ایک آسمان، شائستہ آٹا چھوڑ کر ننھے میاں کی طرف لپکی، ان کی ننھی سی ہتھیلی میں ایک بڑا سا آبلہ نمودار ہو چکا تھا،

امجدی بیگم نے شائستہ کو باورچی خانے سے پرے اور ننھے کی نازبرداریوں میں جو مصروف دیکھا، تو فوراً جائے واردات پر پہنچیں،

کیا ہو رہا ہے؟ کیا ہوا؟

شائستہ۔ ہاتھ جل گیا ننھے کا؟

امجدی بیگم :- اسی لیئے تو کہتی ہوں، ہمزاد کو ہر وقت ساتھ نہ لیئے رہا کرو ——— !

شائستہ :- پھر کروں کیا؟ وہ روتا جو ہے؟

امجدی بیگم :- رونے دو موتے کو،

شائستہ :- لیکن اس کے رونے سے آپ کے سر میں درد جو ہونے لگتا ہے؟

امجدی بیگم :- کتنی حرفوں کی بنی ہوئی ہے یہ چھوکری ——— ویسے ہی سارے محلہ میں نکو کر رکھا ہے، اب یہ الزام بھی میرے سر تھوپ دے، کہ میں ننھے کی دشمن ہوں یا اللہ میں کہاں آ پھنسی؟

شائستہ :- آپ تو خفا ہو گئیں، میں نے تو آپ کے آرام کے لیئے کہا تھا،

امجدی بیگم :- تجھے اپنے آرام پر صدقے کروں کم بخت، چپ بھی رہے گی یا نہیں ——— سر پھٹنے لگا مارے درد کے اس لونڈیا سے بک بک کرتے!

شائستہ نے ننھے کو روتا چھوڑا، اور پھر آٹا گوندھنے لگی، امجدی بیگم نے فرمایا، "بھائی بھی آخر کس بہن کا ہے؟ گھر سر پر اٹھا رکھا ہے، غارت گئے نے، نہ جانے کب مرے گا! ——— تو کھانا پکا، میں اسے لیئے جاتی ہوں اپنے ساتھ، وہ اب آتے ہی ہوں گے، دن کو بھوکے گئے ہیں، جلدی سے پکا ڈال،!

شائستہ پھر آٹا گوندھنے لگی، ننھے کو امجدی بیگم اس طرح ہاتھ سے اٹھا کر

لے گئیں، جیسے کسی پاک آدمی کے ہاتھ میں کوئی ناپاک چیز آجائے، یہ چونکہ ایک نئے قسم کا تماشا تھا، اس لئے ننھے میاں نے رونے کے بجائے اس سے لطف لیا، اور مسکرانے لگے، لیکن شائستہ کا دل یہ منظر دیکھ کر خون ہو گیا۔

شائستہ نے لپ جھپ سارا کام بڑی پھرتی سے ختم کر ڈالا، روٹیاں بھی پک گئیں، پراٹھے بھی، دال بھی اُبل گئی، خاگینہ بھی تیار ہو گیا، اب وہ امجدی بیگم کے پاس پہنچی کہ ننھے کو ان کی حراست سے واپس لے، کیونکہ جب سے وہ ان کے پاس گیا تھا، برابر رو رہا تھا، شائستہ نے ہمک کر اُسے گود میں اُٹھا لیا، اور یہ دیکھ کر خون کھول گیا کہ اس کے پھول سے رخساروں پر انگلیوں کے نشان تھے، گویا اس کے مسلسل رونے کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ وہ برابر پٹتا رہا تھا، شائستہ نے بے بسی اور نفرت کے ملے جلے جذبات کے ساتھ امجدی بیگم کی طرف دیکھا، لیکن منہ سے کچھ کہے بغیر اپنی کوٹھری میں چلی گئی، وہاں جا کر ننھے کو کلیجہ سے لگا کر خوب روئی، اتنا روئی کہ جی ہلکا ہو گیا،

بچہ بچہ ہی تو ہوتا ہے، شائستہ کی گود میں آتے ہی بہل گیا اور ذرا دیر میں اتنا بے خبر سویا کہ خراٹے لینے لگا، شائستہ بھی بہت تھکی ہوئی تھی، وہ بھی لیٹی، اور بے خبر سو گئی۔

مغرب کے بعد منشی جی تشریف لائے امجدی فوراً باورچیخانہ پہنچی سینی میں کھانا لگا کر لائی، اور شوہر کے سامنے رکھ دیا، منشی نے ایک بڑا سا لقمہ توڑا، جس سے ان کا داہنا گال بندر کے گال کی طرح پھول گیا،

مسکراتے ہوئے کہا،

"خاگینہ بڑے مزے کا ہے!—— واہ، واہ بھئی واہ!

اور پراٹھے سبحان اللہ!

امجدی بیگم نے اس داد کا کوئی جواب نہیں دیا، پاس بیٹھی پنکھا جھلتی اور مکھیاں اڑاتی رہیں،

منشی جی:- بھئی بڑے مزے کا ہے،

امجدی بیگم:- اچھا کھائیے کھائیے،

منشی جی:- تم اتنی ہنر مند ہو یہ آج ہی معلوم ہوا،

امجدی بیگم:- آپ تو پھوہڑ سمجھ کر مجھے بیاہ لائے تھے؟

منشی جی:- (ہنستے ہوئے) تمہیں پھوہڑ کون کہہ سکتا ہے —— لیکن بھئی یہ تو ختم ہو گیا، پیٹ بھر گیا، نیت نہیں بھری، اگر ہو تو تھوڑا سا اور ——

امجدی بیگم:- مجھ سے تو قسم لے لو، جو زبان پر بھی رکھا ہو،

منشی جی:- یہ کیوں؟ یہ کیا لغویت ہے؟

امجدی بیگم:- ایسی چیزیں کمانے والے مردوں کا حصہ ہوتی ہیں، گھر کی بہو بیٹیوں کے لئے دال بہت ہے،!

منشی جی:- واہ، —— یہ بھی کوئی بات ہوئی ——

آخر اتنا تھوڑا سا کیوں پکایا تھا —— ؟

امجدی بیگم:- تھوڑا سا تو نہیں تھا، آٹھ انڈوں کا تھا!

منشی جی :- پھر ہو کیا گیا، تم نے کھایا نہیں، میرے سامنے اتنا سا آیا،
باقی کہاں گیا، کیا شائستہ کھا گئی ———— ؟

امجدی بیگم :- ہاں تو کون سا غضب ہو گیا، آخر لڑکی ہے، بچہ ہے، اس
عمر میں طبیعت للچا ہی جاتی ہے،

منشی جی :- تو ذرا سا چکھا دیا ہوتا الّو کی پٹھی کو،

امجدی بیگم :- تاکہ نیت بھرتی نہ پیٹ، نا بھائی ہم ایسا نہیں کرتے،

منشی جی :- میں نے چنگی کے چپراسی کے ہاتھ دس سیر گیہوں بھجوائے تھے
مِل گئے تھے ؛

امجدی بیگم :- اور یہ روٹی کاہے کی کھا رہے ہو ؛ گھر میں تو ایک رتی آٹا
نہ تھا،

منشی جی :- اچھا ———— دلارے کی ماں پیس گئی ہو گی !

امجدی بیگم :- وہ کیوں پیستی، ہم کوئی اپاہج ہیں ؛

منشی جی :- کیا مطلب تم نے پیسا ہے ؟

امجدی بیگم :- ہاں تو کیا ہوا ؟

منشی جی :- میری سمجھ میں نہیں آتا، سارا کام خود کیوں کرتی ہو ؟

امجدی بیگم :- (مسکرا کر) تو پھر رکھ دو کوئی اچھی سی ملازمہ،

منشی جی :- شائستہ کس مرض کی دوا ہے ؛

امجدی بیگم :- وہ ابھی لڑکی ہے اس کے کھیلنے کھانے کے دن ہیں کام کاج
کے نہیں،

منشی جی :- اس طرح بگاڑ دو گی اسے ،

امجدی بیگم :- اچھا یہی سہی، ہم جانیں وہ جانے، تمہیں کیا ؟

منشی جی :- ہے کہاں ؟ ———— دکھائی نہیں دیتی اس وقت ؟

امجدی بیگم :- ماشاءاللہ نوجوانی کا زمانہ ہے تر مال کھایا، نیند آگئی، سو گئی ———— !

منشی جی :- ابھی سے سوگئی ؟

امجدی بیگم :- میٹھی چیز کھا کر، خواہ مخواہ کی نیند آجاتی ہے، میری بھی بچپن سے یہی عادت ہے،

منشی جی :- کوئی میٹھی چیز بھی پکائی ہے تم نے ؟ ہمیں بھی کھلاؤ ،

امجدی بیگم :- لڑکی کہہ رہی تھی، میٹھے کا جی چاہ رہا ہے، میں نے ایک روٹی کا ملیدہ بنا دیا جلدی سے، ماشاءاللہ دو لقموں میں پوری پلیٹ صاف کر دی، (قہقہہ)

منشی جی :- کچھ ہمارے لئے بھی تو رکھا ہوتا ،

امجدی بیگم :- میں نے تو یہی سوچا تھا، آدھا اللہ رکھے وہ کھا لے گی ، آدھا تمہیں دے دوں گی، لیکن جب تک کہوں کہوں، وہاں پلیٹ صاف ہو چکی تھی (قہقہہ)

منشی جی :- پہلے تو ایسی بدنیت نہ تھی ،

امجدی بیگم :- اس میں بدنیتی کیا ہوئی ؟ یہ عمر ہوتی ہی ایسی ہے کہو تو تمہیں تماشا دکھاؤں ؟

منشی جی :- کیسا تماشہ ؟

امجدی بیگم :- لیکن ایک شرط ہے،

منشی جی :- بات کیا ہے ؟

امجدی بیگم :- تماشہ دکھاؤں گی بشرطیکہ تم وعدہ کرو منہ سے کچھ نہ بولو گے، اسے ذرا بھی نہ ڈانٹو گے،

منشی جی :- اچھا وعدہ کرتا ہوں!

امجدی بیگم نے آواز دی،

"بیٹی شائستہ!"

کئی آوازوں کے بعد وہ جاگی اور آنکھیں ملتی ہوئی سامنے آکر کھڑی ہوگئی

امجدی بیگم نے کہا،

"بھلا کوئی چراغ جلے سوتا ہے؛ کھانا تو کھالو، پھر اطمینان سے سونا!

شائستہ نے کہا،

"بھوک نہیں ہے امّاں ذرا بھی!"

امجدی بیگم نے اصرار کیا،

"جب بھی تھوڑا سا کھالو شاباش ——— !

شائستہ باورچیخانہ میں پہنچی اُبلی ہوئی دال، ایک روٹی کے ساتھ زہر مار کی اور چپ چاپ آکر پھر اپنی کوٹھری میں لیٹ گئی!

---

(۶)

لگائی بجھائی

شائستہ بستر پر لیٹی، اپنی نئی ماں کے بارے میں سوچ رہی تھی!

وہ سوچ رہی تھی، یہ ہماری نئی اماں جی بھی خوب ہیں، یا تو ذرا سی بات پر بگڑ کر، ایسی خفا ہوں گی کہ معلوم ہو ان سے بڑھ کر دشمن کوئی نہیں، یا خوش ہوں گی تو ایسی کہ سوتے سے اُٹھا کر کھانا کھلائیں گی، مزاج کی تیز ضرور ہیں، لیکن دل کی بُری نہیں معلوم ہوتیں،

اِدھر منشی جی، اس لالچی اور بدنیت لڑکی پر دل ہی دل میں پیچ و تاب کھا رہے تھے! اور امجدی بیگم مسکرا مسکرا کر ان کے غصّہ کو اور بھڑکا رہی تھیں،!

کھانا کھانے کے بعد، منشی جی نے بستر پر لیٹے ہوئے کہا،

"آج سر میں درد ہو رہا ہے کچھ!"

امجدی فوراً سرہانے بیٹھ گئی،

"میں دبائے دیتی ہوں!"
اور وہ ہولے ہولے ان کا سر دبانے لگی، منشی جی نے حقہ کا ایک کش لیا اور کہا،
"آخر دلارے کی ماں کو کیا ہوگیا ہے؟ تم اس سے کام کیوں نہیں لیتیں شائستہ کی ماں جب زندہ تھیں تو وہ خوب کام کیا کرتی تھی!
امجدی بیگم:- ہوتی ہوگی، یہ تو اپنی اپنی قسمت ہے،!
منشی جی:- اس میں قسمت کا کیا سوال ہے؟ غریب عورت ہے دو روٹیاں دو گی، خوشی سے کام کرے گی، اور دعا دیتی ہے،
امجدی بیگم:- اب وہ زمین پر پاؤں نہیں دھرتی ———— بدزبان الگ!
منشی جی:- بدزبان اور دلارے کی ماں؟ یہ تم کیا کہہ رہی ہو،؟
امجدی بیگم:- اپنی جان کی قسم سچ کہتی ہوں، آج ہی اُسے وہ کھری کھری سنائی ہیں کہ میں تو حیران کھڑی اس کا منہ دیکھتی رہی،
منشی جی:- تعجب ہے، حیرت ہے، ———— آخر بات کیا ہوئی تھی؟
امجدی بیگم:- بات کیا ہوتی؛
منشی جی:- کوئی نہ کوئی بات تو ضرور ہوئی ہوگی اسے کچھ کتے نے تو کاٹا نہیں،
امجدی بیگم:- میرے خیال میں تو کٹے کتے سے کم نہیں، وہ ٹانگ لی ہے میری کہ خدا کی پناہ،

منشی جی :- وہی تو پوچھتا ہوں کس بات پر،

امجدی بیگم :- اونھ ہو گا،

منشی جی :- واہ، ہو گا کیسے، بات بتاؤ،

امجدی بیگم :- خواہ مخواہ بات بڑھے گی اور میں بات بڑھانا نہیں چاہتی، تمہارے غصہ سے مجھے ڈر لگتا ہے، مارنے پیٹنے بیٹھ جاؤ گے بیچاری لڑکی کو،

منشی جی :- لڑکی کون؟ ———— شائستہ،

امجدی بیگم :- اونھ ———— ہاں وہی،

منشی جی :- اس نے کیا کیا؟

امجدی بیگم :- اپنا سونا کھوٹا تو پرکھنے والے کا کیا دوش؛

منشی جی :- دیکھو اب مجھے واقعی غصہ چڑھ رہا ہے (بلند آواز سے) بتاتی ہو کہ نہیں؟

امجدی بیگم :- اچھا اسے مارو گے تو نہیں؟

منشی جی :- میں کوئی وعدہ نہیں کر سکتا، پہلے واقعہ معلوم ہونا چاہیئے،

امجدی بیگم :- تم نے آج گیہوں بھیجے تھے نا؟

منشی جی :- ہاں بھیجے تھے ———— پھر؟

امجدی بیگم :- میں نے انہیں چکی پر پیسا، دس سیر تھے، پیستے پیستے بے حال ہو گئی، اتنا پسینہ نکلا کہ نہا گئی، ہاتھ الگ درد کرنے لگے۔

منشی جی :- (گرج کر) تمہید چھوڑو، اصل قصہ بیان کرو،

امجدی بیگم :- جب پیس چکی، تو میں نے شائستہ سے کہا، بیٹی ذرا آٹا چھان لے،

منشی جی :- پھر اس نے انکار کر دیا ؟

امجدی بیگم :- خدا کو منہ دکھانا ہے، جھوٹ کیسے کہہ دوں ؟ وہ چھلنی لے کر وہیں بیٹھ گئی، اور آٹا چھاننے لگی، اتنے میں نہ جانے کہاں سے دلارے کی ماں آ گئی، اور اس سے کہنے لگی، بیٹی اب تو گیہوں پیسے گی ؟ آٹا چھانے گی ؟ یہ اندھیر، خدا دشمن کو بھی سوتیلی ماں کے پلے نہ ڈالے ہائے غضب !

منشی جی :- حرامزادی، اسے ہمارے گھر کے معاملات میں دخل دینے کا کیا حق ہے ؟

امجدی بیگم :- بالکل یہی میں نے کہا، لیکن وہ چڑ گئی، معلوم ہوتا ہے لڑنے ہی آئی تھی ،

منشی جی :- کیا کہنے لگی ؟

امجدی بیگم :- کہنے لگی شائستہ سے، ہٹ لڑکی، میں چھانے دیتی ہوں، بس اس کا یہ کہنا تھا کہ شائستہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی، پھر اس کے گلے سے لپٹ گئی، اور کہنے لگی، خالا، تم چلی جاؤ۔ تمہارا تو کچھ نہیں بگڑے گا، مجھے مارتے مارتے لہو لہان کر دیں گے ابا جی !

منشی جی :- اور تم کہتی ہو میں اسے کچھ نہ کہوں؟ شائستہ ،

امجدی بیگم :- بس شائستہ کا یہ کہنا تھا کہ دلارے کی ماں مجھے اور تمہیں گالیاں دینے لگی۔

منشی جی :۔ مجھے بھی ؟

امجدی بیگم :۔ ہاں ——— کہنے لگی منشی جی شرابی ہیں، رشوت خور ہیں، ظالم ہیں، اپنی پہلی بیوی کو مار مار کے، ہلاک کر دیا، تمہاری باری بھی جلد آئے گی، اور وہ چاند ماری ہو گی کہ سر پر ایک بال نہیں رہے گا،

منشی جی :۔ جوتا نہیں مارا تم نے کمینی کے منہ پر ——— ؟

امجدی بیگم :۔ وہ اُلٹ کر مجھے مار دیتی، گالیاں تو دے رہی تھی، کہنے لگی تمہارے سارے گن معلوم ہیں !

یہ کہتے کہتے امجدی بیگم کی آواز بھرّا گئی، اور وہ سسکیاں لے لے کر رونے لگیں، منشی جی اُٹھ کر بستر پر بیٹھ گئے، اور بڑی خوفناک آواز میں پکارا،

"شائستہ ———

لیکن وہ سو رہی تھی، جواب کون دیتا،

امجدی بیگم نے اپنے آنسو پونچھتے ہوئے کہا،

"سو رہی ہے، اب جانے دو صبح دیکھا جائے گا!"

منشی جی اُٹھ کھڑے ہوئے،

"دیکھو ہر معاملہ میں دخل نہ دیا کرو"!

اتنی دیر میں وہ برق جہندہ کی طرح شائستہ کی کوٹھری میں پہنچ گئے وہ بے خبر سو رہی تھی، ننھا اس کی گود میں تھا، وہ بھی خرّاٹے لے رہا تھا

منشی جی نے نہ آؤ دیکھا، نہ تاؤ، جاتے ہی ایک دوہتڑ رسید کیا، گھبرا کر اس نے آنکھیں کھول دیں،

"ابا جان ابا جان ——————

منشی جی اتنی دیر میں جوتا اتار چکے تھے، دھڑا دھڑ اس کے منہ، شانے اور پیٹھ پر برساتے ہوئے کہا،

"ابا جان کی بچی، نکل اس گھر سے نکل جا!"

شائستہ نے روتے ہوتے کہا،

"کیا خطا ہوئی ہے مجھ سے ابا جی؟ میں معافی مانگتی ہوں معاف کر دیجیے مجھے، اب کبھی ایسی خطا نہیں ہو گی، دیکھیے ننھے کا ہاتھ زخمی ہے، بڑی مشکل سے سویا ہے!"

امجدی بیگم کی طرف دیکھ کر منشی جی نے کہا،

"دیکھتی ہو کیسی قینچی کی طرح زبان چل رہی ہے،

امجدی بیگم نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر کہا،

"یہ اس کا قصور نہیں ہے، تربیت ناقص ہوتی ہے!"

منشی جی لپک کر باہر گئے اور بید لے آئے اور آتے ہی شائستہ کے دست و بازو پر مشق ستم کرنے لگے "دیکھا ایسی تربیت ہوتی جاتی ہے یہ لو!"

جب امجدی بیگم نے دیکھا کہ شائستہ مار کھاتے کھاتے تقریباً بیہوش ہو گئی ہے تو انہوں نے شوہر کا ہاتھ پکڑا اور کہا،

"کیا مار ڈالو گے لڑکی کو؟"

منشی نے جواب دیا،

"ہاں آج مار ڈالوں گا، اس اُلو کی پٹھی کو، !

امجدی بیگم سامنے آگئیں،

"تو پہلے میری گردن کاٹ دو ——— بہت ہو چکا - اب اس سے زیادہ میں برداشت نہیں کر سکتی !

منشی جی بھی مارتے مارتے تھک چکے تھے، بید وہیں پھینک کر بستر پر آکر دراز ہو گئے، !

---

(۷)

اِنسان!

ننھے کئی دن سے بخار میں مبتلا تھا، آج بھر بھرا کے چیچک نکل آئی! امجدی بیگم نے حکم صادر کر دیا، جب تک چیچک اچھی نہ ہو جائے، نہ ننھے کو کوٹھری سے باہر لایا جائے، نہ شائستہ باہر نکلے، وہ ڈر رہی تھیں، کہیں بفضیب دشمناں یہ موذی اور مہلک مرض ان کی جانِ ناتواں پر حملہ آور نہ ہو جائے، علاج کے لئے کسی حکیم یا ڈاکٹر کی ضرورت نہیں محسوس کی گئی خانگی علاج پر اکتفا کیا گیا، دلارے کی ماں سے اس موقع پر بڑی مدد مل سکتی تھی، لیکن اس نے اُدھر کا جھانکنا بھی چھوڑ دیا تھا، اکیلی شائستہ، تیمارداری اور رکھوالی کرتے کرتے خود بیمار ہوئی جا رہی تھی، نہ دن کو دن سمجھتی تھی، نہ رات کو رات، لیکن خدا کی مرضی کو بندے کی تدبیریں نہیں بدل سکتیں، بہترین تیمارداری کے باوجود، چوتھے دن اس ننھے سے بچے نے دم توڑ دیا، آنکھیں پتھرا گئیں، بدن اینٹھ گیا، اور

ع عمر بھر کی بے قراری کو قرار آ ہی گیا،

یہ منظر دیکھ کر شائستہ کی رُوح لرز گئی، وہ دوڑی دوڑی امجدی بیگم کے دربار میں پہنچی، دوپہر کا وقت تھا، وہ خواب و استراحت میں مصروف تھیں، شائستہ کچھ دیر تک دم سادھے کھڑی رہی، پھر بھائی کی محبت غالب آگئی، ہمت کرکے آواز دی،

"اماں جی، اماں جی ــــــــــــ

امجدی بیگم نے کروٹ لے لی اس کی طرف سے،

پھر بڑے درد کے ساتھ اس نے پکارا،

"اماں جی اماں جی ــــــــــــ

امجدی بیگم نے نیم باز آنکھوں سے اسے دیکھا، پھر اٹھ کر بیٹھ گئیں، جمائی لیتے ہوئے کہا،

"کیا ہے؟ ــــــــ ذرا دیر دوپہر میں سونا بھی حرام کر دیا ہے تو نے!"

شائستہ نے کہا،

"چلئے ذرا دیکھ لیجئے چل کر ننھے کو!"

پاندان اپنی طرف بڑھاتے ہوئے امجدی بیگم گویا ہوئیں،

"میں نہ حکیم نہ ڈاکٹر ــــــــــــ

شائستہ نے روتے ہوئے کہا،

"دیکھئے تو چل کر اسے کیا ہو گیا ہے؟"

امجدی بیگم :- کیا مر گیا ؟

شائستہ :- خدا نہ کرے ایسا نہ کہئے ، وہ زندہ ہے ، وہ زندہ رہے گا ،

امجدی بیگم :- آمین ، آمین ——— جاؤ اپنا کام کرو ، میرا سر نہ کھاؤ ،

شائستہ :- اس کی آنکھیں پتھرا گئی ہیں ، بدن اینٹھ گیا ہے ، بات نہیں کرتا
جنبش نہیں کرتا ، کیا ہو گیا ہے اسے ؟

امجدی بیگم :- ہوا وہی ہے جو میں نے ابھی کہا تھا ، مر گیا ، اور کیا ، !

شائستہ :- خدا نہ کرے ——— کتنی سنگ دل ہیں آپ ، !

امجدی بیگم :- کیا مجھ سے لڑنے کے لئے تو آئی ہے ——— چل ہٹ !

شائستہ :- معافی مانگتی ہوں ، خدا کے لئے چل کر ایک نظر دیکھ لیجئے ،

امجدی بیگم :- اگر وہ زندہ ہے ، تو میں اسے جا کر اچھا نہیں کر لوں گی ،
مر گیا ہے تو میرے جانے سے زندہ نہیں ہو جائے گا ، میری ایک
بہن چیچک ہی میں مر چکی ہے ، جب سے اتنا ڈر گئی ہوں کہ چیچک
کے کسی مریض کو دیکھ ہی نہیں سکتی آنا جانا میں نہیں جاتی ———
ایسا ہی ہے تو جاؤ دلارے کی ماں کو بلا لاؤ ، !

شائستہ :- بلا لاؤں ؟ آپ خفا تو نہیں ہوں گی ؟

امجدی بیگم :- میری خفا ہوتی ہے پیزار ،

شائستہ :- تو جاتی ہوں پھر ؟

امجدی بیگم :- کہہ تو دیا جاؤ ، اب کیا اسٹامپ لکھ دوں تب یقین کرو گی ؟

شائستہ دوڑی دوڑی دلارے کی ماں کے گھر میں پہنچی ، وہ دلارے

کو سلا کر کھانا کھانے بیٹھی تھی، شائستہ کو اس حال میں دیکھ کر توڑا ہوا لقمہ وہیں چھوڑا اور اٹھ کھڑی ہوئی،

"کیا بات ہے بیٹی ؟"

شائستہ نے ایک ہمدرد وجود سامنے دیکھا تو پھوٹ پھوٹ کر اس کے گلے سے لگ کر رونے لگی، دلارے کی ماں نے محبت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور کہا،

"بیٹی، کیا بات ہے ——— کیا امجدی بیگم نے تجھے مارا ؟

شائستہ:- نہیں خالا ———

دلارے کی ماں :- تو پھر منشی جی پر بھوت چڑھا ہوگا ؟

شائستہ :- وہ تو چنگی کے دفتر میں ہیں،

دلارے کی ماں :- تو بیٹی کچھ منہ سے تو بول کیوں روئے چلی جارہی ہے ؟

شائستہ :- ذرا ننھے کو دیکھ لو چل کر، نہ جانے کیا ہو گیا ہے اسے ؟

دلارے کی ماں :- ننھے کو دیکھ لوں چل کر ؟ ——— کیا بیمار ہے وہ کچھ ؟

شائستہ :- ہاں چیچک نکلی تھی کئی دن ہوئے، اماں کہتی ہیں وہ مر گیا،

دلارے کی ماں :- اس کے منہ میں خاک، مرے وہ، میرا ننھا کیوں مرنے لگا، آ بیٹی چل !

آگے آگے شائستہ، پیچھے پیچھے دلارے کی ماں، دو قدم کا تو فاصلہ تھا، جلد ہی یہ لوگ پہنچ گئے، شائستہ اپنی کوٹھری کی طرف لپکی، دلارے کی ماں

بھی ساتھ ساتھ پہنچی اور یہ دیکھ کر کہ ننھی منھی کا انتقال ہو گیا ہے وہ بھی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

شائستہ نے اُسے روتا دیکھ کر صورت حال کا اندازہ لگا لیا، دیوار کا سہارا لینے کی کوشش کی لیکن نہ لے سکی، بیہوش ہو کر گر پڑی،

ولارے کی ماں کو روتا دیکھ کر امجدی بیگم بھی آگئیں، اور اُنہوں نے اس سے زیادہ زور زور اور چیخ چیخ کر رونا شروع کر دیا، فوراً منشی جی کو اطلاع دی گئی وہ تشریف لائے، جلدی جلدی غسل و کفن کا انتظام کیا گیا، اور شائستہ کے ہوش میں آنے سے پہلے پہلے اُسے دفن کر دیا گیا۔ ولارے کی ماں شام تک ٹھہری، لیکن نہ منشی جی اس کی طرف مخاطب ہوئے، نہ امجدی بیگم نے بات پوچھی۔ اور ان بیچاری کو رونے سے فرصت بھی کب تھی؟ آخر جب بڑی دیر کے بعد شائستہ کو ہوش آگیا تو ولارے کی ماں اسے تسکین و تسلی دے کر رخصت ہوئی، اپنے گھر جا کر جلدی جلدی کھچڑی پکائی اور ایک بڑی سی سینی میں رکھ کر لے آئی، پچھلی تلخ باتوں کو فراموش کر کے زبردستی امجدی بیگم کو بھی کھلایا، اور منشی جی کو بھی، پھر ایک رکابی میں تھوڑی سی کھچڑی لے کر شائستہ کی کوٹھری میں پہنچی، اور اپنی قسم اور اپنی جان کا واسطہ دے کر زبردستی دو چار لقمے اسے بھی کھلائے ان سب کاموں سے گیارہ بجے رات کو فارغ ہو کر گھر آئی، شوہر کو کھانا کھلایا خود کھایا، بہت تھک گئی تھی۔

(۸)
واہ کیا زندگی ہماری ہے،

ننھّے کی موت نے شائستہ کو بے جان کر دیا تھا، ماں کے مرنے کے بعد، اور نئی ماں کے آنے کے بعد اس کی زندگی یکسر ایک المیہ بن کر رہ گئی تھی، لیکن ننھّے کی موت نے اس سے سب کچھ چھین لیا، وہ جو کبھی کبھی اس کے ہونٹوں پر تبسّم آجاتا تھا، وہ بھی رخصت ہو گیا، اُسے بہلاتے اور کھلاتے وقت کبھی کبھی جو ہنس لیتی تھی وہ ہنسی بھی رخصت ہو گئی، اُسے گود میں لے کر اُسے اپنے پاس سُلا کر، وہ ایک لذّت اور کیفیت سا محسوس کرتی تھی وہ بھی چھن گیا، باپ کے ظلم، نئی ماں کی سفاکی اور شقاوت کہ وہ اس امید پر جھیل رہی تھی کہ ننھّے کی جوانی کی صورت میں آخر اس شب تاریک کی سحر ہوگی، وہ اُمید بھی رخصت ہو گئی، اب اس دُنیا میں کوئی اس کا نہیں تھا، کوئی ایسا نہیں تھا، جس کے سہارے وہ جی سکے، جس کی وجہ سے زندگی کی کلفتیں اور اذیتیں ہنسی خوشی برداشت کر سکے، جس کی خاطر اپنے آپ کو قربان کر دے، جس کی خدمت

کے لئے اپنے تئیں فراموش کر دے، یہ سب باتیں ننھے کی زندگی تک تھیں، اب نہ زندگی میں کوئی کشش تھی، نہ کیف، نہ لذت، نہ سرور، نہ رعنائی، نہ امنگ، ایسے موقع پر دلارے کی ماں اس کے زخم پر مرہم رکھ سکتی تھی، اس کا سہارا بن سکتی تھی، لیکن امجدی بیگم کے برتاؤ نے یہ گھر ہمیشہ کے لئے اس سے چھڑا دیا تھا، اور یہ بھی ممکن نہ تھا کہ وہ اس کے گھر چلی جائے،

دن بھر وہ اپنی کوٹھڑی میں پڑی رہتی، کوئی اس کی بات پوچھنے والا اس کی غمگساری کرنے والا، اس کے سر پر ہاتھ رکھنے والا، اس کے ٹوٹے ہوئے دل کو جوڑنے والا نہ تھا، ہاں گالیوں اور کوسنوں کی کمی نہ تھی، امجدی بیگم دن بھر اس سے خوب کام لیتی تھیں، اور جب کام لیتی تھیں، تو کوئی بہانہ بنا کر، اس سے لڑتی تھیں، اسے گالیاں دیتی تھیں، اس کی مرحوم و محبوب ماں کو بے نقط سناتی تھیں، اس کے مرحوم اور پیارے بھائی کی نقلیں اتارتی تھیں کبھی دو پینے سے چار چوٹ کی مار مارتی تھیں، کبھی منشی جی کے بید سے، کبھی جلتا ہوا پانی اس پر پھینک دیتی تھیں، کبھی سڑی اور باسی دال اسے کھانے کو دیتی تھیں، انہوں نے کچھ معمول ہی یہ بنا لیا تھا کہ تازہ کھانا، نہیں دن کی دن کا بچا ہوا کھانا ——— وہی دال روٹی ——— رات کو اور رات کا بچا ہوا دن کو دیتی تھیں، دال اکثر سڑ جاتی تھی، اور اس میں سے جھاگ اٹھنے لگتے تھے، ایسی صورت میں صرف روکھی روٹی پر اسے گذارا کرنا پڑتا تھا، ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ رات کی دال جب دوپہر کو ملی تو وہ سڑ گئی تھی جھاگ اٹھ رہے تھے، اور بدبو آ رہی تھی، اس نے کوئی شکایت نہ کی،

روکھی روٹی کھالی، اور دال باورچیخانہ کی موری میں پھینک کر رکابی دھو ڈالی

اسی اثنا میں امجدی بیگم آگئیں، اُنہوں نے موری میں دبے ہوئے من و سلویٰ کو پڑا دیکھ کر سب کچھ سمجھ لیا، اور غصّہ کے ساتھ پُوچھا،

"یہ دال یہاں کیوں پڑی ہے ؟"

شائستہ نے جواب دیا،

ابھی موری دھوتی ہوں، دہل جائے گی،

امجدی بیگم نے پھر سوال کیا،

میں پُوچھتی ہوں، یہ یہاں پڑی کیوں ہے ؟ کس نے پھینکی ؟

شائستہ نے بہت مختصر جواب دیا،

میں نے ———— !

اب تو امجدی بیگم کا پارہ اور چڑھ گیا اُنہوں نے چیخ کر کہا،

"کیوں ———— ؟ کیوں پھینکی ؟

شائستہ نے پھر بہت مختصر جواب دیا،

"سڑ گئی تھی !!"

یہ سنتے ہی امجدی بیگم قابو سے باہر ہوگئیں، منہ پر ایک طمانچہ اور پیٹھ پر ایک دو ہتڑ مارا، سر کے بال پکڑ کر اس زور سے کھینچے کہ وہ گرتے گرتے بچی، پھر فرمایا،

"مفت خور، نمک حرام ———— یہ لو، یہ بادشاہ زادی ہیں کہ اُن کے لئے دونوں وقت گوشت پکایا جائے ————

شائستہ پھر بول پڑی،

"میں نے تو آپ کے آنے کے بعد سے آج تک گوشت نہیں کھایا!"

امجدی بیگم فرطِ غضب سے تھر تھر کانپنے لگیں،

"تو جا کوئی خصم ڈھونڈھ لے، وہ روز تجھے پراٹھا کباب کھلایا کرے گا!"

یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ منشی جی تشریف لے آئے اور آتے ہی امجدی بیگم پر برس پڑے،

"کیوں چیخ رہی ہو اتنے زور سے باہر تک آواز جا رہی ہے!"

امجدی بیگم کو یہ خداداد موقع ملا تھا، وہ رونے لگیں، انہیں روتا دیکھ کر منشی جی کا غصہ اتر گیا،

"ارے بھئی سنو تو!"

وہ روتے روتے بولیں،

"بس سن لیا سب کچھ، مجھے میرے گھر بھیج دو، یہاں رہ کر تو دق ہو جاؤں گی!"

منشی جی:- چلو ــــــــــ پھر میں بھی چلتا ہوں نوکری چھوڑ کر تمہارے ساتھ یہاں اکیلا رہ کر کیا کروں گا؟

امجدی بیگم:- غضب خدا کا، میری زبان تو ہر وقت "میری بچی" "میری بیٹی" "میری بنو" کہتے ہوئے سوکھی جاتی ہے، اور یہ بے وفا لڑکی کسی طرح میری نہیں بنتی!"

منشی جی:- (شائستہ کو خوفناک نظروں سے گھورتے ہوئے) آخر ہوا کیا؟

امجدی بیگم :- ہوتا کیا ——— کوئی لکھ پتی تو تم ہو نہیں، اور لکھ پتی بھی، اپنی دولت نہیں اڑاتے پھرتے،

منشی جی :- وہ تو ٹھیک ہے لیکن بات تو بتاؤ!

امجدی بیگم :- کیا بتاؤں ——— غلطی میری ہی تھی (ہاتھ جوڑ کر دیتے ہوئے) بیٹی شائستہ معاف کر دو مجھے،!

منشی جی :- (انتہائی برہمی کے ساتھ) دیکھو امجدی پھر مجھے غصہ آجائے گا، صاف صاف کیوں نہیں کہتیں کیا ہوا ؟

امجدی بیگم :- رات دال زیادہ پکالی تھی شائستہ نے، بچ گئی، میں نے پھر سے گرم کرکے، اچھے خاصے گھی سے بگھار دیا، تمہارے لئے تھوڑا سا گوشت پکا دیا، اور وہ دال کھالی وہی شائستہ کو دے دی، صاحبزادی کو اتنا غصہ آیا کہ رکابی اُٹھا موری میں پھینک دی،

منشی جی :- (پیکر آتش بن کر) دال موری میں پھینک دی ؟

امجدی بیگم :- ہاں ——— دیکھ لو، یہ کیا سامنے ہی تو پڑی ہے،

منشی جی :- تو یہ ٹھاٹھ ہیں ——— ہوں،!

امجدی بیگم :- میں نے کہا بیٹی، اناج کو پھینکا نہیں کرتے، وہ بھی موری میں، اس طرح رزق اڑ جاتا ہے، وہ سامنے مرتبان میں ایک انڈا رکھا ہے، چلو بنا لو اور کھالو،

منشی جی :- اچھا، ——— ہوں!

امجدی بیگم :- چلو بھی کھالیا، پھر بھی خفا ہوتے جا رہی ہے مجھ پر ———

یہ کہتے کہتے امجدی بیگم پھر رونے لگیں، ویسے ہی منشی جی کم غصہ ور تھے پھر امجدی بیگم کے گریۂ بے اختیار نے انہیں اور حواس باختہ کر دیا، نتیجہ یہ ہوا کہ بیچاری شائستہ کو انہوں نے روئی کی طرح دھنک کر رکھ دیا، پھر اطمینان سے بھنا ہوا گوشت کھایا، قیلولہ کیا، امجدی بیگم سے راز و نیاز کی باتیں کیں، حقہ گڑگڑایا، اور رجسٹری کے دفتر واپس تشریف لے گئے ——
شائستہ اپنی کوٹھری میں پڑی تھی، روتے روتے اس کی آنکھیں سوج گئی تھیں!

(۹)

ایک نئی بلا

امجدی بیگم، اور منشی جی کے برتاؤ کی اب شائستہ عادی ہو گئی تھی، اگر کسی دن اتفاق سے اُسے گالیاں نہ سننا پڑتیں، یا مار نہ کھانا پڑتی، تو حیرت ہوتی کہ آج کا دن بغیر کسی حادثۂ جاں گداز کے کیونکر گذر گیا؛ وہ بار بار اپنی بانہوں کو، گلے کو، پیٹھ کو، گردن کو، کمر کو، ہاتھ پھیر کر دیکھتی، کسی تازہ چوٹ کا درد محسوس ہوتا ہے یا نہیں؛ اس نے محسوس کر لیا تھا، زندگی کے دن اسی طرح گذریں گے، اب اس کا صرف ایک کام رہ گیا تھا، ہر نماز کے بعد بڑے الحاح وزاری کے بس موت کی دعا مانگا کرتی تھی، کبھی کبھی خودکشی کا خیال بھی دل میں آجاتا تھا، لیکن پھر اس اُمید پر رُک جاتی تھی کہ شاید خدا دُعا قبول کر لے موت آجائے اور وہ خودکشی کے گناہ سے بچ جائے۔

لیکن اب ایک ایسی مصیبت سر پر آن پڑی تھی کہ اس سے بچاؤ کی

کوئی صورت نظر نہیں آتی تھی، اور یہ مصیبت اتنی ہولناک اور زبردست تھی کہ اس کے سامنے پچھلی تمام مصیبتیں ہیچ تھیں، اس مصیبت کا نام تھا شکور —— ——!

شکور امجدی بیگم کا بھانجا تھا، صورت کا بھدا، سیرت کا بھونڈا، تین مرتبہ مسلسل انٹرنس میں فیل ہونے کے بعد تعلیم کو اس نے بقول خود "طلاق" دے دی تھی اور اب شائستہ سے شادی کی فکر میں تھا، کچھ تھوڑی سی زمینداری کا مالک تھا، سالانہ آٹھ نو سو روپے ملجاتے ہوں گے، ماں باپ کا اکلوتا لڑکا تھا، لیکن اتنا بھاگوان کہ ماں باپ دونوں کو گور میں سلا چکا تھا، بے انتہا آوارہ اور لچا، شرابی جواری، لیکن امجدی بیگم کی نظر میں اس کی "زمینداری" کی اتنی عزت اور وقعت تھی کہ وہ اسے اپنا بیٹا بنانے پر مجبور ہو گئیں، ان کا خیال تھا، اگر شائستہ کی شادی اس سے کر دی جائے تو "جائیداد" گھر ہی میں رہے گی۔ چنانچہ انہوں نے بڑے ارمان سے اسے بلایا تھا، گو منشی جی پر اپنا عندیہ ابھی نہیں ظاہر کیا تھا، لیکن اسے باقاعدہ "کورٹ شپ" کا موقع دے رہی تھیں، اس کے سارے کام شائستہ کو کرنا پڑتے تھے، ناشتہ دینا، کھانا کھلانا، حقہ بھرنا، پان بنانا، بستر کرنا، یہ سب اس کے کام تھے، اور جب وہ کسی کام سے آتی تھی، تو ممکن نہ تھا کہ شکور چھیڑ چھاڑ نہ کرے، ایک دن وہ ناشتہ لے کر آئی تو شکور نے ہاتھ پکڑ لیا،

"آؤ تم بھی ہمارے ساتھ ناشتہ کر لو، تمہیں خدا کی قسم!"

وہ ہاتھ چھڑا کر بھاگ گئی، کھانا لے کر آئی، تو شکور صاحب دروازے کی اوٹ میں کھڑے ہیں، سینی رکھ کر ادھر اُدھر دیکھنے لگی کہ یہ جانور ابھی تو یہاں تھا یک بیک کہاں غائب ہو گیا، جب سینی رکھ کر واپس جانے لگی، تو پیچھے سے اس کا دوپٹہ پکڑ کر کھینچ لیا، جس سے غریب کے گلے میں پھندا پڑ گیا، اور وہ گرتے گرتے بچی، مگر شکور صاحب پر ہنسی کا ایسا دورہ پڑا کہ کسی طرح ختم ہی ہونے میں نہیں آتا،

اس چھیڑ چھاڑ نے شائستہ کے دل میں شکور کے خلاف نفرت اور حقارت کا جذبہ پیدا کر دیا، لیکن وہ خاموش تھی، کچھ اس لئے کہ اُمید تھی یہ مہمان ہے چند روز میں واپس چلا جائے گا، لیکن جب اس نے ڈیرے ڈال دیئے تو مہمان کے بجائے مکین کی صورت اختیار کر لی، تو وہ گھبرائی، گھبراہٹ میں اضافہ اس لئے اور بھی ہوا کہ پہلے اس کی حرکتیں، شوخی اور شرارت کے حدود سے متجاوز نہ تھیں گو شائستہ کی نظر میں یہ بات بھی قابلِ اعتراض تھی، لیکن اب اس کی شوخی اور شرارت، گستاخی، بدنظری اور دست درازی کے حدود سے بھی متجاوز ہونے لگی تھی اور یہ صورت حال قطعاً ناقابلِ برداشت تھی،

کئی مرتبہ سوچا خط لکھ کر منشی جی کو دے دے، پھر خیال آیا وہ پڑھے بغیر گالم گلوچ اور مار پیٹ شروع کر دیں گے، یہ بھی خیال آیا، امجدی بیگم سے شکایت کرے، لیکن امجدی بیگم کی ڈراؤنی صورت نے حوصلہ پست کر دیا وہ اگر سانپ اور بچھو کے خلاف بھی امجدی بیگم سے شکایت کرتی تو وہ سانپ اور بچھو کا ساتھ دیتیں، اس کی بات نہ مانتیں، پھر بھلا شکور کی

شکایت وہ کس کان سے سن سکتی تھیں ؟

اسی فکر میں شائستہ کے دن گذر رہے تھے، اور سمجھ میں نہیں آتا تھا اس بلا سے کس طرح پیچھا چھڑاتے ؟ ایک روز وہ اسی فکر میں غلطان پیچان، اپنی کوٹھری کی جھلنگا چارپائی پر بیٹھی تھی، کہ دیکھتی کیا ہے کہ جناب عبدالشکور خانصاحب رئیس اعظم "راجن پور" سامنے کھڑے تبسم جاں نواز کا مظاہرہ کر رہے ہیں !

شکور کو دیکھتے ہی شائستہ کا خون خشک ہو گیا۔ دوپہر کا وقت تھا، منشی جی کھانا کھا کر دفتر واپس جا چکے تھے، امجدی بیگم خواب ناز میں مصروف تھیں، وہ اٹھ کھڑی ہوئی، اس نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا،

"تم یہاں کیوں آئے ہو ؟"

شکور :- آ گیا ——— جی گھبرا رہا تھا، سوچا ذرا تم سے مل آؤں،

شائستہ :- چلے جاؤ یہاں سے ؛

شکور :- کیوں چلا جاؤں ؟

شائستہ :- اس لئے کہ میں کہہ رہی ہوں، میں اپنی توہین نہیں برداشت کر سکتی،

شکور :- توہین ؟ ——— میں توہین کرنے تو نہیں آیا، باتیں کرنے آیا ہوں، کیا باتیں کرنا توہین ہے ؟

شائستہ :- ہاں ——— ہے !

شکور :- وہ کس طرح ——— خدا کی قسم غصہ میں تمہارا حسن اور

نکھر جاتا ہے، کچھ عجیب شان آجاتی ہے، ایسا لگتا ہے جیسے کوئی ملکہ کھڑی ہو تنی ہوئی، !

شائستہ :- خاموش ———— بدتمیز،

شکور :- اچھا خاموش ہوا جاتا ہوں لیکن از برائے خدا اتنا کرم تو کرو کہ وہ طریقہ تو بتا دو تمہیں چاہیں کیونکر ؛

شائستہ :- ذلیل، کمینہ، کتا، سور، !

شکور :- ایک دفعہ اور یہ الفاظ ایک مرتبہ اور سننے کو جی چاہتا ہے، لیکن اسی انداز ہیں،

شائستہ :- میں کہتی ہوں نکل جاؤ تم یہاں سے ذلیل انسان !

شکور :- یہ نہیں ہو سکتا میری جان،

شائستہ :- زبان بند کر کمینے، لچے،

شکور :- کہو اور کہو، جو چاہو کہہ لو،

انہیں آتا ہے پیار پر غصہ
ہمیں غصہ پہ پیار آتا ہے

شائستہ :- میں تمہارے ہاتھ جوڑتی ہوں چلے جاؤ، رحم کرو مجھ پر

شکور :- نا بھائی یہ غلط ہے، کہاں وہ جلال کہاں یہ نیازمندی ———— تم غصہ میں اچھی لگتی ہو، غصہ ہی کے عالم میں باتیں کرو،

شائستہ :- اگر تم نہیں جاتے تو میں چلی جاتی ہوں ———— ہٹو سامنے سے،

شکور :- یہ بھی نہیں ہو سکتا، میں دروازے کے سامنے کھڑا ہوں، مجھے روندتی
اور اپنے قدموں سے پامال کرتی شوق سے چلی جاؤ ——————
ویسے نہیں،

شائستہ :- تمہیں کیا ہو گیا ہے آج ؟

شکور :- وہی جو مجنوں کے وقت سے آج تک ہوتا آیا ہے،

شائستہ :- میں ایسی بکواس نہیں سُننا چاہتی،

شکور :- سنو یا نہ سنو، ہم تو حال دل سناتے جائیں گے —— آخر کب تک نہ سنوگی، شروع میں لیلیٰ بھی مجنوں کی پروا نہیں کرتی تھی، آخر کرنے لگی، شیریں فرہاد سے نفرت کرتی تھی، لیکن اس کے لئے جان دینے پر تیار ہو گئی، ہیر رانجھا، سسی پنوں - مرزا صاحباں، عمر ماروی، روپ متی، باز بہادر، نور جہاں اور جہانگیر، بہادر شاہ اور زینت محل، ان سب کی زندگی محبت کے سوا کیا ہے ؟ —————— محبت
محبت، محبت بس یہی زندگی ہے!

شائستہ :- ہوا کرے، میں ایسی لغو باتیں نہیں سُننا چاہتی،

شکور :- آخر کیوں ؟ —————— کیا تمہارے سینہ میں دل نہیں ہے ؟
کیا وہ نہیں دھڑکتا ؟

شائستہ :- میں نہیں جانتی،

شکور :- تمہیں آج میری بات سننی پڑے گی! سنا کر رہوں گا،

شائستہ :- کیا کہنا چاہتے ہو تم ؟ —————— کچھ معلوم تو ہو،

تسکور :۔ یہ کہ میں تم سے محبت کرتا ہوں، کیا تم بھی مجھ سے محبت کرتی ہو؟

شائستہ اس وقت غصہ میں بھری ہوئی تھی، اس لئے خوب کڑوی کسیلی باتیں تسکور کو سنائی تھیں، لیکن یہ سب کچھ سننے کے باوجود، اتنا بے ساختہ سوال "کیا تم مجھ سے محبت کرتی ہو؟" سن کر شائستہ کو بے ساختہ ہنسی آگئی لیکن اس نے ضبط سے کام لیا، لاکھ روکا، مگر تبسم کی خفیف سی جھلک ہونٹوں پر نمودار ہو ہی گئی اور بدقسمتی سے تسکور نے بھی اسے دیکھ لیا، جس کا لازمی نتیجہ غلط فہمی ہی ہو سکتا تھا، چنانچہ زیادہ صاف الفاظ میں اظہار عشق شروع کر دیا،

"میری محبت بے اثر نہیں رہ سکتی، تمہیں بھی مجھ سے محبت کرنا پڑے گی!

شائستہ :۔ خدا کے لئے یہاں سے چلے جاؤ، کیوں میری جان آبرو اور عزت کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑے ہو!

تسکور :۔ واہ تمہاری جان میری جان ہے، تمہاری آبرو کے لئے اپنی زندگی کی بازی لگا سکتا ہوں ——— صرف اتنا کرو کہ محبت کا اقرار کر لو یہ مان لو کہ تم بھی مجھ سے محبت کرتی ہو،

شائستہ :۔ میں تم سے نفرت کرتی ہوں، محبت کا اقرار کیسے کر لوں؟

تسکور :۔ آخر کس جرم میں نفرت کرتی ہو، اپنے محبت کرنے والے سے؟

شائستہ :۔ یہ اپنے لچھنوں اور طور طریقوں سے پوچھو،

تسکور :۔ تم ہی بتا دو گی تو کیا بگڑ جائے گا تمہارا؟

شائستہ :۔ کیا شریف لڑکے، شریف لڑکیوں سے اس طرح کی باتیں کرتے ہیں؟

شکور :- ہاں، کیوں نہیں، کیا شریف لوگ محبت نہیں کرتے ؟

شائستہ :- مت نام لو محبت کا۔

شکور :- کیوں ؟ ——— کیا میں محبت نہیں کرتا ؟

شائستہ :- تم یہ بھی نہیں جانتے، محبت کے معنی کیا ہیں ؟ محبت کسے کہتے ہیں ؟

شکور :- اچھا تو بتا دو، ——— چلو تم اُستاد ہم شاگرد سہی،

شائستہ :- شریف لوگ، لفنگوں اور غنڈوں کی طرح، بکواس نہیں کرتے، دوسروں کی بہو بیٹیوں کو تنگ اور پریشان نہیں کرتے، اپنے منہ سے ناشائستہ اور غیر مہذب الفاظ نہیں نکالتے، ذرا دیر کے لئے گریبان میں منہ ڈالو، اور سوچو تم کیا ہو ؟

شکور :- یعنی میں شریف بھی نہیں ہوں ——— ؟ کیوں بھئی،

اس عاشقی میں عزّتِ سادات بھی گئی!

یہ کہہ کر اُس نے ایک زوردار قہقہہ لگایا،

شائستہ :- ہماری کوٹھری سے باہر جا کر ہنسو، قہقہے لگاؤ، ناچو، کودو، جو چاہو کرو، لیکن یہاں اس طرح کی حرکتیں کر کے تم میری زندگی برباد کرنے پر کیوں تلے ہوئے ہو ؟ میں نے کیا خطا کی ہے تمہاری ؟

شکور :- خطا اور قصور کا سوال نہیں ہم تو دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر آئے ہیں، اور یہ نہ بھولو کہ

ہر کوئی درماندگی میں نالہ سے ناچار ہے

شائستہ :- تو یہ زور دار قہقہہ تمہارا نالا تھا ——— ؟ تم جانتے ہو، اگر اماں جان کے کانوں تک تمہاری آواز پہنچ گئی ، اور وہ یہاں آ گئیں تو کیا ہو گا ؟

شکور :- بتاؤ ——— میں نہیں جانتا ،

شائستہ :- میں نہیں جانتی تمہیں وہ کچھ کہیں گی یا نہیں ؛ لیکن اتنا جانتی ہوں کہ پھر اس گھر میں میری جگہ نہ رہے گی !

شکور :- میرا گھر اس گھر سے بہت بڑا ہے ، یہ کرایہ پر ہے ، وہ میرا ذاتی ہے ، منشی جی کی گزر بسر نوکری پر ہے ، میں اپنے علاقہ کا زمیندار ہوں ، یہاں تمہیں کام کرنا پڑتا ہے ، وہاں دوسرے تمہارا کام کریں گے ، یہاں تم پٹتی ہو ، وہاں ملکہ بن کر رہو گی ———

اتنے میں امجدی بیگم کی آواز آئی ،

" شائستہ ، ارے او شائستہ ——— !

شائستہ نے جواب دیا ،

" آئی ———

اور سین ختم ہو گیا ، !

(۱۰)

زہر کی پڑیا

شائستہ اس وقت زندگی اور موت کے دوراہے پر کھڑی تھی، وہ حیران تھی، کدھر جائے، اور کیا کرے؛ وہ کسی قیمت پر بھی نسکور کی رفیقۂ حیات بننے پر تیار نہیں تھی، جو شخص اتنا بدتمیز ہو کہ آنگن میں کھڑے کھڑے دودھ کا پیالہ پئے، اور دھڑ دھڑ ڈکاریں لینا شروع کر دے، جو اتنا چھچھورا ہو کہ محلہ کے لڑکوں سے پتنگ، ڈور اور مانجھا منگوائے، پھر ایک ایک پیسہ کا حساب لے اور جھگڑے، جو اتنا بدنظر ہو کہ گھر کی بھنگن، دھوبن اور نائن تک کو بری طرح گھورے، اور جب آنکھ سے آنکھ مل جائے تو مسکرائے، اور قہقہہ لگائے، جو اتنا سلیقہ ہو کہ داڑھی کے ساتھ ساتھ سر بھی منڈا دے جو اتنا بدوضع اور بدقطع ہو کہ پاجامہ پر بشرٹ پہنے اور آنکھوں میں سرمہ لگائے، جو اتنا زیادہ کھاؤ ہو کہ ۶۔۷ روٹیاں ایک وقت میں بغیر ڈکار لئے صاف کر دے، جو اتنا بدنیت ہو کہ پیٹ بھر کر کھانا کھانے کے

بعد پھر کوئی لذیذ چیز دیکھ کر زیادہ سے زیادہ کھانے پر آمادہ ہو جائے، بھلا ایسے جانور کے ساتھ زندگی بسر کی جا سکتی ہے ؟

لیکن کیا ایسے جانور کو نظر انداز کیا جا سکتا ہے ؟ دھتکارا جا سکتا ہے؟ اس کے دعوائے محبت کا نفرت سے جواب دیا جا سکتا ہے؟

جو شخص امجدی بیگم کی آنکھ کا تارا ہو، جسے منشی جی ہر وقت فرزند دلبند کے خطاب سے یاد کرتے ہوں، جس کی ہر بیہودگی "بچپن" سے تعبیر کی جاتی ہو جس کی ہر بد معاشی پس پردہ ٹالا جاتا ہو، اور کوئی اہمیت نہ دی جاتی ہو، جس کی خدمت پر مستقل طور سے مجھے مقرر کر دیا گیا ہو ؛ وہ کوئی معمولی آدمی تو نہیں ہو سکتا، وہ ایسا گیا گذرا تو نہیں ہو سکتا کہ اسے ٹھکرا دیا جائے؟ اگر دال میں کچھ کالا نہ ہوتا تو اتنی آؤ بھگت اور خاطر داشت کا کوئی مطلب ہی نہیں

کہیں ایسا تو نہیں، ابا جان نے اماں کے مشورہ سے یہ طے کر چکے ہوں کہ اس کی شادی میرے ساتھ کر دی جائے گی ؟

کئی دن سے دیکھ رہی ہوں کہ ٹنکو اور امجدی بیگم میں کھسر پھسر ہوتی رہتی ہے، یہی نہیں دونوں بیک وقت میری طرف دیکھ کر مسکرا کے بھی ہیں، ابا جان کے سامنے اب ٹنکو کے پاس کھانا لے کر جانے کی مجھے مناہی بھی کر دی گئی ہے، امجدی بیگم خود ہی اپنے بھانجے کو رات کا کھانا کھلاتی ہیں، اور ان کی عدم موجودگی میں، یعنی دن کو اس کی ہر خدمت میرے ذمہ آجاتی ہے،

یہ کیا معاملہ ہے ——— ؟

اگر واقعی ایسا ہے کہ، شکور کے ساتھ چپکے چپکے میرا رشتہ طے کر دیا گیا ہے تو پھر کیا ہوگا ؟ میں کیا کروں گی ؟ کیا مجھے زندہ درگور ہونا پڑے گا ؟

نہیں، جب تک زندہ ہوں، یہ نہیں ہونے دوں گی ———

لیکن کیا کروں گی جب قاضی صاحب تشریف لے آئیں گے ؟ کیا مجھ میں اتنی ہمت ہے کہ انکار کر دوں ؛ اگر ایسا کروں بھی تو کیا ڈنڈے اور جوتے کے زور سے مجھے اقرار پر مجبور نہیں کر دیا جائے گا ؟

وہ اپنی کوٹھری میں بیٹھی یہی سوچ رہی تھی کہ شکور صاحب آتے ہوئے نظر آئے، شائستہ نے تیوری چڑھا کر کہا،

"پھر تم یہاں آئے ؟"

شکور نے خود اعتمادی کے ساتھ کہا،

"ہاں آئے، کیوں نہ آئیں ؟ ضرور آئیں گے، کون روک سکتا ہے ہمیں ؟ ——— !

شائستہ :- میں منع کرتی ہوں تمہیں یہاں آنے سے، جاؤ چلے جاؤ،

شکور :- تم منع کرنے والی ہوتی کون ہو ؟

شائستہ :- یہ میری کوٹھری ہے،

شکور :- یہ میرا گھر ہے،

شائستہ :- تم جھوٹے ہو،

شکور :۔ اچھا تم سچی سہی، اس وقت جھگڑا نہ کرو، کچھ کام کی باتیں سن لو،

شائستہ :۔ میں نہیں سنتی کچھ!

شکور :۔ خدا کے لئے ہر وقت نہ لڑا کرو، کبھی تو آدمی بن جایا کرو،

شائستہ :۔ اگر تم آدمی ہوتے تو مجھ سے آدمی بننے کا مطالبہ کر سکتے تھے،

شکور :۔ کیا مطلب ؟ میں جانور ہوں ؟

شائستہ :۔ جانور سے بھی بدتر منّی (بھنگن) سے تمہاری چھیڑ چھاڑ دیکھتی ہی رہتی ہوں، لیکن کل کی بےتکلفی دیکھ کر تو تمہارے تصور سے گھن آتی ہے ——— چھی چھی۔!

شکور نے ایک زوردار قہقہہ لگایا اور کہا،

"کھل گیا راز، واہ ری قسمت، میاں شکور بڑے خوش قسمت ہو، بہت بڑی بازی ماری تم نے۔

واہ وا شاباش لڑکے واہ وا

شائستہ :۔ کچھ دماغ چل گیا ہے ؟

شکور :۔ ہاں خوشی کی وجہ سے، آج ہم نے تمہاری چوری پکڑ لی، ——— آج معلوم ہو گیا تم کتنے پانی میں ہو،

شائستہ :۔ جھوٹا لباڑی،

شکور :۔ تم منّی سے جلتی ہو، اس سے ہماری چھیڑ چھاڑ دیکھ کر خفا ہوتی ہو، جانتی ہو اس کا مطلب کیا ہے ؟

شائستہ :- میں نہیں جانتی، نہ جاننا چاہتی ہوں ——— !

شکور :- لیکن میں بتائے بغیر نہ رہوں گا، اس کا مطلب ہے، محبت ——— تم مجھ سے محبت کرتی ہو، چاہتی ہو، مجھے! ——— یہ سارا غصہ بناوٹی ہے،

شائستہ :- تیرے اوپر پھٹکار میں کیوں محبت کرنے لگی ایسے لچے سے، !

شکور :- آج نہیں مانتی ہو، کل مان لو گی،

شائستہ :- اچھا دیکھا جائے گا، وہاں تو ہو کسی طرح یہاں سے،

شکور :- رخصت ہی ہونے تو آیا تھا، میں آج جا رہا ہوں راجن پور،

شائستہ :- جاؤ، خدا پھر تمہیں نہ لائے، بہت بہت شکریہ، !

شکور :- اس طرح نہ کہو! ——— میں تمہیں ایک بات بتانے آیا تھا،

شائستہ :- تو کہہ بھی چکو کسی طرح،

شکور :- میں اس لئے جا رہا ہوں تا کہ پھر آؤں، !

شائستہ :- پہلے جاؤ تو پھر آنے کی سوچنا،

شکور :- لیکن اب آؤں گا، تو پھر نہیں جاؤں گا، اور اگر گیا تو تمہیں بھی میرے ساتھ چلنا پڑے گا،

شائستہ کا دل دھک دھک کرنے لگا، ان الفاظ کا مطلب وہ سمجھ رہی تھی، لیکن اپنے آپ کو فریب دینے کے لئے اس نے پوچھا،

شائستہ :- میں کیوں جاؤں گی تمہارے ساتھ؟ پھر وہی بہکی بہکی باتیں، !

شکور :- نہیں شائستہ میں غلط نہیں کہتا، سب کچھ طے ہو گیا ہے !

شائستہ :- (پریشان ہو کر) اپنی بکواس بند کرو !

شکور :- مجھے ہنسی آتی ہے، آج جو لڑکی غصّہ کا پیکر بنی ہوئی مجھے گھور رہی ہے، ایک دن وہ میرے سامنے شرم و حجاب کی گٹھری بنی ہوئی نظر آنے گی، آج جو لڑکی اپنے تند و تیز لب و لہجہ میں باتیں کر رہی ہے، ایک روز وہ مجھ سے میٹھی میٹھی باتیں کرے گی،

———— زمانہ کا انقلاب واقعی بڑی عجیب چیز ہے،

شائستہ کے پاؤں لڑکھڑانے لگے، اس کا جی چاہا، اس بدتمیز اور بدزبان شخص کا منہ توڑ دے، لیکن وہ ایک چیونٹی سے زیادہ بے بس تھی، چیونٹی جب پاؤں کے نیچے آتی ہے، تو کاٹ لیتی ہے، لیکن ———— کیا وہ بھی اس لفنگے کو کسی طرح کی اذیت پہنچا سکتی ہے؟ ————

نہیں وہ کچھ نہیں کر سکتی !

شکور نے چھیڑا،

"چپ کیوں ہو گئیں؟"

شائستہ :- بیکار باتوں کا جواب بھی کیا ہو سکتا ہے !؟

شکور :- شاید تم مجھے جھوٹا سمجھتی ہو؟

شائستہ :- پرلے درجہ کا؟

شکور :- لیکن خدا کی قسم یہ بات میں نے سچ کہی ہے ——— ایک ایک حرف سچ، یقین کرو، مان لو،

شائستہ :- ہوگا، مجھے تمہارے سچ جھوٹ سے مطلب نہیں ———— !

شکور :- مطلب کیوں نہیں ————

شائستہ :- نہیں ہے ہمیں ،

شکور :- ضد اور ہٹ چھوڑ دو ، غصہ تھوک دو ، مجھے خوشی خوشی رخصت کرو ، تاکہ ————

شائستہ :- تاکہ ———— ، تاکہ کیا ؟ ———— ہاں بتاؤ کیا کہہ رہے تھے تم ؟

شکور :- تاکہ خوش خوش جاؤں اور خوش خوش آؤں ،

شائستہ :- مجھے تمہاری خوشی اور رنج سے کوئی سروکار نہیں ،

شکور :- تم میری زندگی ہو ،

شائستہ :- میں تمہاری موت بھی بننا نہیں چاہتی ،

شکور :- یہ نہ کہو ، ایسا صدمہ نہ پہنچاؤ ، جو میرے دل کے ٹکڑے کر دے ،

شائستہ :- (طنز سے) دل ———— ؟ دل کیا چیز ہوتی ہے جانتے ہو ؟

شکور :- ہاں ، جو میرے سینہ میں دھڑک رہا ہے ، جس کی دھڑکن تمہارے لئے وقف ہے ،

شائستہ :- چھوڑو ان باتوں کو ،

شکور :- ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے تم مجھ سے نفرت کرتی ہو ،

شائستہ :- (زہر خند کے ساتھ) بڑے ذہین ہو بات کی تہ تک بہت جلد

پہنچ جاتے ہو، !

شکور :- اچھا باقی ساری باتیں بعد میں طے ہوتی رہیں گی ، ایک بات بتا دو صرف ایک بات ،

شائستہ :- (بیزاری کے ساتھ) وہ کون سی بات سوچی ہے آپ نے ؟

شکور :- تمہارے لئے کیا لاؤں ؟

شائستہ :- کچھ نہیں ، ———— ذرا ڈھٹائی تو دیکھو مردوئے کی ،

شکور :- اوہ ———— تم میرا مطلب نہیں سمجھیں ———— شاید میں سمجھا نہیں سکا۔

شائستہ :- اب سمجھا دو ،

شکور :- تمہیں کون سا زیور پسند ہے ؟

شائستہ :- (تیوری چڑھا کر) کیوں ———— ؟ ———— کوئی نہیں !

شکور :- یہ نہ کہو ، زیور مجھے لانا ہیں ، تمہارے ہی لئے لانا ہیں ، بجائے اس کے کہ اپنی پسند کے لاؤں ، یا امجدی خالہ سے پسند کراؤں ، اگر تمہاری پسند معلوم ہو جائے تو کتنا اچھا ہو ؟

شائستہ :- آج تمہیں کیا ہو گیا ہے ، ———— خدا کے لئے یہ باتیں چھوڑو۔

شکور :- اگر مجھے بے اعتبار سمجھتی ہو ، تو جاؤ ، امجدی خالہ سے پوچھ لو ، جاکر ———— !

شائستہ :- کیا پوچھ لوں ؟

شکور:۔ یہ کہ میرا تمہارا رشتہ طے ہو چکا ہے یا نہیں ؟ اگلے مہینہ کی چار تاریخ کو ہماری شادی ہو رہی ہے یا نہیں ؟

شائستہ نے کوئی جواب نہیں دیا، وہ غصہ اور صدمہ کے باعث تھر تھر کانپنے لگی،

شکور:۔ شائستہ، شائستہ

شائستہ:۔ کہو ——— اور جو کچھ کہنا چاہتے ہو، سب کہہ ڈالو آج،

شکور:۔ بس جو کچھ کہنا تھا کہہ چکا، اب صرف اتنا بتا دو کہ کس چیز کو پسند کرتی ہو؟ تمہارے لئے کیا لاؤں؟ ——— ؟

شائستہ:۔ بتا دوں ؟

شکور:۔ (ممنون نگاہوں سے) ہاں بتا دو، بہت بہت شکریہ،،

شائستہ:۔ لا دو گے ؟

شکور:۔ ضرور لا دوں گا، خواہ وہ کتنی ہی قیمتی چیز ہو،

شائستہ:۔ نہیں تم نہیں لاؤ گے، جھوٹے ہو، جھوٹ بول رہے ہو،

شکور:۔ قسم لے لو، لاؤں گا، ضرور لاؤں گا، آسمان کے تارے کہو گی تو وہ توڑ لاؤں گا تمہارے لئے،

شائستہ:۔ تھوڑا سا زہر،!

شکور:۔ زہر ——— تھوڑا سا زہر؟ تمہارے لئے زہر لاؤں ؟

شائستہ:۔ ہاں ——— وعدہ کر چکے ہو،

شکور :- کیا واقعی تم مجھ سے اتنی ہی زیادہ نفرت کرتی ہو ؟

شائستہ :- اب نفرت اور محبت کا سوال نہیں ، بزرگوں نے جو فیصلہ کر دیا وہ میں جانتی ہوں اٹل ہے ، اسے دُنیا کی کوئی طاقت نہیں بدل سکتی ـــــــــــ

شکور :- ٹھیک ہے ، ٹھیک ہے ، مگر ،

شائستہ :- مگر وگر کچھ نہیں ، یہ فیصلہ جس طرح تم پر نافذ ہوگا ، اسی طرح مجھ پر بھی ، تم نے میری پسند کی ایک بات پُوچھی تھی ، میں نے بتا دی نہ پُوچھتے تو کچھ نہ کہتی ،

شکور :- بہر حال بزرگوں کے فیصلہ کے آگے تم سرِ تسلیم خم کرنے کے لئے تیار ہو ؟

شائستہ :- اس سے کون انکار کرسکتا ہے ،

شکور :- فی الحال یہی غنیمت ہے ، !

شکور چلا گیا ، شائستہ کی باتوں اور طور طریقوں سے وہ بہت خائف تھا ، کہ یہ من چلی لڑکی کہیں عین وقت پر قاضی کے سامنے انکار نہ کر دے ، یا زہر نہ کھالے ، یا کوئی اور قیامت برپا نہ کر دے ، لیکن یہ معلوم کر کے کہ بزرگوں کے فیصلہ کے آگے وہ سرِ تسلیم خم کرنے پر تیار ہے ، بڑی حد تک اطمینان ہو گیا کہ شادی تو بہر حال ہوگی ، شائستہ تو بہر حال ملے گی ،

ـــــــــــ عاقبت کی خبر خدا جانے ، !

---

(۱۱)

درو دیوار پہ حسرت سے نظر کرتے ہیں!

ننکو کے جانے کے بعد، شائستہ نے امجدی بیگم کے طرزِ عمل میں تھوڑا سا تغیّر محسوس کیا، کام تو اب بھی اسے اتنا ہی کرنا پڑتا تھا، گوشت کے بجائے دال اب بھی کھانے کو ملتی تھی، گھر کی جھاڑو بھی دینی پڑتی تھی، برتن بھی مانجنا پڑتے تھے، لیکن گالیوں کوسنوں اور مار پیٹ میں کسی حد تک تخفیف ہو گئی تھی، کبھی کبھی مسکرا کر بات بھی کر لیتی تھیں، کوئی ایسی شبھ گھڑی بھی آ جاتی تھی کہ کسی بات پر غصّہ آیا، اور وہ ٹال گئیں، ایک روز اس نے چھپ کر، امجدی بیگم اور منشی جی کی باتیں بھی سُن لیں، جن سے یقین ہو گیا کہ ننکو کے ساتھ اس کا دامن ضرور باندھا جائے گا، دو ہزار مہر طے پایا ہے، جو نکاح کے وقت نقد ادا کر دیا جائے گا، اس سے شائستہ نے اندازہ لگا لیا کہ وہ دو ہزار میں فروخت کی جا رہی ہے، بہت روئی، روتے روتے آنکھوں کے پپوٹے سوج گئے، لیکن

کوئی نہ تھا جو اس کے آنسو پونچھتا،

آج امجدی بیگم بہت خوش تھیں، بات بات پر باچھیں کھلی جا رہی تھیں، بات یہ تھی کہ آج خان بہادر رجب علی دائش چیئرمین میونسپل بورڈ کے لڑکے کا عقیقہ تھا، اور اس سلسلہ میں وسیع پیمانہ پر انہوں نے دعوت احباب کا انتظام کیا تھا، اس دعوت کا سارا انتظام منشی جی کے سپرد تھا، منشی جی خان بہادر صاحب ہی کے آدمی تھے یعنی انہی کی سفارش سے چنگی کے محکمہ میں جگہ ملی تھی، لہٰذا اُن کے کام آنریری طور پر اکثر کیا کرتے تھے چنانچہ یہ خدمت بھی آنریری ہی تھی، سامان کی خرید و فروخت بھی ان کے ذمہ تھی، اور اس سلسلہ میں گھی کا ایک پیپا، آٹے کی ایک بوری نہایت عمدہ چاولوں کی ایک بوری لونگ، سیاہ مرچ وغیرہ کا کافی ذخیرہ حق خدمت یا محنتانہ کے طور پر وہ اپنے گھر صبح ہی صبح پہنچا چکے تھے اس مال غنیمت نے امجدی بیگم کو نہال کر دیا تھا، شام کے قریب اُنہوں نے شائستہ سے کہا،

"بیٹی میں تو خان بہادر صاحب کے ہاں جا رہی ہوں، منشی جی سے ان کی بیوی نے کہلایا ہے کہ مہمان ضرور آئیں گے اور وہ بہت پریشان کرتے ہیں، ان کے کھلانے کا انتظام میں کروں گی،"!

شائستہ نے کہا،

"جائیے ——— کب تک واپسی ہو گی آپ کی؟"

وہ بولیں،

"تمہارے ابا ہی کے ساتھ آؤں گی گیارہ تو بج ہی جائیں گے!

شائستہ :- مجھے ڈر لگے گا اکیلے،

امجدی بیگم :- ڈر کی کیا بات ہے، پاس پڑوس ہیں نہ کوئی بدمعاش ہے نہ اچکا ——— پھر گیارہ بجے تک تو ساری خلقت چلتی رہتی ہے

شائستہ :- اچھا ———

امجدی بیگم :- دروازہ اندر سے بند کر لیجئو،

شائستہ :- بہت خوب ایسا ہی کروں گی،

امجدی بیگم :- اور ہاں کھانا میرے آنے کے بعد کھانا،

شائستہ :- آپ تو گیارہ بجے آئیں گی،

امجدی بیگم :- اچھا، تو صبح کی دال روٹی رکھی ہی ہے، میں اپنے ساتھ جو کچھ لاؤں گی، وہ صبح کھا لینا، کچھ خراب تھوڑے ہو جائے گا،

شائستہ :- بہت اچھا،

امجدی بیگم جلدی جلدی بن سنور کر خان بہادر کے ہاں روانہ ہو گئیں، شائستہ اکیلے مکان میں رہنے کو رہ تو گئی، لیکن خوف اور دہشت کے باعث اس کی حالت غیر ہو رہی تھی،

مغرب کی نماز پڑھنے کے بعد وہ باہر آنگن میں چارپائی پر لیٹ گئی اور طرح طرح کے خیالات میں کھو گئی، رہ رہ کر ہنکور کا خیال آ رہا تھا اور جب یہ خیال آتا تھا کہ وہ دو چار روز میں آ کر مجھے خرید لے گا، تو اس کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے، زندگی سے اس کا جی بیزار ہو

جاتا تھا، اور وہ موت کی دُعا مانگنے لگتی تھی،

اب اچھا خاصا اندھیرا چھا چکا تھا، لیکن شائستہ اپنے تخیلات و تصوّرات میں مگن پڑی ہوئی تھی، یکایک کسی نے دروازے پر دستک دی، دستک کی آواز سُن کر اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا، سارے بدن میں سنسنی دوڑ گئی،

"یہ کون ہے؟"

"کہیں کوئی چور تو نہیں؟

"جواب دوں یا نہ دوں؟"

"دروازہ کھولوں یا نہ کھولوں؟

اور دستک کی آواز تھی کہ برابر دیئے جا رہی تھی،

آخر جی کڑا کر کے اُٹھی، دروازہ کے پاس گئی اور ہمت پیدا کر کے کانپتی ہوئی آواز میں پُوچھا،

"کون ہے؟"

جواب ملا،

"میں ہوں دلارے کی ماں!"

آواز جانی پہچانی تھی، فوراً دروازہ کھول دیا،

دلارے کی ماں نے گھر میں داخل ہوتے ہوئے کہا،

"آج بیگم صاحبہ کہاں گئی ہیں؟

یہ کہہ کر وہ مسکرائی ——— اس مسکراہٹ میں طنز تھا،

حقارت تھی،

شائستہ نے جواب دیا،

"خان بہادر رجب علی صاحب کے ہاں گئی ہیں، ان کے لڑکے کا عقیقہ ہے،

دلارے کی ماں :۔ سو ہی تو میں کہوں آج سواری کہاں جا رہی ہے بیگم صاحب کی!

شائستہ :۔ کیا تم نے انہیں جاتے دیکھا تھا؟"

دلارے کی ماں :۔ ہاں —— جب ہی تو آئی، ورنہ قدم دھرتی یہاں!

شائستہ :۔ بڑا ڈر لگ رہا تھا مجھے —— اچھا ہوا تم آ گئیں، ——!

دلارے کی ماں :۔ لیکن وہ تمہیں بھی ساتھ کیوں نہ لے گئیں؟

شائستہ :۔ پھر گھر کس پر چھوڑتیں؟

دلارے کی ماں :۔ یہ بھی خوب رہی —— جوان جہان لڑکی، رات کا وقت، وہ بھی اندھیاری، اسے اکیلا چھوڑ گئیں گھر میں کوئی چور اچکا آ جائے تو کیا کر لو گی؟

شائستہ :۔ (سہم کر) کچھ نہیں،

دلارے کی ماں :۔ وہ بدمعاش ہو، اور تم پر ہاتھ ڈال دے تو کیا بچا لو گی، اپنے آپ کو؟

شائستہ :۔ (دلارے کی ماں سے لپٹ کر) مجھے اپنے ساتھ لیتی چلو،

دلارے کی ماں :۔ میں تو لیتی چلوں، لیکن پھر تمہاری کیا گت بنے گی؟

شائستہ نے کوئی جواب نہیں دیا، رونے لگی، دلارے کی ماں نے اُسے سینہ سے لگالیا اور کہا،

مت رو، میری بیٹی ——— اچھا جب تک منشی جی اور امجدی بیگم کی سواری نہیں آجاتی، میں یہیں بیٹھی رہوں گی، تیری خاطر بے غیرتی اوڑھ لوں گی اور کیا،

شائستہ نے آنسو پونچھتے ہوئے کہا،

"خالا، مجھے تھوڑا سا زہر لادو کہیں سے!"

ڈلارے کی ماں :- کچھ پاگل ہوئی ہے لڑکی؛ زہر لے کر کیا کرے گی؛

شائستہ :- میں زندہ نہیں رہنا چاہتی ——— ایک دفعہ اور بھی میں نے یہ خیال ظاہر کیا تھا، مگر تم نے منے کا واسطہ دے کر مجھے روک لیا تھا، اب تو وہ بھی رخصت ہو گیا، اب میری زندگی میں کانٹے ہی کانٹے ہیں،

ڈلارے کی ماں :- یہ نہ کہو، ابھی تم نے دُنیا کا دیکھا کیا ہے؛

شائستہ :- میں کچھ نہیں دیکھنا چاہتی، جو کچھ دیکھ لیا وہ بہت ہے،

دلارے کی ماں :- نہیں بیٹی ایسی باتیں نہیں کرتے،

شائستہ :- تم نے میری مدد نہ کی تو آگ لگا لوں گی اپنے کپڑوں میں کسی دن،

دلارے کی ماں :- چپ، پگلی،

شائستہ پھر رونے لگی،

دلارے کی ماں :- آخر بات کیا ہے، جو آج تم بات بات پر رو رہی ہو، منشی جی جیسے ہیں ہمیشہ سے ہیں، امجدی بیگم نے بھی کبھی سیدھے منہ تم سے بات نہ کی، پھر شکایت کیوں اور رونا کاہے کا ؟

شائستہ :- ابا کی مار، اور اماں کے ظلم کی تو عادی ہو چکی ہوں،

دلارے کی ماں :- وہی تو میں بھی کہہ رہی ہوں پھر نئی بات کیا ہوئی ؟

شائستہ نے سسکیاں لے لے کر، تشکور کا سارا ماجرا کہہ سنایا، اور آخر میں کہا،

"تم ہی بتاؤ خالہ، کیا مجھے زندہ رہنا چاہیئے ؟ کیا ایسے شخص کی بیوی بن کر میں زندہ رہ سکتی ہوں ؟ جب میری حقیقت اور حیثیت بس اتنی ہے کہ ایک بدمعاش اور آوارہ آدمی کے ہاتھ دو ہزار میں بیچ دی جاؤں تو پھر زندگی میں میرے لئے کیا لذت باقی رہ جائے گی ؟

دلارے کی ماں :- ہاں یہ تو سچ ہے ——— ہائے آج تیری ماں زندہ ہوتی کاش،

شائستہ :- خالا مجھ پر رحم کرو، خدا کے لئے میری مدد کرو تھوڑی سی،

دلارے کی ماں :- میں تیرے لئے سب کچھ کر سکتی ہوں، لیکن کیا کروں ؟ یہ سمجھ میں نہیں آتا،

شائستہ :- کیا تم زہر کی ایک پڑیا بھی نہیں لا سکتیں ؟

دلارے کی ماں :- نہیں ——— یہ میں نہیں کر سکتی کوئی اور

تدبیر بتاؤ،

شائستہ:۔ اور کوئی تدبیر نہیں ہے،

دلارے کی ماں :۔ کیوں نہیں ہے ——— کیا تم نے کبھی منیر میاں کا نام سُنا ہے ؟

شائستہ:۔ منیر میاں ؟

دلارے کی ماں:۔ ہاں ——— تمہاری ماں کی خدا مغفرت کرے ان کے چچا، !

شائستہ :۔ (کچھ سوچتے ہوئے) ہاں یاد آیا، امّاں ان کا ذکر بڑی محبت سے کیا کرتی تھیں ——— !

دلارے کی ماں:۔ وہی وہی ——— تیری ماں کو انہی نے لڑکی کی طرح پالا تھا، انہی نے ان کی شادی اس جانور منشی جی سے کی تھی، اور یہ ہمیشہ ان کا دشمن بنا رہا، انہیں ستاتا رہا، آخر انہوں نے اس سے زندگی بھر کے لئے قطع تعلق کر لیا،

شائستہ :۔ میں سمجھ گئی، لیکن وہ کیا کر سکتے ہیں میرے لئے ؟

دلارے کی ماں :۔ تو اُن کے ہاں چلی جا،

شائستہ :۔ ان کے ہاں چلی جاؤں؟ وہ پناہ دیں گے مجھے ؟

دلارے کی ماں :۔ ضرور دیں گے، بوڑھے بہت تھے خدا کرے زندہ ہوں،

شائستہ :۔ لیکن وہاں جاؤں کس طرح ؟

دلارے کی ماں :۔ وہ احمد پور میں رہتے ہیں، یہاں سے کوئی سو سوا سو میل

پر وہ قصبہ ہے، قصبہ کا ہر آدمی ان کی عزت کرتا اور ان کے نام سے واقف ہے،

شائستہ :- یہ تو ٹھیک ہے لیکن جاؤں کیسے ؟

دلارے کی ماں :- یہ کون سا مشکل کام ہے ؟ ———— ریل میں بیٹھ کر چلی جاؤ، اور سیدھی ان کے گھر میں داخل ہو جاؤ،

شائستہ :- میں تو آج تک ریل میں بیٹھی نہیں ———— !

دلارے کی ماں :- بیٹی، بغیر ہمت سے کام لئے بات نہیں بنے گی، اگر واقعی تم کفور سے پیچھا چھڑانا چاہتی ہو تو احمد پور جانا پڑے گا، واقعی وہ بڑا لچا اور شہدا ہے، ممکن ہے چند دن تمہیں اچھی طرح رکھے، بعد کو دیسرا منشی جی ثابت ہو گا، کہے دیتی ہوں،

شائستہ :- (آمادگی کے ساتھ) میں تیار ہوں، چلی جاؤں گی احمد پور، شاید وہاں مجھے سکھ ملجائے،

دلارے کی ماں :- تو پھر آج سے بہتر موقعہ نہیں ملے گا، یہ سوچ لو،

شائستہ :- کہتی تو صحیح ہو، لیکن ———— آج ؟

دلارے کی ماں :- ہاں بیٹی صرف آج ———— ذرا سوچو تو، جو موقعہ قدرت نے آج تمہیں دیا ہے کہ نہ منشی جی ہیں، نہ امجدی بیگم، کیا روز روز دے گی ———— ؟

شائستہ :- احمد پور کا کرایہ کیا ہے ؟ کتنے میں پہنچ جاتے ہیں وہاں ؟

دلارے کی ماں :- دو روپے بارہ آنے،

شائستہ :۔ میرے پاس تو چار آنے بھی نہیں،

دلارے کی ماں :۔ اس کی فکر نہ کر، کرایہ میں دے دوں گی، تم تیار ہو؟

شائستہ :۔ (ایک عزم کے ساتھ) بالکل تیار ہوں،

دلارے کی ماں :۔ تو ایسا کرو، میں یہاں سے اپنے گھر جاتی ہوں، تم چادر اوڑھ کر سیدھی اپنے اسکول کی طرف چلی جاؤ ——— وہی سامنے والی سڑک پر،

شائستہ :۔ اسکول کی طرف جا کر کیا کروں گی؟ وہاں کا چپراسی اگر دیکھ لے تو،

دلارے کی ماں :۔ وہ نہیں دیکھے گا، نہ چادر الٹ کر تمہارا چہرہ جھانکے گا۔

شائستہ :۔ اچھا پھر ———؟

دلارے کی ماں :۔ اسکول سے ذرا آگے وہ پکریا کا درخت ہے نا؟

شائستہ :۔ ہاں ہے ——— ! وہ بڑا سا درخت جس کے سایہ میں ہم کھیلا کرتے تھے،

دلارے کی ماں :۔ بس وہاں مجھے ملو ——— میں ابھی آئی،

شائستہ :۔ نہیں خالا! مجھے اپنے ساتھ لے چلو، رات کو اکیلی نہیں جاؤں گی،

دلارے کی ماں :۔ ارے پگلی، آ تو رہی ہوں، میں بھی تیرے ساتھ اسٹیشن چلوں گی، ٹکٹ خرید دوں گی، اور کیا چاہیئے؟

شائستہ :۔ وہ تو ٹھیک ہے، لیکن میں اکیلی نہیں جاؤں گی پکڑیا تک، ڈر کے مارے میرے رونگٹے کھڑے ہو رہے ہیں،

ولارے کی ماں :۔ (ہنس کر) بڑی بزدل لڑکی ہے، پھر تو احمد پور میں کیا کرے گی؟

شائستہ :۔ تم ہی تو کہہ رہی تھیں وہاں منیر میاں کو ہر کوئی جانتا ہے، پوچھوں گی کسی سے ان کا گھر،

ولارے کی ماں :۔ بالکل اسٹیشن سے ملا ہوا تو گھر ہے، لال رنگ کا، کسی سے پوچھنے گچھنے کی ضرورت نہیں، اسٹیشن سے باہر آؤ اور سیدھی گھر میں گھس جاؤ،

شائستہ :۔ اچھا ——— لیکن یہاں سے کیسے نکلوں؟

ولارے کی ماں :۔ (ہنس کر) اچھا پندرہ منٹ کے بعد یہاں سے نکل کر سیدھی پکڑیا کے پاس آجاؤ، میں ملوں گی،

شائستہ :۔ یہیں سے ساتھ کیوں نہیں چلتیں آخر؟

ولارے کی ماں :۔ تاکہ تم تو اطمینان سے احمد پور پہنچ جاؤ، اور میں جیل بھیج دی جاؤں؟ ——— لوگ یہی گواہی دیں گے کہ شائستہ میرے ساتھ گھر سے باہر نکلی تھی؛ پھر مجھے بچا لو گی احمد پور سے آکر؟

شائستہ :۔ (مسکرا کر) ہاں میں سمجھ گئی، اچھا تو تم جاؤ، میں آتی ہوں،!

ولارے کی ماں ادھر ادھر دیکھتی ہوئی کہ کوئی ادھر سے گزر تو نہیں رہا ہے، سیدھی اپنے گھر چلی گئی، وہاں جاکر اُس نے چادر اوڑھی، اور پکریا کے درخت کے نیچے جاکر کھڑی ہوگئی، تھوڑی دیر میں شائستہ نے بھی ایک چادر اوڑھی، اور دبے پاؤں ڈرتے ڈرتے گھر سے باہر نکلی بسم اللہ اور قل ہو اللہ کا ورد کرتی، ہانپتی کانپتی یہ بھی پکریا کے پیچھے پہنچ گئی، ولارے کی ماں منتظر کھڑی تھی، اب دونوں ساتھ ساتھ چلنے لگیں ——— لیکن بالکل خاموش

تھوڑی دیر میں اسٹیشن آگیا، ولارے کی ماں نے احمد پور کا ایک ٹکٹ خریدا، اور سوا دو روپے نقد شائستہ کو دے دیئے، پھر وہ اُسے لے کر، اس دروازے پر پہنچی، جہاں سے تھرڈ کلاس کے مسافر جاتے تھے، لوہے کی جالی کے پاس کھڑی ہو کر اُس نے کہا،

"دیکھو، بیٹی، وہ سامنے دو گاڑیاں کھڑی ہیں، وہ داہنی طرف جو ہے پسنجر ہے، بائیں طرف میل، میل وہاں رُکتا نہیں، رات ہی کو گزر جاتا ہے، پسنجر صبح دھوپ نکلے احمد پور پہنچا دے گی نہیں! ——— اچھا اب جاتی ہوں، اللہ کی اماں ہیں نہیں دیا، جاؤ، سدھارو، خوش رہو ———"

شائستہ اپنا ٹکٹ ہاتھ میں لئے پلیٹ فارم کی طرف بڑھی، اور ولارے کی ماں خدا کا شکر ادا کرتی ہوئی اپنے گھر کی طرف روانہ ہوئی، ڈر لگ رہا تھا کہیں اس کے پہنچنے سے پہلے ولارے کا باپ کسی کام

سے نہ آگیا ہو، وہ اس راز کو اس سے بھی چھپانا چاہتی تھی، یہ دھڑکا بھی لگا ہوا تھا کہیں منشی جی اور امجدی بیگم نہ آپہنچ گئے ہوں، اور ہنگامہ شروع کر دیا ہو انہوں نے!

---

(۱۲)

وہ کہاں گئی؟

دلارے کی ماں جب گھر پہنچی تو بچے سو رہے تھے، شوہر کی طرف سے گونہ اطمینان تھا کہ صبح سے پہلے نہیں آئے گا، وہ پولیس میں ملازم تھا، اور آج بھی اس کی ڈیوٹی رات کی تھی، کبھی کبھی گشت لگاتا ہوا ذرا دیر کو رات کے وقت بھی آجاتا تھا: اطمینان سے بچوں کی دیکھ بھال کر اس نے کھانا کھایا، پھر پان منہ میں بنا کر رکھا اور بستر پر لیٹ گئی، ایسا معلوم ہوتا تھا، جیسے شائستہ کو احمد پور بھیج کر ایک بہت بڑا بوجھ اتر گیا ہو اس کے سر سے، وہ دل ہی دل میں لطف اور مسرت کی عجیب غریب کیفیت سے لذت اندوز ہو رہی تھی، آج شائستہ ان جانوروں کے چنگل سے نکل گئی تھی، اب وہ راحت و آسائش کی زندگی بسر کرے گی، شائستہ کی ماں کو وہ بہت مانتی تھی، آج وہ اس کے حق سے سبکدوش ہو گئی۔

کوئی بارہ بجے رات کے قریب کسی نے زور زور سے اس کا دروازہ کھٹکھٹانا شروع کیا وہ کھڑبڑا کر اٹھ بیٹھی، بیساختہ اس کے ہونٹوں پر تبسم کھیلنے لگا، وہ سمجھ گئی تھی دروازہ کھٹکھٹانے والے کون ذات شریف ہیں ؟ وہ اٹھی اور دروازہ کے پاس جا کر زور سے دریافت کیا،

"کون ہے ———— ؟

آواز آئی،

"میں ہوں، ممتاز علی ———— منشی جی !"

دلارے کی ماں نے پوچھا،

"کیا ہے ؟"

وہ بولے،

"بہن دروازہ تو کھولو، بتا دوں گا سب کچھ ، !"

دلارے کی ماں نے دروازہ کھول دیا، منشی جی اندر تشریف لائے

"بہن یہاں شائستہ تو نہیں آئی ؟"

دلارے کی ماں نے ابھی کوئی جواب نہیں دیا تھا کہ پیچھے سے امجدی بیگم بھی نمودار ہوئیں،

"دلارے کی ماں شائستہ ہے یہاں ———— ؟"

دلارے کی ماں نے بے رخی اور کسی حد تک جھلاہٹ کے ساتھ جواب دیا۔

"نہیں ———— وہ یہاں کیوں ہوتی ؟ اس کا یہاں کیا کام ؟"

منشی جی :- بہن بات یہ ہے کہ وہ گھر میں نہیں ہے!" ————
عجیب ماجرا ہے ناک کٹ گئی پھر تو، !

امجدی بیگم :- ہم نے سوچا شاید ڈر کر تمہارے پاس چلی آئی ہو !"

دلارے کی ماں :- وہ بڑی بزدل لڑکی ہے تم سے اور منشی جی سے اس طرح ڈرتی ہے، جیسے بکری قصائی سے، بھلا اس میں یہ ہمت کہاں کہ یہاں آجاتے ؟"

امجدی بیگم :- تو پھر کہاں گئی ؟

منشی جی :- بہن مطلب یہ ہے کہ پھر آخر کہاں گئی وہ ؟ یعنی تمہارے گھر کے سوا کہیں اور جا بھی تو نہیں سکتی ،

دلارے کی ماں :- میں کیا بتا سکتی ہوں ؟

امجدی بیگم :- ہم چاہیں تو ابھی تلاشی لے سکتے ہیں اس گھر کی ، !

دلارے کی ماں :- آ گئیں اپنی اوقات پر، آؤ تلاشی لے لو، میاں بیوی دونوں میرے گھر کی ، لیکن یہ بتائے دیتی ہوں اگر نہ نکلی شائستہ یہاں تو منشی جی کی پگڑی اور تمہاری جوتی سلامت نہیں رہے گی، سمجھ گئیں،

منشی جی :- (امجدی بیگم سے) چپ رہو جی خواہ مخواہ بنا بنایا کام بگاڑ دیتی ہو (دلارے کی ماں سے) بہن یہ تو بے وقوف ہیں، ان کی بات کا بُرا مت مانو،

دلارے کی ماں :- اچھا نہیں مانتی ، آگے کہو، کیا مطلب ہے تمہارا ؟"

منشی جی :- یہ (امجدی کی طرف اشارہ کر کے) حبیب خان بہادر کے

ہاں گئیں، تو شائستہ گھر میں تھی، اب ہم لوگ وہاں سے واپس آئے تو ندارد،

دلارے کی ماں:۔ تعجب ہے ———— کوئی سوئی تو تھی نہیں جو گم گئی اور نظر نہیں آتی،

امجدی بیگم:۔ شرم کا مقام ہے، زمین پھٹ جائے اور ہم اس میں سما جائیں،

دلارے کی ماں:۔ وہ لڑکی بُری نہیں تھی پاک، پاکباز، نیک، شریف، کسی سے آنکھ نہیں لڑا سکتی، کسی کے جھانسے میں نہیں آسکتی، تاک جھانک اس کی عادت نہیں۔ ————

منشی جی:۔ یہ تو سچ ہے بہن، اسی لئے تو حیرت ہے کہ کیا ہو گئی وہ؟ زمین کھا گئی، یا آسمان نگل گیا؟ عقل حیران ہے، کسی طرح یہ معمہ حل نہیں ہوتا،

دلارے کی ماں:۔ میں کیا بتا سکتی ہوں،

منشی جی:۔ کچھ تو دماغ پر زور دو،

امجدی بیگم:۔ اس محلہ میں تمہارے سوا اسے جاننے والا اور تھا کون؟

دلارے کی ماں:۔ بی بی ایسی تیکھی باتیں کرو گی تو الیا ہی جواب لو گی،

منشی جی:۔ (امجدی سے) لاحول ولاقوۃ، تمہیں کیا ہو گیا ہے، چپ رہو جی، ہمارے بیچ میں نہ بولو)

امجدی بیگم:۔ اچھا اب نہیں بولوں گی ایک لفظ بھی!

منشی جی :- بہن میں تمہاری خوشامد کرتا ہوں، تمہارے قدموں پر اپنی ٹوپی رکھتا ہوں، لاج رکھ لو ہماری،

دلارے کی ماں :- شرمندہ مت کیجئے،!

منشی جی :- پھر کیا کروں؟ آخر شائستہ کو کہاں ڈھونڈوں؟ ——— وہ تو اس طرح نکل بھاگی، جیسے کڑی کمان سے تیر،

دلارے کی ماں :- میری خود عقل حیران ہے،

امجدی بیگم :- چلو جی، بہت ہولیں باتیں، بس معلوم ہو گیا سیدھی انگلیوں سے گھی نکلنے والا نہیں ہے، چلو، تھانہ میں رپورٹ کر دو چل کے، ابھی آٹے دال کا بھاؤ معلوم ہو جائے گا،

دلارے کی ماں :- ضرور جاؤ، بلکہ تھانہ میں رپٹ کرا کے بیاہیوں کو ساتھ لے کے یہاں آنا تھا، اچھا اب کر دو، منشی جی رپٹ لکھانے جائیں، تم یہاں بیٹھی رہو، تاکہ میں غائب نہ کر دوں لڑکی کو،

امجدی بیگم :- واہ ری عورت، میں یہاں بیٹھ کر کیا کروں گی؛

دلارے کی ماں :- زبان سنبھال کر بات کرو بی بی ——— ہم غریب ہیں کم ذات نہیں، ہر کسی کی طرح، یہاں بیٹھنے کو اس لئے کہہ رہی ہوں کہ منشی جی کے جانے کے بعد میں شائستہ چھپا نہ دوں کہیں،

منشی جی :- نہیں بہن، یہ تو احمق ہیں، ان کی باتوں کو چھوڑو، تم اسے اپنی اولاد کی طرح چاہتی ہو، میں جانتا ہوں، کیا تمہیں اس طرح اس کے یکایک غائب ہو جانے کا غم نہیں ہے؟

دلارے کی ماں :- کیوں نہیں ہے ؟ بہت زیادہ ہے !

منشی جی :- تو پھر ہماری مدد کرو،

دلارے کی ماں :- جو کہو، کسی مدد سے ؟ کسی کام سے باہر نہیں ہوں،

منشی جی :- بس ذرا یہ غور کرو، کہ رات کے وقت وہ کہاں جا سکتی ہے ؟
کہاں ہو گی اس وقت ؟

دلارے کی ماں :- یہی تو میں بھی سوچ رہی ہوں ———— !
اچھا ایک بات پوچھوں،

منشی جی :- ضرور، ضرور،

دلارے کی ماں :- گھر میں اسے مارا پیٹا تو نہیں گیا تھا آج کل میں ؟

منشی جی :- توبہ کرو بہن، اسے مارے گا کون ؟ ————
میں ضرور کبھی کبھی دو چار چانٹے لگا دیا کرتا تھا، وہ بھی جب سے
اس کی بات ٹھہری ہے، میں نے چھوڑ دیا، رہیں یہ (امجدی کا)
تو یہ اسے اتنا چاہتی ہیں کہ کبھی بھول کر چھڑی سے نہیں چھوا
مجھ سے اس کے لئے لڑا کرتی ہیں، اپنے بھانجے شکور میاں
زمیندار راجن پور سے اس کی نسبت طے کی ہے،

امجدی بیگم :- (روتے ہوئے) نہیں یہ سب جھوٹ ہے، میں اُسے مارا کرتی تھی
پیٹا کرتی تھی،

منشی جی :- (حیرت سے) تم ———— ؟

امجدی بیگم :- ہاں ———— میں اس کی سوتیلی ماں ہوں نا !

منشی جی :۔ اس سے کیا ہوتا ہے ؟ میں تو کہتا ہوں خدا کرے دنیا کے ہر شخص کو ایسی سوتیلی ماں ملے ، جیسی تم ہو ، !

امجدی بیگم :۔ کچھ بھی ہو ، سوتیلی ماں سوتیلی ہی ماں ہوتی ہے ،

منشی جی :۔ اچھا چپ رہو ، ان باتوں کا یہ کیا موقع ہے ؟

دلارے کی ماں :۔ چور کی داڑھی میں تنکا ،

منشی جی :۔ بہن تمہیں بھی جلد غصّہ آجاتا ہے ۔ بجائے میری مدد کرنے کے تم تو ان سے اُلجھ پڑیں ،

دلارے کی ماں :۔ منشی جی صاف بات یہ ہے کہ میں نہیں جانتی شائستہ کہاں ہے ، کیوں گئی ؟ کس طرح گئی ؛ مفت میں اپنا وقت ضائع نہ کرو ، لڑائی سے نہیں کہتی ہمدردی سے کہتی ہوں ، تھانہ جاؤ رپٹ لکھا دو شاید پولیس اس کا پتہ لگا سکے ، ورنہ ویسے تو یہ گرہ کھلتی نہیں نظر آتی ——— کیسے اچنبھے کی بات ہے ، !

منشی جی :۔ تھانے میں رپٹ لکھا دوں ؟

دلارے کی ماں :۔ ہاں تو کیا ہوا ؟

منشی جی :۔ وہاں جاکر یہ بتاؤں کہ میری جوان لڑکی غائب ہو گئی ہے اسے ڈھونڈ دو ، ؟

دلارے کی ماں :۔ کرنا ہی پڑے گا یہ ،

منشی جی :۔ میں یہ نہیں کر سکتا رپٹ لکھانے سے تو مرجانا بہتر ہے شریف آدمی اس طرح کی باتیں کر سکتے ہیں بھلا ؟

دلارے کی ماں :۔ تو منشی جی پھر تمہیں اختیار ہے، تم جانو، تمہارا کام!

امجدی بیگم :۔ (منشی جی کا ہاتھ پکڑ کر) آؤ چلو! —— گھر میں کہیں چور آ کر صفایا نہ کر گئے ہوں اتنی دیر میں —— !

منشی جی اہلیہ محترمہ کے ہمراہ اپنے دولت خانے واپس چلے گئے، دلارے کی ماں پھر بستر پر لیٹ گئی، وہاں منشی جی اور امجدی بیگم ایک دوسرے کی صورت دیکھنے لگے کہ اب کیا کریں ؛ سامنے وہ زنگا رنگ کا لذیذ کھانا رکھا تھا جو ساتھ آیا تھا، !

(۱۳)

ریل کا ڈبہ

شائستہ اپنی چادر میں سمٹی سمٹائی ایک ڈبہ میں کسی عورت کے پیچھے پیچھے آکر بیٹھ گئی، یہ مردانہ ڈبہ تھا، گاڑی چھوٹنے میں ابھی کافی دیر تھی۔ اس لئے لوگ بہت کم تھے ایک بنچ پر ایک بوڑھا آدمی لیٹا ہوا کھانس رہا تھا، دوسری خالی تھی، تیسری پر کچھ سامان رکھا تھا، مگر کوئی اس کا مالک نظر نہیں آتا تھا، چوتھی پر جدھر کھڑکیاں تھیں، وہی عورت بیٹھ گئی، یہ ادھیڑ عمر کی، لیکن نک سک سے درست کپڑے بھی ظاہری حیثیت کے مقابلہ میں کچھ زیادہ اچھے لگے اور ہاتھوں میں سونے کا زیور پاس ہی ایک مرد بیٹھا تھا، اس کی عمر بھی کوئی ۲۵ سال کے قریب ہوگی پتلون اور بشرٹ پہنے ہوئے تھا، انگریزی قطع کے بال، ہاتھ میں گھڑی ناک پر عینک، کوئی جاسوسی کا ناول بڑی دلچسپی سے پڑھ رہا تھا، لیکن شائستہ کو دیکھ کر وہ ناول پڑھنا بھول گیا، اس عورت نے گھور کر اسے

دیکھا اور مسکراتے ہوتے آہستہ سے کہا،

"بس تمہاری یہی باتیں مجھے زہر لگتی ہیں؟ —————— ہٹاؤ نظر!"

مرد نے آہستہ سے جواب دیا،

"بھئی کیا کروں، دعا کرو خدا اندھا کر دے، ورنہ جب تک آنکھیں ہیں، دیکھنے کی چیز کیوں کر نہ دیکھوں،؟

وہ کہنے لگی،

"بڑے آئے آنکھوں والے ——— اچھا پرے ہٹ کر بیٹھو!"

اُس نے پوچھا،

"یہ کیوں؟ کون سے کیڑے پڑ گئے ہیں مجھ میں؟"

وہ بولی،

"کہنا مانو، ذرا ہٹ کر بیٹھو —————— مجھے لڑکی سے باتیں کرنا ہیں، بیچاری کوئی پریشان اور غمزدہ معلوم ہوتی ہے، دیکھو چہرہ کتنا اُترا ہوا ہے، ساتھ بھی کوئی نظر نہیں آتا، منہ چھپائے کھڑکی کی طرف بیٹھی ہے، گویا یہ نہیں چاہتی کہ کوئی اُسے دیکھ سکے،

مرد نے بڑے غور سے عورت کی باتیں سُنیں پھر کہا،

"گویا تمہارا خیال یہ ہے کہ دال میں کچھ کالا ہے؛"

وہ بولی،

"ہاں ضرور ہے، اُڑتی چڑیا پہچانتی ہوں، آخر تجربہ بھی تو کوئی

چیز ہے، !

وہ ہنسنے لگا،

ہم تو ہمیشہ سے تمہیں استاد مانتے ہیں ——— اچھا استاد ہم پیچھے کھسکے جاتے ہیں، تم اطمینان سے اپنی نئی نویلی سہیلی سے باتیں کرو۔

وہ کہنے لگی،

"نہیں ابھی نہیں !"

مرد جھلا گیا،

یہ کیوں ؟ ——— حماقت

عورت نے جواب دیا،

آخر نا تجربہ کار ہو، (مسکراتے ہوئے) مرد ہونا دوسری چیز ہے عقلمند ہونا دوسری چیز، !"

وہ اور جھلا گیا،

"اچھا بھائی میں کچھ نہیں بولتا، جو تمہارا جی چاہے کر، دماغ چاٹ لیا اتنی سی دیر میں،

وہ بولی،

"جب تک گاڑی نہیں چلتی بات کرنا مناسب نہیں ہے !"

بے پروائی اور بے نیازی کے ساتھ مرد نے کہا،

"اچھا بھائی اچھا ——— چائے پیو گی، بی انوری ؟"

انوری نے جواب دیا،

ضرور ہیوں گی، لیکن اگلے اسٹیشن پر!!

اب لوگوں کا ریلا شروع ہو گیا تھا، مردانہ ڈبہ تھا، اس لئے مرد ہی زیادہ تھے، ایک آدھ کوئی عورت بھی اپنے باپ، بھائی یا شوہر کے ساتھ موجود تھی،

یہ بنچ اب تک خالی تھی اب اس پر بھی لوگ آ آ کر بیٹھنے لگے شائستہ ہر آنے والے آدمی کو دیکھ کر اور زیادہ سکڑ جاتی، انوری نے اپنے ساتھی سے کہا،

"حمید، تم ادھر (شائستہ کی جگہ کی طرف اشارہ کر کے) آجاؤ (شائستہ سے) بیٹی تو یہاں (حمید کی جگہ کی طرف جو بالکل کونے میں تھی) آجا،

شائستہ نے سمٹتے اور سکڑتے ہوئے کہا،

"نہیں میں ٹھیک بیٹھی ہوں"

انوری بولی،

"ٹھیک کہاں بیٹھی ہو؟ یہ مردانہ ڈبہ ہے، یہاں کونے میں آجاؤ، تمہارے پاس میں ہوں، میرے پاس میرا یہ بھائی حمید بیٹھ جائے گا، اس طرح مرد مرد ایک طرف ہو جائیں گے، اور عورتیں عورتیں ایک طرف،

بات شائستہ کی سمجھ میں آگئی، وہ حمید کی جگہ آکر بیٹھ گئی حمید اس کی جگہ آکر بیٹھ گیا، !

---

(١٤)

نیا جال!

گاڑی کے روانہ ہونے کے بعد، انوری شائستہ کی طرف متوجہ ہوئی،

"کیوں بیٹی تم اکیلی ہو، تمہارے ساتھ کوئی مرد نہیں؟

یہ چبھتا ہوا سوال سن کر، شائستہ کا چہرہ دہشت کے باعث سفید پڑ گیا، جیسے امجدی بیگم نے اُسے گھر سے بھاگتے پکڑ لیا ہو،

انوری نے شائستہ کا چہرہ پڑھ لیا، پھر سوال کیا،

"ماشا اللہ جوان جہان خوبصورت اور طرح دار لڑکی اور اکیلا سفر؟

شائستہ کیا جواب دیتی؟ رونے لگی، اس کی آنکھوں سے موتی کی لڑیاں آنسو بن کر گرنے لگیں، نادان، الھڑ اور ناتجربہ کار لڑکی بھلا ان نگاہوں اور ان سوالوں کی کیا تاب لا سکتی تھی؟

انوری نے بڑی ہمدردی کے ساتھ اس کے آنسو پونچھے، اپنے دوپٹہ سے پھر کہا،

"تم نہیں جانتیں، زمانہ کتنا نازک ہے! ———— !"

لیکن شاید انوری نہیں جانتی تھی کہ زمانہ نازک نہ ہوتا تو شائستہ گھر سے فرار ہونے پر کیوں مجبور ہوتی؟

انوری:- اگر کہیں پولیس کو شبہ ہو گیا، تو پکڑی جاؤ گی، حوالات میں رکھی جاؤ گی، جس آبرو کے بچانے کو بھاگی ہو، وہی کوڑیوں کے مول بک جائے گی۔"

شائستہ کے پاس ان باتوں کا کوئی جواب نہ تھا سوا خاموشی کے،!

انوری:- اگلے اسٹیشن پر، میں اتر جاؤں گی، اپنے باپ کا نام اور گھر کا پتہ بتاؤ، دوسری ٹرین سے میں خود تمہیں لے کر چلوں گی، اور امانت کے طور پر واپس کر آؤں گی ———— بیٹی بھلا اس طرح کوئی بھاگتا ہے؟

شائستہ نے انوری کا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں سے تھام لیا اور کہا، "نہیں نہیں، خدا کے لئے مجھے میرے باپ کا نام نہ پوچھئے، میرے گھر کا پتہ نہ دریافت کیجئے!"

انوری:- بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ آنکھوں دیکھتے جیتی مکھی نگل لوں؟ تمہارا چہرہ، تمہارا لباس، تمہارا طریقہ بتا رہا ہے، کہ شریف خاندان کی شریف لڑکی ہو، یہ کیونکر ممکن ہے کہ میں تمہیں قسمت کے حوالہ کر دوں، میرا بھائی حمید پولیس میں نوکر ہے، وہ تمہیں کسی طرح کا گزند نہ پہنچنے دیگا نہ اس کے سامنے کسی پولیس والے کی مجال ہو گی کہ تم سے پوچھ گچھ کرے، وہ بڑی احتیاط سے تمہارے گھر میں پہنچا دے گا

شائستہ :- نہیں نہیں، خدا کے لئے نہیں،

انوری :- اچھا میں بھی ساتھ چلی چلوں گی، اب تو چلو گی؛

شائستہ :- اب بھی نہیں ——————— خدا کے لئے مجھ پر رحم کیجئے،

انوری : عجب معاملہ ہے، آخر بات کیا ہے؛ کیوں بھاگی ہو گھر سے ؟

شائستہ :- زور سے نہ بولئے، ——————— کوئی سن لے گا ؟

انوری :- اچھا آہستہ سے پوچھتی ہوں، بتاؤ کیا بات ہے ؟

شائستہ :- آپ جو کچھ پوچھیں گی، سب بتا دوں گی، حلق میں کانٹے پڑ رہے ہیں، زبان سوکھ گئی ہے، ذرا سا پانی پلا دیجئے، اب تو میرے منہ سے بات بھی نہیں نکلتی،!

اتنے میں ایک اسٹیشن آ گیا، گاڑی رُک گئی،

انوری نے حمید سے کہا،

"ہم لوگ چائے پئیں گے"!

حمید دوڑا دوڑا گیا، اور چائے لے کر آ گیا، ایک پیالی اپنے ہاتھ میں رکھی، دوسری انوری کے پاس بڑھا دی، تیسری شائستہ کے قریب رکھ دی، چائے جتنی بدمزہ تھی، اتنی ہی گرم تھی، بڑی مشکل سے گھونٹ گھونٹ کر کے شائستہ نے گلے سے اُتاری، اب وہ انوری سے بھی اتنی ہی خائف تھی۔ جتنی امجدی سے، وہ دل ہی دل میں سوچ رہی تھی، یا اللہ میں کس مصیبت میں پھنس گئی، امجدی سے نجات ملی تو انوری پالے پڑ گئی،

چائے پی چکنے کے بعد انوری نے پھر اپنا سوال دہرا دیا

ہاں بتاؤ بیٹی ،

شائستہ نے بڑی بے بسی کے ساتھ پوچھا ،

"کیا بتاؤں ؟"

انوری :۔ وہی جو میں پوچھ رہی ہوں ، گھر سے کیوں نکلیں ؟ ـــــــ کہاں جا رہی ہو ؟

شائستہ :۔ یہ سب کچھ پوچھ کر آپ کیا کریں گی ؟ کسی کی بپتا سننے سے کیا حاصل ؟

انوری :۔ تاکہ ایک شریف آدمی کی شریف لڑکی کی عزت برباد ہونے سے بچالوں ـــــــ !

شائستہ :۔ اس دنیا میں کوئی بھی میری مدد نہیں کر سکتا ،

انوری : کیوں نہیں کر سکتا ؟ واہ کیا تم نے نہیں سنا

خدا پنج انگشت یکساں نہ کرد ،

ہر آدمی برا نہیں ہوتا ، تم مجھے اپنی ماں سمجھو ، کوئی بات نہ چھپاؤ ۔ سچ سچ سارا ماجرا کہہ دو ، پھر دیکھو میں تمہارے کام آتی ہوں یا نہیں ؟ تمہارا دکھ درد بٹاتی ہوں یا نہیں ؟

شائستہ :۔ کیسے یقین کر لوں ؟

انوری :۔ کیا تمہیں میری باتوں میں ہمدردی اور محبت نہیں محسوس ہوتی ؟

شائستہ :۔ (بے دلی سے) ہوتی تو ہے ،

انوری :- تو مجھے اپنا رازدار بنالو ،

شائستہ :- آپ کو اپنا رازدار بنالوں ؟

انوری :- ہاں ———— تم کسی نیچ خاندان کی بدصورت لڑکی ہوتیں تو میں پرواہ بھی نہ کرتی ، کون آیا ، کون گیا ؟ تم شریف خاندان کی خوبصورت لڑکی ہو ، تمہیں زمانہ کے تھپیڑوں کے سپرد کیسے کروں ؟

شائستہ :- کاش میں کسی نیچ خاندان کی لڑکی ہوتی ———— آپ کے پاس تیزاب ہو ، میرے منہ پہ چھڑک کر ، میرا رنگ روپ بگاڑ دیجئے ، زہر ہو تو دیجئے میں ابھی آپ کے سامنے کھالوں ، اور اپنی زندگی کا خاتمہ کرلوں ، یہ زندگی مجھے کاٹنے کو دوڑتی ہے ، مجھے اس سے نفرت ہے آپ میری کوئی مدد نہیں کرسکیں گی ، !

یہ کہتے کہتے شائستہ کی آنکھیں پھر گنگا جمنا بہانے لگیں ،

انوری نے اُسے کھینچ کر ، اپنے کلیجہ سے لگا لیا ، اور خود بھی اس کے ساتھ رونے لگی ، تھوڑی دیر کے بعد اس نے اپنے اور شائستہ کے آنسو پونچھے ، اور محبت بھرے لہجہ میں کہا ،

"میری بچی خدا کو گواہ کر کے کہتی ہوں ، تجھے میں اپنی لڑکی سمجھتی ہوں تو فکر نہ کر ، اندیشہ نہ کر ، تیری صورت دیکھ کر ، تیرا اُترا ہوا چہرہ دیکھ کر ، تیری دل دوز باتیں سُنکر میرے دل کے ٹکڑے ہونے جارہے ہیں تو مجھے اپنی ماں سمجھ اور بتادے کیا بات ہے ؟

شائستہ :- ماں ، ————

شائستہ :- ماں ــــــــــــــــ

انوری :- ہاں ــــــ ماں سمجھ مجھے بیٹی،

شائستہ :- آپ یقین کریں گی ؟

انوری :- کیوں نہیں ؛ جھوٹا آدمی صورت سے پہچان لیا جاتا ہے، تیرے سچے ہونے پر بغیر تیری باتیں سنے میں حلف اٹھا سکتی ہوں ! ــــــــ تو ہرگز جھوٹی نہیں ہو سکتی، تو سچی ہے، !

شائستہ :- یہ سارے گل ایک ایسی عورت کے کھلائے ہوئے ہیں، جو دنیا کی نظر میں میری ماں ہے، میرے باپ کی بیوی ہے ــــــــ کیا آپ اس سے بھی زیادہ میری ہمدرد ہیں ؟

انوری :- (ذرا پریشان ہو کر) وہ ماں نہیں ڈائن ہو گی۔ جو ایسے پھول کو خاک میں ملا رہی ہے، خدا غارت کرے اسے،

شائستہ :- نہیں ایسا نہ کہئے، میں کسی کا غارت ہونا نہیں چاہتی،

انوری :- دیکھ یہ ہے شرافت، یہ بات کسی خاندانی اور شریف آدمی ہی کے منہ سے نکل سکتی ہے۔

شائستہ :- خیر ہو گا، چھوڑیئے ان باتوں کو،

انوری :- لیکن تیری داستان ــــــــ ؛ وہ تو میں سنکر رہوں گی،

شائستہ :- غم نصیبوں کی داستان کیا ؛ بدبختوں کا افسانہ کیا ؛

انوری :- کچھ سہی، لیکن تیرا ماجرا تیری زبان سے میں ضرور سنوں گی، !

آخر شائستہ نے ہتھیار ڈال دیئے، وہ انوری کے اصرار کا مقابلہ نہ کر سکی، وہ کمزور دِل کی بھولی بھالی لڑکی تھی، انوری کی لچھے دار باتوں کی مزاحمت نہ کر سکی، اُس نے آہستہ آہستہ روتی ہوئی آنکھوں اور کانپتے ہوئے ہونٹوں سے اپنا سارا دکھڑا سنا دیا ——— ایک ایک بات، ایک ایک واقعہ، !

انوری بڑے غور اور توجہ سے شائستہ کی باتیں سُنتی رہی، اس داستان سرائی کے دوران میں بار بار اس کی آنکھیں پرنم ہوتی رہیں اور وہ دوپٹہ سے اپنے آنسو پُونچھتی رہی، بار بار شائستہ کی آنکھیں آب گوں ہوتی رہیں، اور انوری اس کے آنسو اپنے دامن سے پُونچھتی رہی، اس کی ٹھنڈی سانسیں آہیں اور سسکیاں، یہ ثابت کر رہی تھیں کہ وہ شائستہ کی داستان غم سے بہت متاثر ہے، ایک ایک لفظ چاقو اور چھری بنکر اس کے دِل میں چیر کے اور زخم لگا رہا ہے، شائستہ کے دِل کا بوجھ تو اپنی داستان سُنا کر کسی قدر ہلکا ہو گیا، لیکن انوری پر رنج و الم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا، اس کی آنکھیں وفور گریہ سے سُرخ ہو گئیں، اُس نے ایک مرتبہ پھر، شائستہ کو کلیجہ سے لگایا اور کہا،

"بیٹی یہ کہانی سُنکر تو پتھر کا دِل بھی پانی ہو جائے گا ———
ہائے لعنت ہے اس باپ پر، جس نے تجھ پر ظلم توڑے، لعنت ہے اس سوتیلی ماں پر جس نے تجھ جیسی معصوم بچی کو ہدفِ ستم بنایا،
لعنت ہے اس بدمعاش شکور پر، جس نے تیری بے بسی اور مجبوری سے

فائدہ اٹھا کر تیری زندگی برباد کرنے کی کوشش کی،

شائستہ نے کہا،

"آپ ہی سوچئے اگر ان حالات میں بھاگ نہ کھڑی ہوتی تو آخر کیا کرتی؟

انوری:- بہت اچھا کیا تو نے؛ اس کے سوا بچنے کی اور کوئی صورت ہی نہیں تھی اس بھیڑیئے سے،

شائستہ:- اب تو آپ مجھے قابلِ الزام نہیں خیال کرتیں؟

انوری:- بالکل نہیں ———— تو نے وہی کیا جو ایسے موقعہ پر ہر شریف لڑکی کو کرنا چاہیئے، میری بچی، میں تیری ہمت اور جرأت کو آفرین کہتی ہوں، مجھے فخر ہے تجھ پر، آج سے تو میری لڑکی، میں تیری ماں!!

شائستہ:- آپ کی اس محبت کا شکریہ کن الفاظ میں ادا کروں؟

انوری:- اس میں شکریہ کی کیا بات ہے بیٹی،

شائستہ:- یہ میرا دل جانتا ہے، آپ نے تو میرا دل موہ لیا ہے، کتنی ہمدرد ہیں آپ؟ وہ آنسو کتنے قیمتی ہیں جو آپ نے مجھ بدقسمت اور بدنصیب کے حالِ زار پر بہائے،

انوری:- ایسا نہ کہہ بیٹی، مجھے شرمندہ نہ کر، آنسو کیا چیز ہیں تیرے لئے اپنا خون بہا سکتی ہوں، اور اگر وقت آیا تو دیکھ لے گی میں نے سچ کہا تھا یا جھوٹ؟

شائستہ:- آپ کا چہرہ بتا رہا ہے، آپ کتنی شریف کتنی سچی، اور کتنی نیک ہیں۔

انوری:- اچھا بیٹی یہ بتاؤ، اب تمہارا مقصد کہاں کا ہے؟

شائستہ:- میں نے عرض تو کیا، احمد پور جا رہی ہوں، وہاں اماں مرحومہ کے چچا رہتے ہیں! ——— ان کے سوا مجھے اور کون پناہ دے گا؟

انوری:- یہ تو ٹھیک ہے لیکن ——— نہیں یہ ٹھیک نہیں!

شائستہ:- میں آپ کا مطلب نہیں سمجھی ———!

انوری:- (فیصلہ کن لیکن اپنائیت کے لہجہ میں) میں تمہیں وہاں ہرگز نہیں جانے دوں گی،

شائستہ:- کیا احمد پور میرا جانا مناسب نہیں ہے؟

انوری:- ہرگز نہیں ——— بالکل نامناسب ہے،

شائستہ:- کیوں آخر؟

انوری:- نہ صرف نامناسب بلکہ خطرناک مہلک، !

شائستہ:- (سہم کر) کیوں؟ ——— یہ بھی تو بتا دیجئے،

انوری:- وہاں جا کر تم کہیں کی نہ رہو گی ———!

شائستہ:- (اداس ہو کر) کیوں ——— ؟ خدارا بتائیے تو کس لئے

انوری:- ابجدی وہاں تمہارا انتظار کر رہی ہو گی،

شائستہ :- (بہت زیادہ پریشان ہو کر) انہیں کیا معلوم میں کہاں ہوں ؟

انوری :- ولارے کی ماں بے وقوف ہے، تم نادان ہو، منشی جی احمق ہیں ، لیکن امجدی ایک کائیاں ہے، دیکھ لینا وہ تمہیں وہاں ملے گی ، پھر اس کا کام ختم ہو گا اور تمہارے جرنیلے !

شائستہ :- (بے انتہا خائف ہو کر) انہیں معلوم ہی نہیں، میں کہاں ہوں ؟

انوری :- اب معلوم ہو گیا ہو گا ،

شائستہ :- کیا ولارے کی ماں نے بتا دیا ہو گا ؟

انوری :- ہاں ضرور بتا دیا ہو گا ، منشی جی نے پولیس میں رپورٹ کی ہو گی ، اور پولیس کے سامنے بھوت بھاگتے ہیں ، بیچاری ولارے کی ماں کیا چیز ہے ؟ وہ تین ہنٹر کھانے کے بعد سب کچھ اگل دیا ہو گا ،

شائستہ :- (پریشان ہو کر) ہاں یہ تو ہو سکتا ہے ،

انوری :- اور جانتی ہو پھر کیا ہوا ہو گا ؟

شائستہ :- نہیں، میں کیا جانوں ؟

انوری :- وہاں کی پولیس نے تار پر احمد پور کے تھانہ کو ہدایت دی ہو گی کہ منیر میاں کے گھر کی تلاشی لیں ، اور تم کو ، اور انہیں گرفتار کر لیں ! ——— یقین کرو ، وہ گرفتار ہو چکے ہوں گے ،

شائستہ :- (ڈر کر) وہ گرفتار ہو گئے ہوں گے ؟

انوری :- ہاں ضرور ——— بچ ہی نہیں سکتے بیچارے ،

شائستہ :- لیکن ان کی خطا ؟ ——— ان کا قصور ؟ ان کا جرم ؟

انوری :- ایک نوجوان لڑکی کا اغوا کرنا اور اسے اپنے گھر میں چھپانا ، جانتی ہو اس جرم کی سزا کیا ہے ؟

شائستہ :- مجھے نہیں معلوم ،

انوری :- پندرہ سال ،

شائستہ :- ہائے ، ——— پندرہ سال کی سزا ہوگی انہیں ؟

انوری :- ہاں ، وہ نہیں بچ سکتے ،

شائستہ :- لیکن ولار سے کی ماں بتاتی تھی وہ بہت بوڑھے اور کمزور ہیں ، اتنی لمبی سزا کیسے جھیل سکیں گے ،

انوری :- بہت بوڑھے اور کمزور ہیں تو سال چھ مہینے میں چھوٹ جائیں گے ، !

شائستہ :- (خوش ہو کر) کیا بوڑھوں اور بیماروں کے ساتھ رعایت کی جاتی ہے ؟

انوری :- نہیں حکومت کا قانون ان کے ساتھ رعایت نہیں کرتا ، لیکن قانون قدرت ضرور ان پر ترس کھاتا ہے ،

شائستہ :- یعنی ——— ؟

انوری :- یعنی تکلیفوں اور مصیبتوں کی تاب نہ لا کر بیچارے ایسے لوگ سال چھ مہینے میں مرجاتے ہیں ، !

شائستہ :- (روتے ہوئے) ہائے میں کتنی منحوس ہوں ، میرے احمد نگر پہنچنے سے پہلے ہی بیچارے منیر میاں پھنس گئے -

انوری :- لیکن اگر تم ان کے گھر سے نہ برآمد ہوئیں تو پولیس کا باپ بھی
ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا ،

شائستہ :- یہ کیسے ؟

انوری :- تم منیر میاں کے گھر سے برآمد کر لی جاؤ تو جرم ثابت ہے ، سزا
ملے گی ، اور ضرور ملے گی ، لیکن تم وہاں سے برآمد ہی نہ ہو ، تو
جرم ہی نہیں ثابت ہوگا ، پھر سزا کیسے ملے گی ؟ ——— حکومت
لاکھ بری سہی لیکن بے گناہوں کو تو سزا نہیں دے سکتی ،

شائستہ :- ہاں یہ تو ٹھیک ہے ،

انوری :- بس اب منیر میاں کی جان اور آبرو تمہارے ہاتھ ہے ،

شائستہ :- وہ کیسے ،

انوری :- چاہو تو انہیں گرفتار کرا دو ، چاہو بچا لو ،

شائستہ :- میں تو دل سے چاہتی ہوں ، وہ بچ جائیں ،

انوری :- بس تو پھر ایک ترکیب ہے ،

شائستہ :- وہ کیا ،

انوری :- منیر میاں کے ہاں ابھی نہ جاؤ ، پندرہ بیس دن کے بعد جاؤ تاکہ
پولیس کی تلاشی ختم ہو جائے ، منشی جی ، اور امجدی بیگم بھی خالی ہاتھ
وہاں سے واپس چلے جائیں ، اور اگر ابھی گئیں ، تو خود بھی پھنسو گی
اور ہمارے منیر میاں کو بھی کہیں کا نہ رکھو گی ،

شائستہ :- تو آخر کیا کروں پھر ؟

انوری :- کہہ تو رہی ہوں بیٹی، مہینہ بیس دن سے پہلے احمد پور اور منیر میاں کے گھر کا رُخ نہ کرو،

شائستہ :- اچھا مان لیا، ——— پھر کہاں جاؤں ——— ؟ یہ بھی سوچا آپ نے ؟

انوری :- واقعی یہ سوال بڑا ٹیڑھا اور نازک ہے،

شائستہ :- اور کیا،

انوری :- اس لئے کہ میں ایک شریف عورت نہیں، رنڈی ہوں، یہ میرا بھائی حمید پولیس میں ملازم نہیں، غنڈوں اور لچوں کا سردار ہے، میرے ساتھ اگر جاؤ گی تو نہ جانے ہم لوگ تمہارے ساتھ کیا سلوک کریں ؟ نہ جانے تمہیں کس کے ہاتھ فروخت کر دیں ؟ ——— کیوں بیٹی یہی خیال آ رہا ہے نہ تیرے دل میں سچ کہیو ؟ ——— دیکھ دل کی بات کیسی تاڑ لیتی ہوں ؟

شائستہ :- توبہ کیجئے، آپ بھی کیسی باتیں کرتی ہیں، ؟

انوری :- غلط کہہ رہی ہوں کچھ ؟

شائستہ :- بالکل غلط ——— بھلا آپ جیسی شریف اور ہمدرد خاتون کے بارے میں ایسے ناپاک خیالات آ سکتے ہیں، میرے دل میں، ؟

انوری :- اگر یہ سچ ہے تو پھر میرے گھر کیوں نہیں چلی چلتیں ؟ ——— وہاں کا پتہ تو ہرگز کسی کو نہیں چلنے کا، !

شائستہ :- آپ کہاں رہتی ہیں ؟

انوری :- جلال پور ہیں،

شائستہ :- وہ کہاں ہے؟

انوری :- بس اگلا اسٹیشن جلال پور ہے، وہاں سے احمد پور تھوڑی ہی دور ہے، اور تانگے بھی جاتے ہیں، بسیں اور موٹریں بھی، اور ریل بھی،

شائستہ :- پھر تو وہاں سے احمد پور جانے میں بڑی سہولت ہے؟

انوری :- بہت زیادہ بیٹی، کھانا جلال پور میں کھاؤ، پانی احمد پور میں پیو،

شائستہ ہنسنے لگی،

انوری :- ایسا کرو، تم میرے ساتھ چلی چلو، کل ہی صبح میں حمید کو احمد پور بھیج دوں گی،

شائستہ :- یہ وہاں جاکر کیا کریں گے؟

انوری :- یہ وہاں جاکر منیر میاں کی خیریت دریافت کر آئے گا،!

شائستہ پھر ہنسنے لگی،

انوری :- یہ خود پولیس میں ہے، پولیس والے اس کے دوست ہیں، اور پولیس والوں کا یہ قاعدہ ہے کہ ایک دوسرے کا بہت لحاظ کرتے ہیں،

شائستہ :- یہ تو ہونا ہی چاہیئے،

انوری :- یہ کہہ سنکر معاملہ ختم کردیں گے، نہ منیر میاں گرفتار ہوں گے، نہ تمہارا پتہ چلے گا، نہ منشی جی اور امجدی بیگم کے کئے کچھ ہو سکے گا، پھر اطمینان سے منیر میاں کے گھر چلی جانا، پھر کسی کو شبہ بھی نہیں ہوگا کہ تم وہاں پناہ گزیں ہو،

شائستہ:۔ (خوش ہو کر) تدبیر تو بڑی معقول ہے،!

انوری:۔ تو پھر چلتی ہو ہمارے ساتھ ؟

شائستہ:۔ جیسا کہیئے،

انوری:۔ بس تو بیٹی یہی ٹھیک ہے،

شائستہ:۔ میں نے تو اپنی قسمت آپ کے حوالہ کر دی ہے ——— جو آپ کہیں گی، وہی کروں گی،!

انوری:۔ پھر انشاء اللہ دیکھ لو گی وہ کیسی جگہ ہے،

شائستہ:۔ آپ کے گھر میں کتنے آدمی ہیں ——— ؟ میرا مطلب یہ ہے کہ مرد کتنے ہیں ؟

انوری:۔ یہ کیوں پوچھ رہی ہو ؟

شائستہ:۔ ایسا نہ ہو میری وجہ سے انہیں یا اُن کی وجہ سے مجھے تکلیف ہو مجھے تو خیر اپنی تکلیف کی پرواہ نہیں ——— بس اس لئے پوچھتی تھی یہ بات،!

انوری:۔ میں تمہارے اس سوال سے خوش ہوئی، ایک شریف لڑکی کے دل میں یہ خیال آنا چاہیئے تھا،

شائستہ:۔ تو بتایئے پھر،

انوری:۔ بتاؤں کیا بیٹی؟ ——— میں ٹھہری بیوہ (آنکھوں میں آنسو آگئے) نہ کوئی آل نہ اولاد، ایک لڑکی تھی، وہ پچھلے سال گذر گئی، خدا کی قسم بالکل تیری ہم شکل، ایک حمید کی بیوی ہے، دو اس کی بہنیں

خود حمید، اللہ، اللہ خیر صلا، چاہے اسے میرا بیٹا سمجھ لو، چاہے بھائی، میرے اشاروں پر چلتا ہے، خدا ایسا سعادت مند بھائی دنیا کو دے،

اتنے میں جلال پور آگیا، حمید نے جلدی جلدی اپنا اور انوری کا سامان سنبھالا، گاڑی جیسے ہی رکی، انوری نے شائستہ کا ہاتھ پکڑ کر کہا،

"آؤ بیٹی، !" ——— آج گاڑی کچھ لیٹ پہنچی، صبح ہو گئی!

---

(۱۵)

"خانۂ انوری......"!

شائستہ انوری بیگم اور حمید کے ساتھ اسٹیشن سے باہر آئی، انوری بیگم برقعہ میں ملبوس تھیں، شائستہ چادر میں ملفوف، بہت سے اکّے، تانگے کھڑے تھے، ایک درخت کے نیچے ٹمکرم بھی تھی، حمید نے اشارہ سے اُسے بلایا ٹمکرم میں سامان رکھا، انوری اور شائستہ کو بٹھایا، فوراً ٹمکرم تبائے ہوئے پتہ پر روانہ ہوگئی، کوئی آدھ گھنٹہ میں ایک مکان کے سامنے جا کر رکی، انوری شائستہ کا ہاتھ پکڑ کر اندر داخل ہوئی؛

گھر، زیادہ بڑا نہیں تھا، لیکن کوٹھی نما اچھا خوبصورت بنا ہوا تھا، —— —— باہر مردانہ کی طرف ایک چمن تھا، سامنے دالان، پھر ایک ڈرائنگ روم برآمدہ کے دونوں بازوؤں پر ایک ایک کمرہ، بالکل اسی طرح کا نقشہ زنان خانہ کا تھا، وہاں چونکہ ڈرائنگ روم کی ضرورت نہیں سمجھی گئی، اس لئے اتنی جگہ میں تین کمرے بنا لئے گئے،

بازو کے دو کمرے الگ، اس طرح پانچ کمرے ایک اچھا خاصا لمبا چوڑا برآمدہ، سامنے وسیع اور کشادہ صحن پکی اینٹوں کی بلند دیوار سے گھرا ہوا صحن ہی میں ایک طرف باورچیخانہ، غسل خانہ، اور پاخانہ تھا، گھر کی صفائی بتاتی تھی یہاں کے رہنے والے سلیقہ مند لوگ ہیں، برآمدے کے دروں میں بہت سے گملے رکھے تھے اور ان میں خوبصورت اور طرحدار پھولوں کے پودے لگے تھے،

گھر کے اس نقشہ کا شائستہ کے دل پر اچھا اثر پڑا، اتنے میں اس نے دیکھا کہ تین نوجوان اور خوبصورت، ماہ وش اور نازنین دوشیزائیں ایک کمرہ سے نکلیں، اور انوری کو جھک کر تعلیمات و آداب بجا لائیں، انوری نے تمکنت اور وقار کے ساتھ دعا دی،

"جیتی رہو!"

پھر شفقت سے ان کے سر پر ہاتھ پھیرا، پھر شائستہ سے ان سب کا تعارف کرایا، ایک کی طرف اشارہ کر کے کہا،

"یہ ہے ثروت، ہمارے حمید کی بیوی، ابھی سال بھر ہوا ہے شادی کو بڑی شرمیلی ہے، لیکن تم سے بے تکلف ہو جائے گی تو پریشان بھی بہت کرے گی،!"

ثروت، اپنی تعریف زیر لب تبسم کے ساتھ کھڑی سنتی رہی،

پھر انوری بیگم نے دوسری کی طرف اشارہ کیا،

"یہ ہے طلعت، ثروت کی چھوٹی بہن، ماشاءاللہ بڑی ذہین اور طرار

لڑکی ہے، کالج میں پڑھتی ہے، گانا تو اتنا اچھا گاتی ہے کہ سنو گی تو وجد کرنے لگو گی، اللہ قسم، !

طلعت بھی مسکراتی ہوئی اپنا ذکر خیر سنتی رہی،

پھر وہ تیسری کی طرف اشارہ کرتی ہوئی گویا ہوئیں،

"یہ ہے نزہت ——— طلعت کی چھوٹی بہن، اس سال انٹرنس کا امتحان پاس کر کے ایف اے میں داخل ہوئی ہے، کتابوں کا تو یہ کیڑا ہے، اسے لطیفے بہت یاد ہیں، ہنساتے ہنساتے پیٹ میں بل ڈال دیگی تمہارے، !"

نزہت بھی مسکرا مسکرا کر، اپنی شان میں یہ قصیدہ سنتی رہی،

پھر انہوں نے، بیک وقت تینوں ——— ثروت، طلعت، اور نزہت سے مخاطب ہو کر فرمایا،

"یہ ہے میری بچی شائستہ ——— تم تینوں کو اپنے حسن و جمال پر بڑا ناز ہے، پہروں آئینہ کے سامنے کھڑی اپنا دیدار کرتی رہتی ہو لیکن برا مانو چاہے بھلا، میری بچی کے پاؤں کی خاک ہو تم سب، !

وہ تینوں کھلکھلا کر ہنس پڑیں شائستہ شرما گئی،

اتنے میں حمید آ گیا، حمید کو دیکھ کر شائستہ ذرا کسمسائی، انوری نے اس کا منہ اپنے ہاتھ میں لے کر کہا،

"بیٹی، یہ نہیں چلنے کا، تم میری بیٹی ہو، پھر حمید کچھ غیر تو ہے نہیں نہ اس سے پردہ کی ضرورت ہے، نہ احتیاط کی، بھلا اپنوں میں کہیں اس طرح

کی باتیں ہوتی ہیں، ؟"

یہ دلائل شائستہ کی سمجھ میں آگئے، اور وہ مسکرانے لگی،

پھر انوری بیگم ثروت وغیرہ سے کہا،

"جاؤ، میری بچی کو اپنے ساتھ لے جاؤ اسے نہلاؤ دھلاؤ، سفر کی تکان سے چور چور ہو گئی ہے بیچاری!"

اس کے بعد حمید سے مخاطب ہو کر فرمایا،

"وہ کونے والا کمرہ شائستہ کے لئے صاف کر دو جلدی سے!"

پھر انہوں نے طلعت سے فرمایا،

"شبراتن سے کہو ناشتہ جلدی سے تیار کرے!"

انوری کے انداز گفتگو میں کسی قسم کا تحکم نہیں تھا، سختی نہیں تھی، غرور نہیں تھا، لیکن اس کے منہ سے آواز نکلی اور تعمیل ہوئی، اطاعت کا یہ جذبہ شائستہ نے اپنی زندگی میں کبھی اور کہیں نہیں دیکھا تھا،

ثروت اور نزہت نے شائستہ کو جلدی جلدی نہلا دھلا کر، اس طرح اس کا بناؤ سنگار کیا، جیسے کوئی دلہن بنائی سنواری جاتی ہے، وہ لاکھ نہیں نہیں کرتی رہی، لیکن ریشم کا نہایت قیمتی لباس اسے پہنایا گیا، کنگھی چوٹی کی گئی، غازہ اور کاجل لگایا گیا۔ اور نک سک سے درست کر کے قد آدم آئینہ کے سامنے لا کر کھڑا کر دیا گیا، نزہت نے مسکراتے ہوئے کہا،

"ذرا پہچانئے تو اپنے آپ کو؛ کیا آپ وہی ہیں جو ابھی تھوڑی دیر پہلے تھیں؟"

واقعی شائستہ اپنے آپ کو دیکھ کر دنگ رہ گئی، یہ حسن، یہ پھبن، یہ جمال، یہ شان، یہ وقار، یہ تمکنت، یہ رنگ روپ، یہ بڑی بڑی بادام کی سی آنکھیں یہ لمبی لمبی سانپ کی طرح بل کھاتی ہوئی زلفیں، یہ گلاب کے پھول کی طرح تروتازہ چہرہ، یہ پنکھڑی کی طرح نرم ونازک ہونٹ، یہ سانچے میں ڈھلے ہوئے بازو، پنڈلیاں، گردن، ——— یہ کون ہے ؟ کیا میں ہوں شائستہ ؟ ——— ؟ نہیں یہ کوئی اور ہے، یہ انوری بیگم جادوگرنی ہے، اس نے مجھے کیا سے کیا بنا دیا ؟

شائستہ قدآدم آئینہ کے سامنے کھڑی پیکر حیرت بنی، اپنا نظارہ محویت اور استغراق کے عالم میں کر رہی تھی کہ انوری بیگم تشریف لے آئیں، آتے ہی انہوں نے چٹاچٹ شائستہ کی بلائیں لیں، ثروت سے منہ بنا کر کہا،

"کیوں اس طرح گھور رہی ہو میری شہزادی کو کیا نظر لگاؤ گی !، اے میں قربان، !

یہ کہہ کر بے ساختہ انہوں نے شائستہ کا منہ چوم لیا، وہ شرما کر پیچھے ہٹی، انوری نے بڑھ کر اسے سینہ سے لگا لیا، اور کہا،

"میری بچی،

نزہت بولی،

"میں نے ان سے کہا تھا، ذرا اپنے آپ کو پہچاننے کی تو کوشش کیجئے واقعی یہ بالکل نئی ہو گئی ہیں، !"

انوری بیگم نے بڑے فخر کے ساتھ کہا،

بادلوں کی اوٹ سے چاند باہر نکل آئے تو کیا وہ بدل جاتا ہے کچھ؟"

"اے حمید، او حمید، ! ——————

حمید دوڑتا ہوا کمرہ میں آگیا، انوری نے کہا،

"پہچان یہ کون ہے! ؟"

شائستہ کی سج دھج دیکھ کر حمید کے اوسان بھی خطا ہو گئے، وہ ٹکٹکی لگا کر اُسے دیکھنے لگا، انوری نے تقاضا کیا،

"بتاتا کیوں نہیں، ؟ —————— بول یہ کون ہے، ؟

حمید مسکرایا،

"جنّت کی حور، پرستان کی پری ——————!

انوری بیگم نے محبت بھری نظروں سے شائستہ کو دیکھتے ہوئے فرمایا،

"ہاں تو سچ کہتا ہے، واقعی یہ جنّت کی حور اور آسمان کی پری ہے! خدا اسے نظر بد سے بچائے (دس روپے کا ایک نوٹ دیتے ہوئے) جا، اسے فقیروں میں تقسیم کر دے!

حمید نے نوٹ جیب میں رکھ لیا، انوری نے کہا،

"میں نے کیا کہا تھا تجھ سے ؟"

حمید نے جواب دیا،

تعمیل ہو گئی وہ نوٹ ایک فقیر ہی کی جیب میں ہے!

انوری ہنسنے لگی،

اے چل ہٹ —————— شریر کہیں کا، میرے بھیّا اسے تقسیم کر دو!

ثروت، طلعت، نزہت سب میری بچی کو گھورے جا رہی ہیں، اور جھوٹ کیوں بولوں خود میرا بھی یہی حال ہے، تو نہیں جانتا نظر بر حق ہے، میری شہزادی کو کہیں کسی کی نظر نہ لگ جائے، جا ابھی تقسیم کر دے جا کر یہ روپیہ

حمید مسکراتا ہوا چلا گیا، اتنے میں شبراتن حاضر ہوئی،

"ناشتہ چن دیا گیا، دستر خوان پر!"

انوری نے شائستہ کا ہاتھ پکڑ کر کمرہ سے نکلتے ہوئے کہا،

"آؤ بچیو ناشتہ کرلو، ہم تو رات کے فاقہ سے ہیں،!"

---

(۱۶)

"نشاطِ باغ"

شائستہ کی اس گھر میں ایسی آؤ بھگت ہوئی، اور چند روز میں اُسے اتنا آرام ملا کہ وہ اپنی ساری کلفتیں اور تکلیفیں مصیبتیں اور پریشانیاں بھول گئی، انوری اس کی نظر میں فرشتۂ رحمت تھی، جو اس نے کہا تھا کر دکھایا، واقعی ایک ماں بھی اس سے بڑھ کر کیا کرے گی، وقت پر اچھے سے اچھا ناشتہ، عمدہ سے عمدہ کھانا، اس کے علاوہ ایک سے ایک کپڑا، ہر قسم کا سامانِ آرائش، نہایت شاندار مسہری، بستر، پردے، چادر، کمبل، رضائی، لحاف، تو شک، قالین، دری، سب چیزیں بالکل نئی، نہ خرچ ہوا ہوگا، ان چیزوں پر تو ڈیڑھ دو ہزار روپیہ خرچ ہو گیا ہوگا، شائستہ کو حیرت تھی کہ انوری بیگم کے پاس اتنا سارا روپیہ کہاں سے آیا؟ اور اس طرح دل کھول کر وہ کیوں صرف کر رہی ہیں؛ لیکن ان کا اخلاق، ان کی محبت، ان کی شفقت دیکھ کر، دل کی بات زبان تک لانے کی ہمت نہیں پڑتی تھی،

لیکن ایک چیز تھی، جو شائستہ کو دوسرے ہی دن سے کھٹکنے لگی تھی
وہ تھی اس گھر کی کیفیت۔ یہاں کا پُراسرار ماحول، شبراتن سے لے کر
نزہت تک، سب ایک ہی رنگ میں رنگے ہوئے تھے، دوسرے
سے سب کچھ پوچھ لینے کی کوشش کریں گے، اپنی ایک بات بھی نہیں
بتائیں گے، پھر اسے یہ بات بھی حیران کرتی تھی، کہ حمید پولیس کا کیسا ملازم
ہے کہ دن دن بھر گھر میں، یا باہر مردانے میں اپنے چند مخصوص دوستوں
کے ساتھ بیٹھا تاش کھیلتا رہتا ہے، مگر ملازمت پر کسی وقت نہیں جاتا،
نہ دن کو نہ رات کو، وردی بھی کسی وقت پہنے نظر نہیں آتا، اور یہ انوری
بیگم، خود ایک معمہ تھیں، شائستہ کے ساتھ تو ان کا برتاؤ واقعی مہر و محبت
کا تھا، لیکن ثروت، طلعت، نزہت، سب ان سے بید لرزاں کی طرح کانپتی
تھیں، اگرچہ بظاہر کسی پر نہ وہ سختی کرتی تھیں، نہ سرزنش، نہ ڈانٹ
ڈپٹ، گھر کا ملازم فیضو بہت معمولی حیثیت کا آدمی تھا، اوپر دری کا
کام کرنے پر نوکر تھا تنخواہ بھی بیس روپے سے زیادہ نہیں تھی، لیکن سارے
گھر پر حاوی تھا، حد یہ ہے کہ حمید میاں تک اس سے بچتے تھے، ثروت
اور طلعت، اور نزہت تک بھی اس کا بہت مان رکھتی تھیں، بس اگر وہ کسی سے
ڈرتا تھا تو انوری بیگم سے، وہ بھی اس وقت جب وہ غصہ میں ہوں
ورنہ انہیں بھی چٹکیوں میں اڑا دیتا تھا، طلعت اور نزہت کے بارے
میں انوری نے کہا تھا، یہ کالج میں پڑھتی ہیں، لیکن اس ایک ہفتہ کی
مدت میں ایک دن بھی ان میں سے کوئی کالج نہیں گیا، ہاں، رات

کو دونوں کے ماسٹر ضرور آتے تھے، لیکن یہ ماسٹر بھی عجیب تھے، کسی دن آئے کسی دن غائب، اور ہر ماسٹر نیا، یعنی آج جو ماسٹر آیا ہے، کل وہ نہیں کوئی دوسرا آئے گا، اور ان ماسٹروں کے اوقات بھی عجیب تھے، ہمیشہ رات کو نو دس بجے آئیں گے، اخلاق اور تپاک کی اس گھر میں کوئی کمی نہ تھی، لیکن دہشت کا یہ عالم تھا کہ طلعت اور نزہت تک آپس میں باتیں نہیں کر سکتی تھیں،

آج صبح سے شائستہ کے سر میں درد تھا، پھر حرارت بھی ہو گئی، بدن ٹوٹ رہا تھا، اور طبیعت بے کل تھی، اتنے میں حمید گھبرایا ہوا آیا اور انوری بیگم سے کہنے لگا،

"وہ آئے ہیں نواب صاحب!"

انوری بیگم کا چہرہ پھول کی طرح کھل اٹھا،

"شہزادہ کیوں نہیں کہتا؟ وہ تو میرا شہزادہ ہے! میرا بیٹا!"

اتنے میں زرق برق لباس میں ملبوس ایک صاحب تشریف لائے، چھریرے بشرے، وضع قطع، روش خروش واقعی کوئی رئیس زادے معلوم ہوتے تھے ان کی بڑی بڑی گھنی مونچھیں دیکھ کر شائستہ گھبرا گئی، لیکن ایک معزز مہمان آیا تھا، اس کی پذیرائی اور پیشوائی کے لئے سب کی طرح اسے بھی اٹھنا پڑا،

نواب صاحب نے گھور کر شائستہ کی طرف دیکھا، اور پوچھا،

یہ کون ذاتِ شریف ہیں اس سے قبل تو کبھی ان کی زیارت نہیں

ہوتی تھی ؟"

یہ کہہ کر انہوں نے ایک فلک شگاف قہقہہ لگایا، سب ان کے ساتھ ہنسنے لگے، انوری سے لے کر، نزہت تک سب، گویا ان کا فرض تھا کہ نواب صاحب کو اکیلا نہ ہنسنے دیں، ان کا ساتھ دیں، شائستہ کو اس بھونڈی حرکت پر بہت غصہ آیا، لیکن تہذیب اور لحاظ بھی تو کوئی چیز ہے، خاموش ہوگئی آنکھیں جھکائے کھڑی رہی، انہوں نے شائستہ سے کہا،

"بیٹی، میری شہزادی، کھڑی کیوں ہے، بیٹھ جا!"

وہ بیٹھ گئی، نواب صاحب نے فقرہ سر کیا،

"اوہو یہ ہیں آپ کی شہزادی صاحبہ، جن کا اتنا چرچا تھا، ؟

انوری بیگم نے کہا،

"ہاں یہ ہے میرا کلیجہ، میری شاہزادی!

نواب صاحب نے پھر ایک نظر شائستہ پر ڈالی، ان آنکھوں میں شائستہ کو ہوس ناچتی ہوئی نظر آئی، وہ کسی اور طرف دیکھنے لگی، نواب صاحب نے انوری سے کہا،

"آج ہم پکنک کا پروگرام بنا کر آئے ہیں، آپ سب کو چلنا پڑے گا، ——————— !"

انوری نے آمادگی کے ساتھ کہا،

"ہاں ضرور چلیں گے ہم سب، !"

نواب صاحب نے فرمایا،

"اور آپ کی یہ شاہزادی صاحبہ؟ یہ تو اس طرح اٹوائی کھٹوائی لئے پڑی ہیں جیسے خفا ہیں، !"

انوری نے صفائی دی،

"وہ کیوں خفا ہوتی؟ اے واہ!"

نواب صاحب نے پوچھا،

"پھر چپ چپ کیوں ہیں؟"

انوری بولی،

تو کیا بغیر جان پہچان پٹاخہ کی طرح چٹخنا شروع کردے ——— ؟

نواب صاحب نے فرمایا،

یہ کیا جرم ہے؟"

انوری نے شائستہ کو محبت بھری نظروں سے گھورتے ہوئے کہا،

"شریف بہو بیٹیاں ایسا نہیں کرتیں، !"

حمید نے قطع کلام کرتے ہوئے نواب صاحب سے مخاطب ہوتے کہا،

"کہاں کا ارادہ ہے آج؟"

وہ گویا ہوئے،

"وہ ہے نا ہمارا" نشاط باغ" وہیں کا ارادہ ہے، بارہ دری میں پکوان پک رہا ہے، قلمی اور تخمی آم برف سے لگے رکھے ہیں، گراموفون بھی موجود ہے، اور نئی فلموں کے تمام ریکارڈ بھی شطرنج تاش، اور چوسر کی بازی کھیلتا ہو تو اس کا بھی بندوبست ہے، !"

حمید نے کہا،

"پھر تو مزے ہیں، !"

نواب صاحب نے فرمایا۔

"تو چلو، دیر ہو گی، تو سارا مزا کرکرا ہو جائے گا، !"

انوری اٹھ کھڑی ہوئی،

"چلو لڑکیو، !

ذرا دیر میں ثروت، طلعت اور نزاہت تیار ہو کر آ گئیں، انوری نے تیوری چڑھا کر ثروت کی طرف دیکھا اور کہا،

"شائستہ یہاں اکیلی مکھیاں مارے گی ؟ اسے بھی تیار کرو، !"

شائستہ کا جی چاہا کہ" علالت کا عذر کر کے جانے سے انکار کر دے لیکن انوری نے کچھ ایسے تیور سے کہا تھا کہ ہمت نہ پڑی، ثروت نے جلدی جلدی اُسے بھی دلہن بنا دیا، نواب صاحب کی اسٹیشن ویگن کھڑی تھی، سب لوگ اس میں جا کر بیٹھ گئے، نواب صاحب خود ڈرائیو کرتے ہوئے، ذرا دیر میں یہ قافلہ "نشاط باغ" پہنچ گیا، واقعی یہ نشاط باغ تھا، کیسا ہی مردہ دل ہو، یہاں آ کر ممکن نہیں کہ طبیعت شگفتہ نہ ہو جائے افسردگی دور نہ ہو جائے، طبیعت میں لہریں نہ اُٹھنے لگیں، اُمنگ نہ پیدا ہونے لگے،

باغ بھی بہت بڑا تھا، اور بارہ دری بھی بڑی خوب صورت تھی، سنگِ مرمر کی سفید بارہ دری ہرے ہرے درختوں کے بیچ میں عجب بہار

دکھا رہی تھی، یہاں کا ساز و سامان اور ٹھاٹھ دیکھ کر قائل ہو جانا پڑتا تھا کہ نواب صاحب واقعی بہت بڑے نواب ہیں، یہاں آتے ہی زندہ دلی اور تفریح و نشاط کا سلسلہ شروع ہو گیا، ہنسی، قہقہے، چہچہے ٹھٹھولیاں، چھیڑ چھاڑ، نغمہ و موسیقی، رقص و سرود، لطیفے، چٹکیاں، گدگدیاں، چوٹیں، تعریض طنز، نوک جھونک شائستہ کو حیرت تھی، وہی ثروت جو انوری کے سامنے لب کشائی کی جرأت نہیں کرتی تھی، اس وقت کتنی بے تکلف اور بے حجاب باتیں کر رہی تھی، نواب صاحب سے طلعت جو انوری کے روبرو آنکھ اٹھانے کی ہمت سے محروم تھی، آج نواب صاحب سے یوں شوخ انداز اور شوخ لب و لہجہ میں چھیڑ چھاڑ کر رہی تھی، جیسے ان دونوں میں بڑا پرانا یارانہ ہو، اور تو اور نزہت جو کم عمر بھی تھی، اور گم گو بھی پٹاخہ کی طرح چٹخ رہی تھی، انوری بیگم تنگ کر اس کی بے ساختہ باتوں پر ہنسی روکنے کے لئے بار بار منہ پر ہاتھ رکھنا پڑتا تھا، نواب صاحب سب سے اس طرح گھل مل کر باتیں کر رہے تھے، جیسے وہ اس کنبہ کے ایک فرد ہوں، نہ کسی قسم کی غیریت، نہ اجنبیت، نہ تکلف، نہ حجاب، اس تغیر احوال پر دل ہی دل میں شائستہ حیران ہو رہی تھی کہ آخر یہ ماجرا کیا ہے؟

تھوڑی دیر میں ثروت اٹھی، انور نے پوچھا،

"کہاں چلیں؟"

وہ کمر کو بل دیتی ہوئی بولی،

"جھولا جھولیں گے ہم تو!"

انوری مسکرانے لگی، اور ثروت بادِ نسیم کی طرح، خراماں خراماں کمرہ سے باہر نکل گئی، اس کے جاتے ہی طلعت اُٹھی، کہنے لگی،

"ہم بھی چلے!"

اور انوری کا جواب سُنے بغیر وہ بھی چلی گئی، اب بھلا نزہت اکیلی کیوں بیٹھتی؟ وہ بھی اُٹھ کھڑی ہوئی،

"ابھی آتی ہوں آپا!"

اور غائب،

انوری نے نواب صاحب سے کہا،

"بڑی تیز لڑکیاں ہیں!"

نواب صاحب نے فرمایا،

"صرف تیز ہی نہیں طرّار بھی، !"

انوری نے ذرا بگڑ کر کہا،

"اونھ، تم تو سب میں کیڑے نکالا کرتے ہو!"

وہ بولے،

غلط — یہ آپ کی شہزادی دِشائستہ، صاحبہ یونان کے کسی خوب صورت مجسمہ کی طرح خاموش بیٹھی ہیں، انہیں تو میں تیز طرّار نہیں کہتا، ان کے بارے میں تو کوئی بدتمیزی میں نے نہیں کی، ؟"

انوری بیگم نے اٹھلاتے ہوئے کہا،

"ہوش میں ہو کچھ ؟ — میری شہزادی کے بارے میں

کچھ کہہ کر سلامت رہ سکو گے؟ گلا گھونٹ دوں گی؟

یہ کہہ کر کھلکھلا کر ہنس پڑیں،

شائستہ ایک دیوان پر لیٹی ہوئی تھی، وہ انوری کا اشارہ پا کر چلی تو آئی تھی، لیکن سر ابتک درد کر رہا تھا، اور ہلکا سا بخار بھی تھا، پھر یہاں آکر نواب صاحب دوسروں کے جو طور طریقے اس نے دیکھے اس سے طبیعت اور بدمزہ ہو گئی ——— وہ چپ چاپ لیٹی تھی، انوری اور نواب صاحب میں دلچسپ اور پُرلطف ہو رہی تھیں باتیں ایسے لوگوں کے بارے میں تھیں، جنہیں وہ بالکل نہیں جانتی تھی، لہٰذا ان غیر متعلق باتوں سے اس کا دل اور اوبھ رہا تھا، باتیں کرتے کرتے یکایک نواب صاحب اُٹھے،

"ارے میرا سگریٹ کیس؟ ——— شاید موٹر ہی میں رہ گیا ——— ابھی آیا!"

ان کے تشریف لے جانے کے بعد انوری بیگم بھی جمائیاں لیتی ہوئی اٹھیں، کہنے لگیں،

بیٹی تو کچھ دیر آرام کرلے، میں ذرا دیکھوں جاکر، پکوان، اور کھانے والے کا کیا بندوبست ہو رہا ہے، بھوک تو لگی ہوگی تجھے؟"

وہ کروٹ لیتی ہوئی بولی،

"جی نہیں، بالکل نہیں!!"

انوری بیگم اُٹھ کھڑی ہوئیں،

"اچھا میں ابھی آئی، ——— طبیعت تو نہیں گھبرائے گی، تیری اکیلے لیٹے ہوئے؟ بھیج دوں کسی کو؟"

شائستہ نے جواب دیا،

"طبیعت کیوں گھبرانے لگی؟ کسی کو نہ بھیجئے، میں آرام سے ہوں!"

انوری بیگم چلی گئیں، اور شائستہ پھر غور کرنے لگی، یہ کون لوگ ہیں؟ کس قماش کے لوگ ہیں؟ ان کے طور طریقے کے بارے میں کیسا رائے قائم کی جاسکتی ہے؟ دفعتہً اس نے دیکھا کہ سگریٹ کے کش لگاتے ہوئے نواب صاحب تشریف لا رہے ہیں، انہیں آتا دیکھ کر شائستہ اُٹھ کر بیٹھ گئی، نواب صاحب قریب کی کرسی پر متمکن ہو گئے،

نواب صاحب:- کیا وہ گئیں؟

شائستہ:- جی ہاں کھانے کا بندوبست کرنے گئی ہیں؟

نواب صاحب:- بھوک تو آپ کو بھی بہت لگی ہو گی، کافی دیر ہو گئی، !!؟

شائستہ:- جی نہیں، بالکل نہیں،

نواب صاحب:- جی نہیں کا کیا مطلب؟ ——— کیا آپ کو کھانے پینے سے کوئی دلچسپی نہیں ہے؟

شائستہ:- جی نہیں؛

نواب صاحب:- بہت خوب، ——— آپ سے مل کر طبیعت بہت خوش ہوئی، آپ کو دیکھ کر آنکھوں میں ٹھنڈک اور دل میں سرور

کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے نہ جانے کیوں؟ کیا آپ بتا سکتی ہیں،
———۔کیوں؟ کیوں ہوتا ہے ایسا؟

شائستہ :- جی نہیں!

نواب صاحب :- آپ تو ہر بات کا جواب "جی نہیں" سے دیتی ہیں، یہ کون سی ادا ہوئی؟

شائستہ :- کیا آپ کو کھانے پینے سے کوئی دلچسپی نہیں ہے؟

نواب صاحب :- کیوں نہیں؛ ضرور ہے، کھانے سے کم پینے سے زیادہ،
(قہقہہ)

شائستہ :- بہت خوب،

نواب صاحب :- میں تو ایسا محسوس کرتا ہوں جیسے اس وقت جنت میں بیٹھا ہوں،

شائستہ :- واقعی اس باغ کا منظر بہت اچھا ہے

نواب صاحب :- اجی چھوڑیئے باغ اور بارہ دری کو، یہ مقام جنت کا ٹکڑا تو آپ کی وجہ سے معلوم ہو رہا ہے،

یہ بے تکلفانہ باتیں شائستہ کو بہت گراں گزریں، اس کا جی چاہا، اٹھ کر چلی جائے، لیکن کہاں؟ اس کا جی چاہا، نواب صاحب کو رخصت دے لیکن کیونکر؟ اس کا جی چاہا، کوئی سخت اور درشت جواب دے کر انہیں خاموش کر دے، لیکن انوری بیگم؟ انہیں کیا جواب دے گی؟ اور پھر بھلا میزبان کی اس کے گھر میں توہین کی جاتی ہے کہیں؟ وہ

چپ رہی،

نواب صاحب :- کچھ بولئے، باتیں کیجئے، آپ نے تو چپ کا روزہ رکھ لیا ہے جیسے؛

شائستہ :- آپ تو کر رہے ہیں باتیں، بڑی دلچسپی سے سن رہی ہوں انہیں،

نواب صاحب :- زہے قسمت،

شائستہ :- میں شرمندہ ہوں کہ میں نے آ کر آپ کی محفل سونی کر دی،

نواب صاحب :- یہ کیوں خیال آیا آپ کو؛

شائستہ :- میں یہاں پڑی ہوں، آپ بھی ازراہ اخلاق یہاں بیٹھے ہیں اور باہر کی رنگ رلیوں میں حصّہ نہیں لیتے حالانکہ جھولے کے جھونٹے اور ملہار کی آوازیں یہاں تک آ رہی ہے۔

نواب صاحب :- تو کیا آپ کا مطلب یہ ہے کہ چلا جاؤں؟

شائستہ :- یہ میں کیسے کہہ سکتی ہوں، بدتمیزی کی بات ہے،

نواب صاحب :- ورنہ آپ کا جی تو یہ چاہتا ہے کہ میں بارہ دری سے باہر جا کر رنگ رلیوں میں حصّہ لوں؟

شائستہ :- اس کے جواب میں تو میں "جی نہیں" نہیں کہہ سکتی،

نواب صاحب :- (ہنستے ہوئے) بڑی حاضر جواب ہیں آپ،

شائستہ :- شکریہ، نوازش،

نواب صاحب :- آپ جانتی ہیں یہ اہتمام کس لئے ہے ؛ یہ رنگ رلیاں کیوں ہیں ؛ یہ باغ کا ویرانہ آج کیوں آباد ہے ؛ کیوں یہ رونق نظر آرہی ہے ؛

شائستہ :- (مسکرا کر) ایک مرتبہ پھر مجھے "جی نہیں" کہنا پڑے گا ، !

نواب صاحب :- بتاؤں ؛ اجازت ہے ؛

شائستہ :- ضرور بتائیے ، اجازت کا کیا سوال ؛

نواب صاحب :- یہ سب کچھ آپ کے لئے ہے ، بندہ نواز ،

شائستہ :- (سٹ پٹا کر) کیا کہا آپ نے ؛ میرے لئے کیوں ؛

نواب صاحب :- آپ سے ملنے کا جتنا اچھا موقعہ یہاں ہو سکتا تھا وہاں نہیں ،

شائستہ :- (تیوری چڑھا کر) لیکن مجھ سے ملنے کی ضرورت کیا تھی آپ کو ؛

نواب صاحب :- آہ ——— آپ کو یہ بھی نہیں معلوم ——— ؟

شائستہ :- میں کیا جانوں کسی کے دل کا حال ؛

نواب صاحب :- آپ کی جھلک میں نے تین دن ہوئے جب دیکھی تھی ،

شائستہ :- لیکن میں نے تو آج ہی آپ کو دیکھا ہے ،

نواب صاحب :- یاد کیجئے ، باہر کے باغیچہ میں ، گلاب کے ایک درخت کے پاس ، پرسوں ، شام کو آپ انوری بیگم کے ساتھ کھڑی تھیں ——— ؟

شائستہ :- ہاں یاد آیا ، ٹھیک ہے کھڑی تھی !

نواب صاحب :- انوری بیگم نے ایک پھول توڑ کر آپ کے بالوں میں لگایا تھا ؟

شائستہ :- یہ بھی ٹھیک ہے، ہاں لگایا تھا، مگر ان باتوں سے مطلب کیا ہے آپ کا ؟

نواب صاحب :- پھر شبراتن چنبیلی کے پھولوں کا ایک ہار لائی تھی اور اس نے آپ کے گلے ڈال دیا تھا ؟

شائستہ :- یہ بھی درست ہے، مجھے یاد ہے،

نواب صاحب :- اور اس ہار میں موتی بھی گندھے ہوئے تھے ؟

شائستہ :- (حیرت سے) یہ سب آپ کو کس طرح معلوم ہوا ؟

نواب صاحب :- میں ڈرائنگ روم میں چھپا کھڑا تھا، آپ کے نظارہ میں محو، اور سرمست وہ چنبیلی کا ہار میں نے ہی بھیجا تھا، اور مجھے فخر ہے کہ وہ آپ کے گلے کی زینت بنا،

شائستہ :- (بہت زیادہ پریشان ہو کر) یہ سب کس قسم کی باتیں ہو رہی ہیں، میں نہیں جانتی ؟

نواب صاحب :- یہ محبت کی باتیں ہیں،

شائستہ :- لیکن کیا محبت اسی طرح کی جاتی ہے ؟

نواب صاحب :- پھر کس طرح کی جاتی ہے ؟ ———— اگر کوئی نیا طریقہ آپ کو معلوم ہو تو بتا دیجئے،

شائستہ :- یہ تو میں نہیں جانتی، لیکن اتنا جانتی ہوں، محبت ایک اچھی

نواب صاحب :- ہاں بہت اچھی،

شائستہ :- وہ دل کو پاک بنا دیتی ہے، نظر کو پاک کر دیتی ہے خیالات میں پاکی پیدا کر دیتی ہے۔

نواب صاحب :- ہاں بے شک،

شائستہ :- لیکن آج معلوم ہوا کہ محبت کی یہ تعریف غلط تھی،

نواب صاحب :- یہ کیوں؟ یہ کیسے جناب؟

شائستہ :- آپ کی باتیں سُنکر،

نواب صاحب :- (ذرا برہمی کے ساتھ) آپ مجھے بدتمیز اور بیہودہ سمجھتی ہیں؟

شائستہ :- اتنی جرأت کہاں سے لا سکتی ہوں نواب صاحب،

نواب صاحب :- پھر ———— پھر؟

شائستہ :- ذرا غور تو فرمائیے، اگر آپ پسِ پردہ میرا مطلب ہے، کسی ڈرائنگ روم کی آڑ میں کھڑے ہو کر یہ دیکھئے کہ ایک لڑکی سے ایک ایسا آدمی جو اس سے پہلے کبھی نہیں ملا، بے محابا اور بے حجاب اظہارِ عشق کر رہا ہے، تو اس کے بارے میں کیا رائے قائم کرتے؟

نواب صاحب :- (پہلو بدلتے ہوئے) کیا مطلب؟ میں آپ کا مقصد نہیں سمجھا،

شائستہ :- بات تو بالکل صاف ہے،

نواب صاحب :- میں ذرا کج فہم ہوں، تھوڑی سی وضاحت کر دیجئے،

شائستہ :۔ نہیں ـــــــــ جو کچھ ہیں کہہ چکی اس سے زیادہ نہیں کہہ سکتی ،

نواب صاحب :۔ مجھے افسوس ہے کہ آپ کے قلبِ نازک کو میں نے تکلیف پہنچائی ،

شائستہ :۔ میں آپ کی شکر گزار ہوں کہ اظہار افسوس کر کے آپ نے میری ذہنی تکلیف دور کر دی ،

نواب صاحب : شاید میں غلط فہمی میں مبتلا ہو گیا تھا ، حالانکہ آج تک کبھی ایسا نہیں ہوا کہ مجھے غلط فہمی ہوئی ہو ،

شائستہ :۔ غلط فہمی کیسی ؟

نواب صاحب :۔ میرا خیال تھا آپ بھی ثروت اور طلعت و نزہت کی طرح ہوں گی ،

شائستہ :۔ ان لوگوں کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے ؟

نواب صاحب :۔ جو آپ کے بارے میں تھی ـــــــــ مگر اب نہیں ہے ؟

شائستہ :۔ مجھے تو ان بیچاریوں میں کوئی عیب نظر نہیں آتا ، یوں شوخی اور شرارت کی بات اور ہے ، پھر آپ سے پرانی میل ملت ہے بلکہ انوری بیگم کی باتوں سے تو میں یہ سمجھتی تھی کہ شاید عزیزداری بھی ہے آپ سے ، !

نواب صاحب :۔ (قدرے تلخی کے ساتھ) اچھا اب یہ قصہ ختم کیجئے ،

شائستہ خاموش ہوگئی ، !

تھوڑی دیر تک اس مختصر سی محفل پر سناٹا چھایا رہا، نواب صاحب بھی چپ ، اور شائستہ بھی خاموش، پھر نواب صاحب نے سلسلۂ کلام کا آغاز فرمایا ، انہوں نے کہا ،

"کیا ایک بات عرض کر سکتا ہوں ؟"

شائستہ :- شوق سے فرمائیے ،

نواب صاحب :- کیا آپ میری ایک بات مان لیں گی ———— ؟

شائستہ :- فرمائیے تو ،

نواب صاحب :- (جیب سے کوئی چیز نکالتے ہوئے) یہ قبول کر لیجئے ،

شائستہ :- کیا چیز ہے یہ ؟

نواب صاحب :- ایک حقیر سا نذرانہ ،

شائستہ :- کچھ معلوم بھی تو ہو کیا ہے یہ ؟

نواب صاحب :- دیکھ لیجئے ————

شائستہ نے دیکھا تو ایک قیمتی طلائی ہار تھا ، ایک بہت بیش قیمت طلائی گھڑی تھی ، ایک انگوٹھی تھی ، جس میں ہیرے کا نگ جگمگ جگمگ کر رہا تھا ، ان چیزوں پر شائستہ نے ایک نگاہ غلط انداز ڈالی اور کہا

آپ کی بہت شکر گزار ہوں کہ آپ نے مجھے اس قابل سمجھا ، لیکن میں کسی طرح بھی ان چیزوں کی مستحق نہیں ہوں انہیں رکھ لیجئے ،

نواب صاحب :- (افسردہ ہو کر) آپ نے میرا تحفہ ٹھکرا دیا ، مجھے

ذلیل کیا،

شائستہ:- ایسا نہ کہئے، میں خود ایک ذلیل چھوکری ہوں، آپ جیسے والا مقام شخص کو کس طرح ذلیل کر سکتی ہوں، ؟

نواب صاحب:- آپ کو اس تحفہ کے قبول کرنے میں آخر تامل کیوں ہے؟

شائستہ:- اس لئے کہ سمجھ میں نہیں آتا کیوں قبول کروں ؟

نواب صاحب:- کیا یہ کافی نہیں ہے کہ میں پیش کر رہا ہوں ؟

شائستہ:- لیکن کیوں؟ کس سلسلہ میں؟ کس بنا پر ؟

نواب صاحب:- کیا اب بھی آپ کو یقین نہیں آیا کہ میں آپ سے محبت کرتا ہوں ؟ کیا محبت کی اسی طرح ناقدری کرنا چاہیئے، ذرا سوچئے تو ؟

شائستہ:- لیکن آپ نے یہ نہ سوچا کہ میں کس طرح آپ سے محبت کر سکتی ہوں؟ میری اور آپ کی محبت کس طرح پروان چڑھ سکتی ہے ؟

نواب صاحب:- کیوں؟ کیوں نہیں کر سکتیں محبت؟ کیا رکاوٹ ہے اس راستہ میں ؟

شائستہ:- یہ نہ پوچھئے ———— ہر شخص کی کچھ مجبوریاں ہوتی ہیں،

نواب صاحب:- تو آپ مجبور ہیں ؟

شائستہ :- یہی سمجھ لیجئے،

نواب صاحب:- اس کے معنی یہ ہیں کہ آپ کسی اور سے محبت کرتی

ہیں؟ کسی اور کو دل دے چکی ہیں؟

یہ باتیں سُنکر شائستہ کا چہرہ غصّہ سے سُرخ ہو گیا، اُس نے کہا،

"نواب صاحب میرے صبر و ضبط، اور اخلاق کا زیادہ امتحان نہ لیجئے، مجھے معاف کیجئے، یا تو آپ تشریف لے جائیے، اور مجھے پڑا رہنے دیجئے یہاں ورنہ پھر میں جاتی ہوں،!"

نواب صاحب اُٹھ کھڑے ہوئے،

"نہیں نہیں آپ تشریف رکھئے، میں جاتا ہوں،!"

یہ کہہ کر وہ تیزی سے برہمی اور غصّہ کے عالم میں زور زور سے پاؤں ٹپکتے ہوئے باہر چلے گئے،

شائستہ کی طبیعت پہلے سے خراب تھی، ان باتوں سے غصّہ بڑھا اور اس نے بخار کی صورت اختیار کر لی اور دل ہی دل میں اپنے آپ کو کوس رہی تھی کہ کہاں آکر پھنس گئی، وہ چاہتی تھی انوری بیگم آجائیں زبان سے اجازت لے کر گھر چلی جائے ——— وہ یہ سوچ ہی رہی تھی کہ انوری بیگم تشریف لائیں، صاف معلوم ہو رہا تھا، بہت غصّہ میں ہیں، آنکھوں سے شعلے نکل رہے تھے، ہونٹ کانپ رہے تھے، چہرہ ببھوکا بنا ہوا تھا، اس وضع میں انہیں دیکھ کر شائستہ سہم گئی،

انوری بیگم نے پُوچھا،

تمہاری طبیعت کیسی ہے اس وقت؟

شائستہ نے ہاتھ بڑھا دیا،

"دیکھ لیجئے، شدید بخار ہے!"

انوری بیگم نے کہا،

"تو پھر گھر جا کر آرام کرو، ہم لوگ تو رات گئے واپس آئیں گے، ایک آدمی کی وجہ سے سارا پروگرام تو غارت نہیں کیا جا سکتا، !"

شائستہ کو جان کی اماں مل گئی،

"بہت بہتر"!

اتنے میں ثروت بھی آگئی، انوری نے اُس سے کہا،

"شائستہ کو بخار آگیا ہے، ڈرائیور سے کہو اُسے گھر پہنچا دے!"

ثروت نے پوچھا،

"اکیلی جائیں گی یہ؟"

انوری نے باہر نکلتے ہوئے کہا،

"شبراتن کو ساتھ کر دو!"

---

(۱۷)

عورتوں کا گودام

راستہ بھر، شائستہ، انوری بیگم کے تغیرِ مزاج پر غور کرتی رہی، ان کا شگفتہ، مسکراتا، ہنستا ہوا چہرہ اس وقت کتنا خوفناک نظر آ رہا تھا؟ ان کے اخلاق، شفقت، محبت، چاؤ چوچلے کی باتیں، اس وقت ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے مصنوعی ہوں، صاف معلوم ہو رہا تھا، ملمع اتر گیا اور حقیقت نظر کے سامنے آ گئی، لیکن کیوں؟ —— مجھ سے کیا خطا سرزد ہوئی ہے؟ کس جرم میں ان کا رویہ دفعتہً بدل گیا؟

اتنے میں گھر آ گیا، وہ چپ چاپ آ کر اپنے کمرہ میں لیٹ گئی، گھر میں اس وقت کوئی نہیں تھا بس ایک وہ تھی، ایک شبراتن سارا گھر سائیں سائیں کر رہا تھا، اس سناٹے سے کچھ عجیب قسم کی وحشت سی محسوس ہو رہی تھی، شبراتن اس کا بستر ٹھیک کر کے جب اپنی کوٹھری میں سونے کے لئے جانے لگی تو اس نے بڑی التجا کے ساتھ کہا،

"بوا مجھے ڈر لگ رہا ہے، تم یہیں رہو، یہیں سو جاؤ، آج کی رات"

شبراتن مسکرائی،

بیٹی اس بڑھاپے میں کیوں میری گت بنوانے کھو رہی ہو؟

آج پہلی مرتبہ شبراتن سے اُسے بات کرنے کا موقعہ ملا تھا" لیکن اس کی یہ باتیں سُنکر تو وہ دنگ رہ گئی اُس نے کہا،

"اس میں گت بننے کی کیا بات ہے؟

شبراتن:- اچھا بیٹی، بحث نہیں کرتی لیٹی جاتی ہوں، اللہ مالک ہے، زیادہ سے زیادہ یہی ہو گا، نکال دیں گے نکال دیں،

شائستہ:- (بہت زیادہ حیران ہو کر) تم کیسی باتیں کر رہی ہو بوا؟ ایسا کیا اندھیر ہے کہ میرے پاس رہنے کی وجہ سے نکال دی جاؤں گی؟

شبراتن:- کچھ نہیں بیٹی سو جاؤ،

شائستہ:- لیکن یہ باتیں سُنکر میری تو نیند اُڑ گئی،

شبراتن:- تو پھر باتیں کرو تاکہ تمہارا جی بہلے، جب اُن لوگوں کے آنے کی آہٹ آئے گی، میں اپنی کوٹھری میں چلی جاؤں گی تم آنکھیں بند کر کے پڑ جانا، آخر کب تک نیند نہیں آئے گی،

شائستہ:- اچھا، لیکن اس وقت انوری بیگم بہت خفا نظر آ رہی تھیں، یہ میرا خیال ہے یا واقعہ؟

شبراتن:- ہاں بہت زیادہ خفا ہیں،

شائستہ:- لیکن کیوں؟ کس پر؟

شبراتن :- اتنی بھولی تو نہ بنو بیٹی،

شائستہ :- کیا مجھ پر خفا ہیں ؟

شبراتن :- اور کیا مجھ پر خفا ہوں گی،

شائستہ :- میں نے کوئی خطا نہیں کی،

شبراتن :- اس موئے نواب کے بچہ نے اپنی اور تمہاری ایک ایک بات لگائی ہے جاکر بیگم صاحبہ سے،!

شائستہ :- یہ نواب ہے کون ؟

شبراتن :- چھٹا ہوا بدمعاش، پکا شہدا، ال روپے والا ضرور ہے،

شائستہ :- میرا مطلب یہ ہے کہ الوری بیگم کا کون ہے ؟

شبراتن :- کوئی نہیں، یہ ہوتا کون ؟

شائستہ :- پھر یہ آ جانا، ملنا جلنا، بے تکلفی اور اپنایت کیوں ؟

شبراتن :- روپے کے زور سے، کیا سمجھتی ہو تم دولت کو ؟

شائستہ :- اس گھر کا طور طریقہ کچھ سمجھ میں نہیں آتا، جب سے آئی ہوں، حیرت سے یہاں کے تماشے دیکھ رہی ہوں ——— بیگم صاحبہ کے بھائی حمید میاں، کہنے کو تو پولیس میں ملازم ہیں، لیکن نہ کبھی ڈیوٹی پر جاتے دیکھا نہ وردی میں نظر آئے، آخر یہ کیسی ملازمت ہے ؟

شبراتن :- (پوپلے منہ سے ہنستے ہوئے) حمید میاں بیگم صاحب کے بھائی ہیں؟ پولیس میں ملازم ہیں ؟

شائستہ :- مجھ سے تو یہی کہہ رہی تھیں بیگم صاحبہ،

شبراتن :- جھوٹ، سفید جھوٹ،

شائستہ :- تو پھر کون ہے یہ ؟

شبراتن :- بیگم صاحبہ کا دلال ——— تنخواہ بھی لیتا ہے، اور کمیشن بھی، مزے کرتا ہے موا، خدا بچائے اس سے، ایسا ظالم ہے، ایسا ظالم کہ کیا کہوں ؟ اس دن بیچاری ثروت کو اس نے وہ چار چوٹ کی مار ماری ہے کہ میرا تو دل لرز گیا، اور دل ہی دل میں پکار اٹھی، اے خدا تیرا انصاف کہاں ہے ؟ ہائے وہ منظر اب بھی یاد کرتی ہوں تو کلیجہ منہ کو آجاتا ہے!

شائستہ :- (دانتوں تلے انگلی دبا کر) ثروت کو مارا ——— ؟

شبراتن :- ایک ثروت ہی ؟ ——— اس کم بخت نے چھوڑا کسے ہے ؟ طلعت، نزہت اور ایک بیچاری تھی رقیہ، سب کو ایسا ایسا مارا ہے کہ کیا کہوں ؟ رقیہ بیچاری تو بڑی دھان پان تھی، وہ تو چوٹوں کی تاب نہ لاسکی، دوسرے ہی دن خون تھوک تھوک کر اور ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر گئی، یہ کم بختیں زندہ ہیں اب تک، اور گلچھرے اڑا رہی ہیں ——— !

شبراتن کی ان باتوں سے شائستہ کا خون سوکھ گیا، اس نے بڑی مشکل سے اپنے آپ پر قابو پاتے ہوئے کہا،

شائستہ :- بھلا کوئی اپنی بیوی کو بھی مارتا ہے ؟

شبراتن :- (تیوری چڑھا کر) بیوی کون ؟

شائستہ:۔ ثروت، حمید کی بیوی ہی تو ہے ———— ہے نا؟ کتنے ٹھسے کئے رہتی ہے ہر وقت،!

شبراتن:۔ توبہ کرو، کیسی بیوی، کس کا شوہر؟

شائستہ:۔ تو کیا یہ دونوں میاں بیوی نہیں ہیں؟

شبراتن:۔ بالکل نہیں تو،

شائستہ:۔ پھر ثروت اپنی بہنوں سمیت یہاں کیسے رہتی ہے؟

شبراتن:۔ بہن کیسی؟ کس کی بہن؟

شائستہ:۔ طلعت اور نزہت، آخر ثروت کی بہنیں ہی تو ہیں،

شبراتن:۔ تمہارا تو دماغ چل گیا ہے بیٹی! بس اب سو رہو،

شائستہ:۔ بوا کچھ میں غلط کہہ رہی ہوں؟

شبراتن:۔ بالکل غلط ———— ثروت کلکتہ سے آئی ہے، بہار کی رہنے والی ہے، طلعت پٹنہ اور سے آئی ہے سوات کی رہنے والی ہے نزہت کراچی سے آئی ہے، سکھر کی رہنے والی ہے،

شائستہ:۔ (تقریباً حواس باختہ ہو کر) یہ تم کیا کہہ رہی ہو بوا؟

شبراتن:۔ (طنز سے) جھوٹ بولنے کو جی چاہ رہا تھا، جھوٹ بول رہی ہوں،

شائستہ:۔ آخر یہ سب ادھر ادھر سے آکر کیوں جمع ہو گئی ہیں؟

شبراتن:۔ تم کیسے آگئیں؟ ———— اسی طرح یہ بھی آگئیں،!

شائستہ:۔ کیا مطلب؟ ———— بوا میں سمجھی نہیں تم کیا کہنا چاہتی ہو؟ کیا مطلب ہے تمہارا؟ میرا تو دل ہول رہا ہے خدا کی قسم!

شبراتن :- کیا تم مول نہیں لی گئی ہو ؟ بس ایسے ہی یہ بھی خریدی گئی ہیں -

شائستہ :- (گلوگیر آواز سے) میں مول لی گئی ہوں ؟ یہ خریدی گئی ہیں ؟

شبراتن :- اور کیا آسمان سے ٹپک پڑی ہو تم لوگ ؟

شائستہ :- تو یہ انوری بیگم لڑکیاں مول کر انہیں پڑھاتی لکھاتی کیوں ہیں ؟

شبراتن :- پھر تم بہکیں ؟

شائستہ :- کیا طلعت اور نزہت کے ماسٹر پڑھانے نہیں آتے ؟

شبراتن :- ماسٹر —————— ہونھ ،

شائستہ :- یہ بھی جھوٹ ہے کچھ ؟ بتاؤ ،

شبراتن :- اور کیا —————— وہ ماسٹر نہیں دھگڑے ہیں ، گاہک تماشبین ، نیس و بیتے ہیں ، رات بھر رہتے ہیں ، اور صبح ہوتے چلے جاتے ہیں -

شائستہ :- سچ ؟ —————— بوا یہ میں کیا سن رہی ہوں ؟

شبراتن :- پھر کیوں پوچھا تھا ؟ مجھے کچھ گنتی تے کاٹا تھا کہ خواہ مخواہ یہ باتیں اگلنے لگتی ؟ اور بیٹی ، خدا نے تمہیں بھی عقل دی ہے ، خود ہی سوچا ہوتا ، لڑکیوں کے ماسٹر روز روز بدلتے ہیں کہیں —————— ؟

شائستہ :- ہاں یہ تو میں نے سوچا تھا ،

شبراتن :- اور یہ بھی سوچا ہوتا دنیا میں کہیں ماسٹر ۹ - ۱۰ بجے رات کو

آتے ہیں اور رات بھر، علم کی چٹنی گھونٹ گھونٹ کر چٹایا کرتے
ہیں کسی کو ؟

شائستہ :- کہتی تو سچ ہو لولو ـــــــــ لیکن پھر ثروت کیسے بچی
ہوتی ہے، ؟ اسے تو کوئی پڑھانے نہیں آتا ؟

شبراتن :- (ہنستے ہوئے) بڑی بھولی ہو، خوب آتے ہیں اس کے ماسٹر صاحب
بھی، تم نے نہ دیکھا ہوگا، یہ دوسری بات ہے،

شائستہ :- بوا، ان لوگوں کو حمیدہ نے مارا کیوں تھا ؟

شبراتن :- وہ تو ضروری ہے بیٹی، بغیر اس کے کام ہی نہیں چل سکتا،
کسی طرح ـــــ مار سے شیطان بھاگتا ہے !

شائستہ :- تو بتاؤ نا کیوں ؟ آخر کیا ضرورت ہے پیٹنے کی ؟

شبراتن :- بندر کو جب سدھاتے ہیں تو وہ خوب اُچک پھاند کرتا ہے،
پھر مار کھا کھا کر اشاروں پر چلنے لگتا ہے، اسی طرح جب کوئی نئی
لڑکی یہاں مول لی جاتی ہے اور کسی طرح قابو میں نہیں آتی تو اس لئے
کہ اُسے اپنے خاندان پر ناز ہوتا ہے، اپنے روپ کا گھمنڈ ہوتا
ہے، اپنی اداؤں اور غمزوں پر بھروسہ ہوتا ہے، وہ سوچتی ہے
میری کہیں شادی کر دی جائے گی، اور میں چین کی زندگی بسر کرونگی
لیکن جب اُسے ہر روز ایک نئے آدمی سے شادی پر مجبور کیا
جاتا ہے، تو وہ بدکتی ہے، رگوں میں دوڑتا ہوا شریف خون اُسے
مقابلہ پر آمادہ کرتا ہے، وہ مقابلہ کرتی ہے، اس مقابلہ کا جواب

لاتوں سے، گھونسوں سے، جوتوں سے، ڈنڈوں سے، چابکوں سے، کوڑوں سے دیا جاتا ہے، کڑاکے ناقے کرائے جاتے ہیں، حمید اور فیفنو، یہ دو جہنم کے فرشتے بیگم صاحبہ کے قبضے میں ہیں، اُن سے وہ خوب کام لیتی ہیں، اور وہ بھی اُن کے اشارہ پر جان دینے کو تیار رہتے ہیں، ہر نیا خنکار، پہلے انہیں کے ہتھے چڑھتا ہے، پھر وہ بازار میں لایا جاتا ہے، ثروت، طلعت، نزہت، سب کے ساتھ یہ ہو چکا ہے۔

شائستہ:۔ (کانپ کر) اب میرے ساتھ بھی ہوگا؟

شبراتن:۔ تم خوش قسمت ہو، اب تک تو بچی ہوئی ہو، آگے کا حال خدا جانے ———— لیکن کب تک بچو گی بیٹی؟ آج کل میں تمہارا بھی فیصلہ ہو جائے گا، اب یہ گھڑی نہیں ٹل سکتی،

شائستہ:۔ (لرز کر) میں بھی زرخرید لونڈی ہوں اُلودی بیگم کی؟

شبراتن:۔ وہ تو یہی کہتی تھیں، یہ لونڈیا دو ہزار روپلے میں خریدی ہے میں نے، اور کم سے کم پانچ ہزار میں بیچوں گی، چونکہ اتنی بڑی رقم پر تمہیں فروخت کرنا تھا، اس لئے فیفنو اور حمید اور "ماسٹر" صاحب سے بچی رہیں تم، ورنہ پہلے تو یہی لوگ تمہیں برباد کرتے، پھر کسی گاہک کی باری آتی، اور سچ تو ہے کہ بیگم صاحب قسمت کی بڑی دھنی ہیں،

شائستہ:۔ (کمزور آواز سے) یہ تم نے کیسے جانا بوا؟

شبراتن :- کچھ بھی ریاض نہیں کرنا پڑا تم پر اور دو کے بجائے چھ ہزار کا گاہک چند ہی دن کے اندر مل گیا،

شائستہ :- میرا گاہک ؟

شبراتن :- ہاں —— وہی نواب صاحب اور کون ؟ دعا دو، اُن کی وجہ سے اب تک بچی رہیں، ورنہ حمید اور فیضو تمہاری عزت پہلے ہی دن برباد کر چکے ہوتے،

شائستہ :- (کانپتی ہوئی آواز سے) ابا

شبراتن :- ہاں بیٹی،

شائستہ :- (روتے ہوئے) یہ جھوٹ ہے،

شبراتن :- کیا جھوٹ ہے ؟

شائستہ :- اُنہوں نے مجھے نہیں خریدا، میں خود آئی ہوں،

شبراتن :- کیا ایسی شامت سوار تھی کہ آ گئیں ؟ کیوں آئیں ؟ مکھی جب تک مکڑی کے جال میں نہ پھنسے آزاد ہے، لیکن پھنس جانے کے بعد یہ واویلا بیکار ہے کہ مکڑی نے پکڑا، یا وہ خود آئی ؟ بہرحال اب اس جال سے نکلنا ناممکن ہے بیٹی، صبر کرو، اور اپنی زندگی کی ناؤ خدا پر چھوڑ دو !

شائستہ :- (روتے ہوئے) ابا،

شبراتن :- بیٹی —— برابر ترس آتا ہے تجھ پر، لیکن میں کیا کر سکتی ہوں ؟

شائستہ :- یا اللہ اب کیا ہوگا ؟

شبراتن :- اسی حسرت سے یہی الفاظ میں نے ثروت طلعت اور نزہت کی زبان سے بھی سنے تھے، اور سچ کہتی ہوں ان بیچاریوں پر بھی ترس آیا تھا لیکن نہ میں ان کی مدد کر سکی نہ تمہاری کر سکتی، جس طرح وہ رو دھو کر قسمت پر شاکر ہو کر بیٹھ رہیں، اسی طرح تم بھی رو دھو کر چپ ہو رہو گی، یہی دنیا میں ہمیشہ سے ہوتا آیا ہے ——— !

شائستہ :- ہرگز نہیں، میں ثروت نہیں ہوں، طلعت اور نزہت بھی نہیں ہوں، میں جان دے دوں گی، لیکن کسی کو اپنے اوپر قابو نہ پانے دوں گی ،

شبراتن :- بالکل اسی طرح نزہت نے بھی اکڑ دکھائی تھی لیکن فہیمو کے مضبوط بازوؤں کا مقابلہ نہ کر سکی، چیخی، چلائی، روئی، پیٹی، مگر بے بس ہو گئی ،

شائستہ :- وہ نزہت تھی، میں شائستہ ہوں ،!

شبراتن :- ہاں بیٹی ——— اپنی باری پر نزہت نے بھی یہی کہا تھا کہ وہ طلعت ہے میں نزہت ہوں، اور طلعت بھی اسی طرح گرجی تھی، وہ ثروت ہے میں طلعت ہوں، اور رقیبہ نے بھی اکڑ دکھائی تھی میں کسی کے رعب میں نہیں آ سکتی، تھوڑی دیر تک مقابلہ بھی کیا اس نے، لیکن حمید سے کون پنجہ لڑا سکتا تھا ؟ وہ بھی نزہت، طلعت اور ثروت کی طرح اپنی سب سے قیمتی پونجی

لٹا بیٹھی، نازک زیادہ تھی، زندہ نہ رہی مر گئی، لیکن کسی نے جو آنسو بہایا ہو اس پر، ہا !

شائستہ :- تو پھر اب کیا ہوگا بوا ؟

شبراتن :- وہی جو خدا کی مرضی ہوگی،

شائستہ :- میرا سودا ہو گیا ؟

شبراتن :- ہاں چھ ہزار میں ——— غالباً دو تین دن میں نواب صاحب آ کر تجھے لے جائیں گے، اور اپنے گودام میں ڈال لینگے،

شائستہ :- گودام کیسا ؟

شبراتن :- انہیں خوبصورت عورتیں جمع کرنے کا شوق ہے، منہ مانگے داموں پر خرید لیتے ہیں، چند ماہ اپنے پاس رکھتے ہیں، خوب ناز اٹھاتے ہیں دلار کرتے ہیں، زیورات سے لاد دیتے ہیں، پھر جب جی بھر جاتا ہے، تو اپنے مال گودام میں ڈال دیتے ہیں، اور کوئی دوسری خرید لیتے ہیں، ہماری بیگم صاحبہ کے ہاتھوں شاید تمہارا تیسرا سودا ہے اس سے قبل دو لڑکیاں وہ اور بیچ چکی ہیں، ان کے ہاتھ وہ بیچاری مال گودام میں سڑ رہی ہیں، تمہیں ان کی جگہ ملے گی، لیکن تمہارے مقابلہ میں وہ کچھ بھی نہیں، کہاں تم کہاں وہ ؟ وہ ذرہ تھیں تم آفتاب ہو، میرا خیال ہے تمہارا چراغ کم از کم سال بھر تو جلے گا، اتنے دنوں میں دل کی ساری حسرتیں نکال لینا، میں نے سال بھر کا اندازہ یوں لگایا کہ، وہ لڑکیاں دو دو ۲/۲ ہزار میں فروخت

ہوتی تھیں، تم چھ ہزار میں بک رہی ہو، لیکن بیٹی ایک نصیحت کی بات سن لو،

شائستہ نے کوئی جواب نہیں دیا منتظر نگاہوں سے اس کی طرف دیکھنے لگی کہ یہ کیا کہتی ہے؟ اس نے کہا،

وہ بات یہ ہے کہ نواب صاحب جب تمہیں لینے آئیں تو ہنسی خوشی چلی جانا، غل نہ مچانا، ورنہ جانتی ہو انجام کیا ہوگا؟

شائستہ نے کہا،

میں کچھ نہیں جانتی بوا،

وہ کہنے لگی،

"پھر یہ ہوگا کہ نواب صاحب کے پاس تو بہر حال جاؤ گی، جانا پڑے گا لیکن اس سے پہلے حمیدا اور فیضو تمہاری وہ مرمت کریں گے کہ یاد کرو گی زندگی بھر، اور خود ہماری بیگم صاحبہ کیا کم ہیں، ہائے، رقیہ کے سینہ پر بیٹھ کر جو دھواں دھول اس کے گھونسے مارے ہیں، کیا وہ منظر میں زندگی بھر بھول سکوں گی؟

شائستہ:۔ (مجنونانہ انداز میں) کیا وہ مجھے بھی ماریں گی ——— ؟

شبراتن:۔ کون سے لعل جڑے ہوئے ہیں تم میں؟ کیوں چھوڑ دینگی ہیں؛

شائستہ:۔ کیا فیضو اور حمیدا بھی میری خبر لیں گے؟

شبراتن:۔ کیوں نہیں، تنخواہ اور کمیشن کس چیز کا لیتے ہیں؟ ان کا کام ہی یہ ہے، بلی چوہے پر رحم کرے تو کھائے کیا؟

پھر جب چرچا مزے دار بھی ہوا ، !

شائستہ :- یہ باتیں تم نے مجھے پہلے کیوں نہ بتائیں ؟

شبراتن :- اب بتائی ہیں تو کیا کرلوگی ؟

شائستہ :- پھر میں ایک منٹ بھی یہاں نہ ٹھہرتی ، اسی وقت واپس چلی جاتی ،

شبراتن :- اگر جب جا سکتی تھیں تو اب بھی جا سکتی ہو چلی جاؤ ،

شائستہ :- لیکن کہاں جاؤں ؟

شبراتن :- یہی تو سوال ہے ، میری بچی ،

شائستہ :- تب میں جا سکتی تھی ، اب نہیں جا سکتی ،

شبراتن :- میں نہیں سمجھی کیا فرق ہو گیا اتنے دنوں میں ؟ پہلے اگر جا سکتی تھیں تو اب کیوں نہیں جا سکیں آخر ؟

شائستہ نے ریل کی وہ ساری گفتگو رو رو کر ، سسکیاں لے لے کر شبراتن کو سنا دی ، جو اس کے اور انوری کے درمیان ہوتی تھی ، پھر کہا ،

"اس وقت تو میں نیتر میاں کے گھر میں پناہ لے سکتی تھی ، وہ میری ماں کے چچا تھے ، کلیجہ سے لگاتے ، لیکن اب اگر ان کے ہاں جاؤں تو گو ابھی تک خدا کے فضل سے پاک صاف ہوں ، مگر کیا وہ یقین کر لیں گے ؟ کیا دنیا مجھے پاک تسلیم کریگی ؟ کیا میرا ظالم باپ میرا خون نہیں پی لے گا ؟ کیا میری دائن (سوتیلی) ماں مجھے زندہ چھوڑ دے گی ؟ کیا نسکو چھوٹے پکڑ کر فیضو اور حمید سے زیادہ شقاوت کے ساتھ میری خبر نہیں لے گا ؟ اس پہلے دن اگر میں احمد پور پہنچ جاتی تو میری آبرو پر کوئی حرف نہ رکھ

سکتا چاہے پٹائی کتنی ہی ہوتی ـــــــــــــ

شبراتن :۔ لیکن اب صورت بدل گئی ہے بالکل، واقعی اب مشکل ہے،

شائستہ :۔ یہی تو کہہ رہی ہوں،

شبراتن :۔ ہاں بیٹی بات تو یہی ہے،

شائستہ :۔ تو پھر بتاؤ اب کیا کروں؟ ـــــــــــــ کیا میرے بچ نکلنے کی کوئی صورت ہے؟

شبراتن :۔ ملک الموت کے پنجہ سے بچ کر نکل سکتی ہو، لیکن الوزری بیگم کے پنجہ سے بچ کر نہیں نکل سکتیں،

شائستہ :۔ (روتے ہوئے) ہائے میں کہاں پھنس گئی آکر؟

شبراتن :۔ یہی تو میں بھی سوچ رہی ہوں،

شائستہ :۔ نہ جانے مجھ سے کون سا گناہ سرزد ہوا تھا، جس کی یہ سزا مل رہی ہے،

شبراتن :۔ اس میں بھی خدا کی کوئی مصلحت ہوگی، یاد رکھو، خدا کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں ہوتا،

شائستہ :۔ جی چاہتا ہے دیوار سے سر پھوڑ لوں اپنا،

شبراتن :۔ یہ تماشہ بھی ثروت نے دکھایا تھا، لہولہان ہوگئی، لیکن نتیجہ کیا نکلا؟ دیکھ رہی ہو؟

شائستہ :۔ یہ زندگی تو وبال ہوگئی ہے میرے لئے،

شبراتن :۔ نہیں، یہ نہ کہو، یہ تمہارے اپنے اختیار میں ہے کہ زندگی کو وبال

یا راحت، !

شائستہ :۔ کس طرح ؟ کیونکر ؟

شبراتن :۔ حالات کے سامنے سر جھکا دو، زندگی جنت بن جائے گی، سر نہ جھکاؤ گی، تو جہنم کے مزے لوٹو گی، اور لطف کی بات یہ ہے کہ سر جھکانا پھر بھی پڑے گا،

شائستہ :۔ وہ کوئی اور سر ہو گا،

شبراتن :۔ (مسکرا کر) دیکھ لیں گے، مثل مشہور ہے کہ ایک آدمی نے حجام سے پوچھا، اب کتنے بال کاٹنے کو باقی رہ گئے ہیں ؟ وہ بولا حضور جتنے ہیں، ابھی سامنے آئے جاتے ہیں، آج تم نے نواب صاحب کے ساتھ اچھا برتاؤ نہیں کیا ہے، اور بیگم کے چہرے سے معلوم ہوتا ہے بہت خفا ہیں ——— خدا خیر کرے، !

اتنے میں معلوم ہوا، کوئی موٹر دروازے پر آ کر رکی ہے، شبراتن سمجھ گئی، قافلہ آ گیا، اس نے جاتے جاتے کہا،

" بیٹی میں چلی، خدا کے لئے کوئی بات منہ سے نہ نکال دیجو کہ میری شامت آ جائے !"

اور جواب کا انتظار کئے بغیر وہ چلی گئی،

---

(۱۸)

بپتا

رات تو خیریت سے گزر گئی، نہ انوری بیگم اس کے کمرہ میں آئیں، نہ اس سے کوئی بات چیت ہوئی، صبح کو ناشتہ کے بعد تشریف لائیں، لیکن غصہ سے چہرہ تمتمایا ہوا تھا ان کے آنے کے تھوڑی دیر کے بعد، طلعت اور نزہت بھی آ گئیں، وہ آ کر بیٹھی تھیں کہ حمید میاں بھی سگریٹ کا دھواں اڑاتے تشریف لائے، نیفو بار بار آتا تھا کسی کام کا بہانہ کر کے، اور ذرا دیر ٹھہر کے پھر چلا جاتا تھا، شائستہ نے سمجھ لیا، شبراتن سچ کہہ رہی تھی، آج خیریت نظر نہیں آتی، وہ اب تک کمزوری محسوس کر رہی تھی، سر کا درد بھی کچھ کچھ موجود تھا، اور شاید حرارت بھی،

انوری بیگم نے بغیر کسی قسم کی خوش اخلاقی کا مظاہرہ کئے، حاکمانہ لہجہ میں پوچھا،

"اب طبیعت کیسی ہے تمہاری ——— ؟

شائستہ نے جواب دیا،

پہلے سے تو اچھی ہوں، لیکن کمزوری محسوس کر رہی ہوں، !

انوری :- ہوں ——— کل تم نے ہمیں بہت ذلیل کیا،

حمید :- میں تو تمہاری وجہ سے خاموش ہو گیا، ورنہ آٹے دال کا بھاؤ اسی وقت بتا دیتا، شہزادی (شائستہ) صاحبہ کو، یہ سب تمہارے سر چڑھا لینے کا نتیجہ ہے ——— !

انوری :- میں تو جو کہتی ہوں نباہتی ہوں، ایک دفعہ بیٹی کا لفظ منہ سے نکل چکا ہے، حتی الامکان زندگی بھر اسے نباہنے کی کوشش کرونگی؛

طلعت :- آپا، یہ تو ٹھیک ہے، لیکن ہم میں سے اگر کسی نے یہ طریقہ اختیار کیا ہوتا جو تمہاری شہزادی نے کیا تو بتاؤ ہماری کیا گت بنتی ؟

نزہت :- (زہر خند کرتے ہوئے) کیا بھول گئیں !

انوری :- لڑکیو، مجھے شرمندہ نہ کرو تربیت کے لئے سب پر سختی کرنی پڑتی ہے، اس نے (شائستہ نے) اگر بات نہ مانی تو کیا یہ بچ جائے گی۔

نزہت :- دیکھ لیں گے،

طلعت :- وہ تو ظاہر ہے نہیں مانیں گی،

حمید :- کوئی مذاق ہے ——— مجھے اور میرے ڈنڈے کو تو تم دونوں اچھی طرح جانتی ہو۔

انوری :- خیر یہ باتیں چھوڑو، (شائستہ سے مخاطب ہو کر) اب ایسا نہ کرنا کبھی، یہ بتائے دیتی ہوں، ورنہ پھر مجھ سے بُرا کوئی نہ ہوگا،

شائستہ :- لیکن میں نے جرم کیا کیا ہے، یہ تو کوئی بتاتا نہیں،

انوری :- بتا تو رہے ہیں نواب صاحب کے ساتھ کل تمہارا برتاؤ بہت غلط اور قطعاً ناقابلِ برداشت تھا،

شائستہ :- میں نے تو اُن کے ساتھ کوئی بُرا برتاؤ نہیں کیا،

انوری :- تم نے ان کی محبت ٹھکرائی، ان کی پیش کش ٹھکرائی ان کا تحفہ اور نذرانہ ٹھکرایا، ان کی توہین کی، انہیں ذلیل کیا، ہمیں منہ دکھانے کے قابل نہ رکھا، کیا تمہیں یہ کرنا چاہیئے تھا ؛

شائستہ :- تو کیا کرنا چاہیئے تھا پھر ؟

انوری :- اطاعت، فرماں برداری،

شائستہ :- کیا میں یہاں اس لئے آئی ہوں ؟

انوری :- تو پھر کیا ہم پر راج کرنے آئی ہو ؟

طلعت :- نہیں ہم سب پر راج کریں گی یہ تو ہم لونڈی، یہ آقا، ہم باندی یہ مالک،

انوری :- (غصہ سے) چپ رہو طلعت، (شائستہ سے) دیکھو بیٹی اپنی عزت اپنے ہاتھ ہوتی ہے —————— ورنہ اسے حمید کو دیکھا ہے تم نے ؟ دو منٹ میں، یہ اکڑی ہوئی گردن جھکانا جانتا ہے، کیا دیکھو گی اس کا ہنر ؟

شائستہ :۔ (سہم کر) نہیں ،

نزہت اور طلعت زور سے ہنس پڑیں، قنبراتن ایک کونے میں بیٹھی یہ تماشا دیکھ رہی تھی، اس کے بوڑھے ہونٹ بھی مسکرانے لگے، لیکن جلد ہی اس کا تبسم افسردگی سے بدل گیا، اُس نے گردن جھکا لی، انوری بیگم نے کڑک کر کہا،

"تو پھر تمہیں نواب صاحب کے ساتھ رہنا پڑے گا، ان کی بات ماننا پڑے گی، ——————!"

شائستہ :۔ آخر کیوں ؟ —————— وہ میرے کون ہوتے ہیں ؟ وہ مجھے کیوں رکھیں گے اپنے ساتھ ؟

انوری :۔ ہمارا حکم، ہماری مرضی ،

شائستہ :۔ لیکن ایسا حکم میں نہیں مان سکتی :۔

انوری ابھی کوئی جواب نہیں دینے پائی تھی کہ تڑ کی آواز آئی، آواز کے بعد محسوس ہوا کہ یہ حمید کا طمانچہ تھا جو شائستہ کے پھول سے گال پر پڑا اور پانچوں انگلیوں کے نشان چھوڑ گیا،

لیکن اس وقت شائستہ بھی نہ جانے کس عالم میں تھی، اس نے کسی قسم کی کمزوری کا اظہار نہیں کیا، اور اپنی بات پر اڑی رہی اُس نے کہا،

"مجھے مار ڈالو، لیکن میں بکنے کے لئے تیار نہیں ہوں ،!"

حمید پھر مارنے کے لئے آگے بڑھا، اس کے ہاتھ میں کوڑا تھا، لیکن انوری نے اشارہ سے اسے روکا، اور شائستہ سے کہا،

"تمہیں معلوم ہے اب تک کتنا روپیہ ہم تم پر خرچ کر چکے ہیں ؛
شائستہ بولی،
میں نہیں جانتی،

انوری :- ہمارا روپیہ واپس کر دو، چلی جاؤ، جدھر منہ اٹھے، !

شائستہ :- آپ نے تو وعدہ کیا تھا، پندرہ بیس دن کے بعد، مجھے احمد پور بھیج دیں گی، کیوں نہیں وہاں بھیج کر دیتیں ؟

انوری :- وہاں کس کے پاس جاؤ گی ؛ کیا کرو گی وہاں جا کر ؛ منیر کے .ل پر کو د رہی ہو، کچھ خبر بھی ہے، انہیں جہنم گئے ہوئے ایک سال ہو گیا ہم نے تو یہ خبر اس لئے چھپائی کہ لڑکی کو صدمہ نہ ہو، لیکن آخر سچی بات کہنا ہی پڑتی ہے، اب نہ تم ماں کے پاس جا سکتی ہو نہ باپ کے پاس، نہ منیر میاں کے پاس، اب تمہاری پناہ گاہ صرف ایک ہے۔ اور وہ ہے نواب صاحب کی ذات، وہاں جانا پڑے گا تمہیں، !

شائستہ :- وہ شریف آدمی نہیں ہیں،

انوری :- اچھا تو تم شریف آدمی کی تلاش میں ہو ——— ابھی لو، شریف آدمی کی جھلک دکھائے دیتی ہوں ——— ارے فیضو، او موئے کہاں غارت ہو گیا ؛ ادھر آ"

آواز آئی،

"آیا سرکار ابھی آیا، !

انوری نے برا سا منہ بنا کر جواب دیا،

"آپا کے نیچے جلدی آ،"

اتنے میں فیضو سامنے آکر کھڑا ہو گیا، انوری بیگم اسے دیکھ کر مسکرائیں پھر فرمایا،

"جا موئے اپنا کام کر، ——— غارت گئے، اب کھڑا منہ کیوں تک رہا ہے میرا؟ کیا کھا لے گا، !"

فیضو نے کوئی جواب نہیں دیا، چپ چاپ چلا گیا، اس کے جانے کے بعد انوری بیگم نے شائستہ سے کہا

"دیکھ لیا، شریف آدمی کو، ایک شریف آدمی (حمید کی طرف اشارہ کر کے) کو ابھی برت چکی ہوں، دوسرے شریف آدمی (فیضو) کو ابھی دیکھ لیا تم نے، ان دونوں میں سے جسے پسند کرو اس کے حوالہ کر دوں تمہیں، بیٹی!"

شائستہ رونے لگی، !

انوری نے اس کے گریہ بے اختیار سے ذرا بھی متاثر ہوئے بغیر کڑے تیور سے کہا،

"بیٹی ان آنسوؤں سے کام نہیں چلے گا، اگر ہمارا دل اس طرح پسیج سکتا تو پھر دھندا ختم کر دینا پڑتا ہمیں،

پھر وہ جانے کے لئے اٹھیں اور جاتے جاتے فرمایا،

"آج کی رات تمہیں موقعہ دیتی ہوں، خوب غور کر لو۔ خوب سوچ لو،

کل صبح، اگر تمہارا جواب انکار میں ہوا تو نیفو اور حمیدہ دونوں مزاج پرسی کریں گے، اور اگر راہ راست پر آ گئیں تو عزت آبرو کے ساتھ نواب صاحب کی حویلی میں پہنچ جاؤ گی، اور وہاں چین کرو گی، جو چاہو گی وہ پاؤ گی!

یہ کہہ کر انوری بیگم، باد سموم کی طرح کمرہ سے نکلی ہوئی چلی گئیں، ان کے جاتے ہی حمید صاحب بھی تشریف لے گئے، اور ان کے پیچھے پیچھے طلعت اور نزہت بھی، اور ان کے جانے کے ساتھ ساتھ شبراتن بھی،

اب شائستہ اپنے کمرہ میں بالکل تنہا تھی،!

وہ سوچ رہی تھی، یا اللہ، میں کس مصیبت میں پھنس گئی؟ اس زندگی سے تو شکور کی بیری بن جانا غنیمت تھا، لیکن اب تو نہ جائے رفتن نہ پائے ماندن والا معاملہ ہے، نہ ٹھہر سکتی ہوں، نہ بھاگ سکتی ہوں، نہ اقرار کر سکتی ہوں، نہ انکار کر سکتی ہوں، نہ کہیں اور پناہ پا سکتی ہوں —— یا اللہ میرے مقدر میں کیا لکھا ہے، ؟

آنسو تھے کہ کسی طرح رکنے کا نام نہ لیتے تھے، رونے سے دل ہلکا ہو جاتا ہے، یہ مشہور بات ہے، لیکن اس وقت تو رونے سے بھی ہلکا نہیں ہوا، طبیعت گھٹا کی طرح امنڈتی چلی آ رہی تھی، آنسو بارش کے پانی کی طرح بہے چلے جا رہے تھے، لیکن کوئی ایسا ہمدرد اور غمخوار نہ تھا جو تسلی دیتا جو دل غمدیدہ کو تسکین دیتا، سنبھالتا،!

تھوڑی دیر کے بعد شبراتن کھانے کی سینی لے کر آئی، بڑا پر تکلف کھانا تھا، پلاؤ، قورمہ، شامی کباب، فیرنی، پراٹھے اور نہ جانے

کیا کیا الم غلم شبراتن نے سرپوش ہٹا کر سینی سامنے رکھ دی، شائستہ نے ایک نگاہِ غلط انداز ڈالی اور آنسو پونچھتے ہوئے کہا،

"میں نہیں کھاؤں گی، لے جاؤ یہ کھانا!"

شبراتن نے ہمدردی کے ساتھ پوچھا،

"کیوں بیٹی؟ —————— زیادہ نہیں تھوڑا سا کھا لو!"

شائستہ نے جواب دیا،

کہہ تو رہی ہوں نہیں! بوا کسی کی مجبوری سمجھ لیا کرو۔!

شبراتن نے کہا،

بیٹی، ہمدردی ہی میں تو کہہ رہی ہوں کھا لو ورنہ اور لینے کے دینے پڑ جائیں گے، ہاں!!

شائستہ کی سمجھ میں یہ معمہ نہ آیا،

"کیوں لینے کے دینے کیوں پڑیں گے؛ نہیں کھاتی نہیں ہے مجھے بھوک!"

شبراتن بولی،

وہ تو ٹھیک ہے بیٹی، مگر پھر کھانے کے بدلے مار کھانا پڑے گی، کیا تم اس کے لئے تیار ہو؟

شائستہ:۔ زبردستی ہے کچھ؟

شبراتن:۔ یہی سمجھ لو —————— اس گھر کا چلن یہی ہے،

ثروت ——————

شائستہ :- میرے سامنے ثروت، اور طلعت، اور نزہت کسی کا ذکر نہ کرو،

شبراتن :- اچھا نہیں کرتی، لیکن دو چار لقمے کھالے میری بیٹی،

شائستہ :- اچھی زبردستی ہے-،

شبراتن :- اس کی ریت یہی ہے،

شائستہ :- تو اچھا لاؤ، دو چار لقمے زہر مار کرلوں!"

شبراتن نے سینی سامنے کھسکا دی، شائستہ زہر مار کرنے لگی، شبراتن کو باتیں کرنے کا موقع مِل گیا،

"بیٹی میں کہتی ہوں مان لے بیگم صاحبہ کا حکم!

شائستہ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے، ہونٹ کانپنے لگے، اس نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا،

"بوا ایک بات پوچھوں بتاؤ گی؟"

شبراتن نے آمادگی کے ساتھ کہا،

"کیوں نہیں بتاؤں گی ——— پوچھ ———!

شائستہ :- کیا تم اپنی لڑکی کو بھی یہ مشورہ دے سکتی تھیں؟"

شبراتن کے چہرہ کی رنگت یہ الفاظ سُنکر بدل گئی،

شائستہ نے ایک اور سوال کیا "

"کیوں بوا کوئی لڑکی ہے تمہاری؟"

شبراتن :- ہاں ہے،

شائستہ :- کیا خدا نخواستہ اگر وہ اس گھر میں کسی طرح پھنس جائے، تو

اُسے بھی یہی صلاح دو گی، جو مجھے دے رہی ہو؟ یا اپنی جان کی بازی لگا دو گی اسے بچانے میں؟

شبراتن :- (ایک عزم کے ساتھ) بے شک اپنی جان کی بازی لگا دوں گی،

شائستہ :- بوا، میں تم سے بھیک مانگتی ہوں ——— کیا میری جھولی بھر دو گی؟

شبراتن :- میرے پاس کیا ہے جو میں کسی کو دوں گی؟ میں خود غریب اور فقیر ہوں،!

شائستہ :- ٹھیک ہے تمہارے پاس روپیہ نہیں ہے، دولت نہیں ہے، لیکن ایک چیز ہے،

شبراتن :- وہ کیا چیز ہے جو تم نے میرے پاس دیکھ لی؟ ——— مجھے تو کچھ نظر نہیں آتا اپنے پاس،

شائستہ :- ماتما، محبت، انسانیت، ——— کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ تم مجھے اپنی لڑکی سمجھ لو،؟

شبراتن :- (جذبہ کے عالم میں) آہ بیٹی سمجھ بھی لوں تو کیا کروں؟ کیا کر سکتی ہوں میں تیرے لئے؟

شائستہ :- بہت کچھ، اگر چاہو،

شبراتن :- (جوش کے ساتھ) تو پھر بتاؤ کیا چاہتی ہو، جو کچھ میں کر سکتی ہوں ضرور کروں گی،

شائستہ :- صرف اتنا چاہتی ہوں کہ مجھے اپنی پناہ میں لے لو،

شبراتن :۔ ہائے بیٹی، تو ان موذیوں کو نہیں جانتی، یہ میرا گھر کھود ڈالیں گے یہ میری جان لے لیں گے، ان کا کاٹا پانی نہیں پی سکتا،

شائستہ :۔ تو کوئی صورت نہیں ہے میرے بچنے کی، ؟

شبراتن :۔ میری بچی، مجھے تو نہیں نظر آتی،

شائستہ :۔ تو پھر کوئی ایسی صورت کرو کہ موت کو رحم آ جائے مجھ پر، مجھ بدقسمت پر،

شبراتن :۔ خدا نہ کرے، تیرا ابھی سن ہی کیا ہے، تو نے ابھی دنیا کا دیکھا کیا ہے ؛

شائستہ :۔ میں بے آبرو ہو کر زندہ نہیں رہنا چاہتی،

شبراتن :۔ واقعی تو شریف لڑکی ہے ——— یہ ثروت، یہ طلعت یہ نزہت، فوراً قابو میں آ گئیں، آبرو پر مٹ جانے والی، یا رقیہ تھی، یا پھر تو !

شائستہ :۔ میں اپنی تعریف نہیں سننا چاہتی، میری مدد کرو،

شبراتن :۔ (کچھ سوچتے ہوئے) اچھا کروں گی، پہلے تو کھانا کھا لے،

شائستہ :۔ (خوش ہو کر) کیا تم میری مدد کرو گی ؟ ——— واقعی ؟

شبراتن :۔ ہاں ضرور ——— چاہے جان چلی جائے، اب میں نے طے کر لیا ہے کہ ہر قیمت پر تیری مدد کرونگی !"

شائستہ نے شکر گزار نظروں سے شبراتن کو دیکھا، اور کھانا کھانے لگی، ابھی وہ کھانا کھا ہی رہی تھی کہ نزہت آ گئی، اس نے شائستہ سے

پوچھا،

"یہاں میرا رسالہ "اجالا" رکھا تھا وہ کیا ہوا؟"

وہ بولی

میں نے تو نہیں دیکھا اسے، کیا یہاں رکھ گئی تھیں؟"

نزہت:- تو کیا میں جھوٹ بول رہی ہوں؟ کیا مجھ سے لڑو گی؟

شائستہ حیرت سے اُسے دیکھنے لگی،

"میں نے تو تمہیں جھوٹا نہیں کہا، میں تو کسی سے بھی لڑنا نہیں چاہتی،

تم سے کیوں لڑوں گی؟

نزہت:- آہا، بڑی خوبصورت،

شائستہ:- ارے ——— یہ کیا کہہ رہی ہو تم؟ ———

میں نے کب دعویٰ کیا کہ میں خوب صورت ہوں؟

نزہت:- قربان جاؤں اس معصومیت کے، ہائے کیا بھول پن ہے،

شائستہ:- آج تمہیں کیا ہو گیا ہے؟

نزہت:- دیوانی ہو گئی ہوں، اُٹھاؤ جوتا مارو میرے سر پر،

شائستہ:- تم تو اس گھر میں سب سے زیادہ شستہ و شائستہ تھیں، آج کیسی باتیں

کر رہی ہو؟"

اتنے میں طلعت آگئی، اس نے نزہت سے پوچھا،

"کیا ہو رہا ہے؟"

وہ بولی،

"قسمت میں گالیاں کھانا لکھا تھا یہاں آگئی اپنا رسالہ "اجالا" ڈھونڈنے!

طلعت: گالیاں ———

نزہت:- ہاں گالیاں، ——— کیا معلوم تھا میں اس طرح ذلیل کی جاؤں گی،؟

طلعت:- لیکن کس نے گالیاں دیں تمہیں اس کا نام تو بتاؤ ——— ذرا میں بھی تو دیکھوں کون ہے؟

نزہت:- تم نے تو دی نہیں، شبراتن غریب دے نہیں سکتی، میں خود اپنے آپ کو گالیاں دینے سے رہی، خود ہی سمجھ لو کون ہے؟

طلعت:- کیا یہ (شائستہ کی طرف اشارہ کر کے)؟

نزہت:- اور کون؟

طلعت:- اس چڑیل کی بھی یہ ہمت کہ تمہیں گالی دے،؟ منہ نوچ لوں گی حرمزادی کا!

نزہت:- یہ ہمت نہ آتی، تو گالیاں دیتی کیسے؟

طلعت:- تم نے منہ نہ نوچ لیا اس کمینی کتیا کا،!

نزہت:- نہیں بھئی، ہم تم ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے،

طلعت:- کیوں؟ ——— کون سے سرخاب کے پر لگے ہیں ان میں؟

نزہت:- تم نہیں جانتیں؟ ——— اب بھئی، یہ انوری بیگم کی شہزادی ہیں، نواب صاحب کی منظور نظر ہیں، ہم تم کیا ہیں ان کے مقابلہ میں ——— خاک ذرہ،

طلعت :۔ بڑی شاہزادی ——— چڑیل کہیں کی ، !

نزہت :۔ (ہنستے ہوئے) صورت تو ایسی ہی ہے پھر نواب صاحب کیوں مر مٹے اس بھتنی پر ؟

طلعت :۔ (طلعت مسکراتے ہوئے) نابدان کا کیڑا نابدان کے کیڑے ہی کو پسند کر سکتا ہے ، !

نزہت :۔ ذرا اس چڑیل کے چوچلے تو دیکھو ، جیسے واقعی یہ نواب زادی ہیں ——— ہونھ ،

طلعت :۔ نواب زادی نہیں ہیں نواب بیگم تو ہیں ؟

نزہت :۔ کیوں نہیں ، ؟ ——— لیکن چار دن کی چاندنی ، پھر وہی اندھیری رات ،

طلعت :۔ (ہنستے ہوئے) یہ کیوں بھائی ؟ یہ تم نے کیا کہا ؟

نزہت :۔ معلوم ہو جائے گا اپنے وقت پر ——— دیکھ لینا ،

طلعت :۔ کیا معلوم ہو جائے گا ، ؟

نزہت :۔ چاندنی کا حال ،

طلعت :۔ بتا دو ، تمہیں ہماری قسم ، !

نزہت :۔ جلد باہر بتاؤں گی ، یہاں سن کر یہ (شائستہ) ڈر جائیں گی ، !

پھر دونوں ہنستی ، قہقہے لگاتی باہر چلی گئیں ،

شائستہ کی آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے تھے ، شبراتن نے اس کے

آنسو پونچھے اور کہا،

"بیٹی۔ یہ کمینی اور ذلیل چھوکریاں ہیں، یہ دونوں نواب صاحب کو رجھانے کی کوشش کرکے ہار چکی ہیں، تم پر ان کا التفات دیکھ کر جل گئیں، دل کے جلے پھپھولے پھوڑنے آئی تھیں چلی گئیں،

شائستہ نے پوچھا،

لیکن میں نے ان کا کیا بگاڑا تھا؟

شبراتن بولی،

"یہ کم بگاڑا ہے کہ ان کے مقابلہ میں کہیں زیادہ خوبصورت ہو"

شائستہ نے کہا،

"بوا، یہ باتیں نہ کرو، توے کی سیاہی مل دو میرے چہرے پر اور بدصورت کردو مجھے: خدا کے لئے اپنا وعدہ پورا کرو، میری مدد کرو، مجھے اس جہنم سے نکالو کسی طرح!

شبراتن نے سینی اٹھاتے ہوئے کہا،

"مجھے اپنا وعدہ یاد ہے، تو دعا کر میں کوشش کروں گی!"

پھر وہ سینی سر پر رکھ کر کمرہ سے باہر نکل گئی!

(۱۹)

شیر اور بکری،

ثریا نے کوشش کی کہ سو جائے، مگر آج جو واقعات پیش آئے تھے انہوں نے نیند اڑا دی تھی، آنکھوں سے بار بار اس کی نگاہ تصور کے سامنے انوری کی تصویر ناچنے لگتی، اور وہ سوچنے لگتی، یہ کس قماش کی عورت ہے، خضر بن کر اس نے رہنمائی کی، اور رہزن کے روپ میں مجھے لوٹ لینا چاہتی ہے؟ یہ حمید کتنا خاموش سا انسان تھا لیکن بغیر کسی جرم و خطا کے اس نے مجھے مارا، اور میں کچھ نہ کر سکی، بھلا طلعت اور نزہت کا میں نے کیا بگاڑا تھا؛ یہ دونوں کیوں آئیں اور جلی کٹی سنا کر واپس چلی گئیں؟ یہ اگر نواب صاحب کو پرچانا اور لبھانا چاہتی ہیں، تو میں کب ان کے آڑے آتی ہوں؛ شوق سے جو چاہیں کریں، مجھے خواہ مخواہ کیوں اپنا حریف، اور رقیب سمجھ لیا ہے؟ اور وہ فیضو ———— ؛ کتنا ڈراؤنا آدمی ہے، خدایا رحم کر، اس مصیبت سے مجھے نکال کسی طرح، !

یوں ہی عالم خیال کی سیر کرتے، اور کروٹیں بدلتے رات کے بارہ بج گئے، گھر کے سب لوگ سو رہے تھے، سناٹا چھایا ہوا تھا سارے گھر پر، البتہ طلعت کے کمرہ میں ہلکی سی سبز روشنی ہو رہی تھی، شاید ماسٹر صاحب اب تک اسے پڑھا رہے تھے، لیکن اب تک، رات کے بارہ بجے تک! ؟

یکایک اسے اپنے کمرہ کا دروازہ کھلتا نظر آیا، جیسے کوئی بہت بہت آہستہ پٹ کھولنے کی کوشش کر رہا ہو —————— کون ہو سکتا ہے یہ؟ اتنے میں ایک سایہ سا اندر داخل ہو گیا، اور اس نے دروازہ بھیڑ دیا، بجلی کا لیمپ سرہانے رکھا تھا، جلدی سے اس کا بٹن دبایا، وہ روشن ہو گیا،

حمید صاحب سامنے کھڑے تھے،!

حمید کو دیکھ کر شائستہ کا تن بدن بید لرزاں کی طرح کانپنے لگا، وہ سمجھ گئی اس وقت حمید کا آنا کیا معنی رکھتا ہے؟ اس کی آنکھوں سے وحشت برس رہی تھی، صرف وحشت ہی نہیں، کوئی اور کیفیت بھی ایسی کیفیت جسے لفظوں میں نہیں بیان کیا جا سکتا، لیکن جسے دیکھ کر دل دہلتا ہے، بدن لرزنے لگتا ہے،!

شائستہ اٹھ کر بیٹھ گئی، اس نے گھبرائے ہوئے لیکن خشمناک لہجہ میں کہا،

"تم کیوں آئے ہو؟"

حمید نے نہایت اطمینان سے اس کے پاس چارپائی پر بیٹھتے ہوئے کہا

"تم سے معافی مانگنے آیا ہوں،!"

اس انکسار اور فروتنی میں بھی رعونت جھلک رہی تھی، شیر اگر بکری سے معافی مانگے، تو بھی شیر، شیر ہی رہے گا، اور بکری، بکری ہی!

شائستہ نے کہا،

لیکن معافی تو آپ کسی اور وقت بھی مانگ سکتے تھے، اس وقت کیوں آئے؟

حمید:- کچھ ضروری باتیں کرنا ہیں تم سے، بہت ضروری،

شائستہ:- تو فرمائیے پھر، لیکن ذرا جلدی،

حمید:- ہاں، ہاں کہتا ہوں، تم گھبرا کیوں رہی ہو؟ پریشان بالکل مت ہو

شائستہ:- کہیں اگر انوری بیگم آگئیں یا طلعت وغیرہ کو پتہ چل گیا، تو سوچ لیجئے، میرا کیا حشر ہوگا؟

حمید:- کچھ نہیں ہو سکتا ——— کیا تم نہیں جانتیں، اس گھر میں میری کیا حیثیت ہے؟

شائستہ:- خوب جانتی ہوں، اور آج تو بہت اچھی طرح جان چکی ہوں،

حمید:- اس کے معنی یہ ہیں کہ تم ابھی تک مجھ سے روٹھی ہوئی ہو؟

شائستہ:- نہیں بالکل نہیں، جو کچھ کہنا ہے جلد کہیئے،

حمید:- یہ لیمپ گل کر دو۔

شائستہ:- (کانپتے ہوئے) نہیں میں اندھیرے میں بات نہیں کر سکتی!

حمید:- میں تم پر دراز دستی اور زیادتی کرنا نہیں چاہتا، میں خود بھی تو اسے گل کر سکتا ہوں، لیکن یہ زبردستی ہوگی، لہٰذا تم سے کہتا ہوں،

کہنا مان لو، ضد نہ کرو،

شائستہ :- (نرمی سے لہجہ بدلتے ہوئے) آپ تو خفا ہو جاتے ہیں بہت جلد،

حمید :- پھر ایسی بات کیوں کرتی ہو ؟

شائستہ :- مجھے اندھیرے سے وحشت ہوتی ہے،

حمید :- (مسکرا کر) اور میں روشنی سے گھبراتا ہوں،

شائستہ :- (اپنایت کے لہجے میں) ضد نہ کیجئے —— کہئے اپنی بات کہئے

حمید :- اندھیرے میں ہم جب تک چاہیں باتیں کر سکتے ہیں، روشنی کی جھلک باہر جا رہی ہے اگر بیگم نے دیکھ لی تو تیر کی طرح سیدھی یہیں آئیں گی، اور سارا پروگرام چوپٹ ہو جائے گا،

شائستہ :- پروگرام —————— ؟

حمید :- ہاں —————— میں تمہیں اس مصیبت سے نجات دینا چاہتا ہوں آہستہ آہستہ بات کرو، لیمپ گل کر دو، مجھ پر اعتماد کرو، اگر میں کسی بری نیت سے آیا ہوتا، تو کیا تم میرے پنجہ سے بچ سکتی تھیں، ؟

بات شائستہ کی سمجھ میں آگئی واقعی ہاتھی سے "لتے" کون کھا سکتا ہے ؟ اب تو جو قسمت دکھائے، وہ دیکھنا ہے، اُس نے آہستہ سے لیمپ گل کر دیا، اور کہا،

"اچھا کہئے !"

حمید :- "اچھا کہئے ، !"

حمید:۔ اس کے معنیٰ ہیں کہ تم مجھ پر اعتماد کرتی ہو،

شائستہ:۔ میں تو آپ پر بہت زیادہ اعتماد کرتی تھی، سچ پوچھیئے تو آپ کو پہلی دفعہ جب میں نے ریل میں دیکھا تھا، اس وقت یہ بات میرے دل پر کچھ جم سی گئی تھی کہ یہ کوئی شریف آدمی ہے، کاش یہ میرے کام آسکے، پھر جب انوری بیگم سے باتیں ہوئیں، پھر آپ چائے لائے، اور چائے کی پیالی آپ نے میرے پاس رکھی، تو ان سب باتوں سے نہ جانے کیوں، ایک قسم کی خوشی اور ترنگ سی محسوس کی، پھر یہاں آنے کے بعد آپ نے مجھ سے بات بھی نہ کی

حمید:۔ ہاں مجھے اس کا افسوس ہے، لیکن حالات ہی کچھ ایسے پیش آگئے، میں نے کوشش کی، میں نے چاہا مگر ——

شائستہ:۔ مگر —— آپ نے میری خبر بھی نہ لی،

حمید:۔ میں پروگرام بنا رہا تھا،

شائستہ:۔ آپ پروگرام بنا رہے تھے اور میری زندگی اجیرن ہو رہی تھی، —— ثروت، طلعت، اور نزہت کے طعن و تشنیع نے میرا دل چھلنی کر دیا، کئی دفعہ جی چاہا، آپ سے شکایت کروں، پھر چپ ہو رہی،

حمید:۔ کیوں چپ ہو رہیں؟ کیوں شکایت نہیں کی تم نے؟

شائستہ:۔ آپ کی بے رخی دیکھ کر، غیریت کے سبب، !

حمید:- یہ نہ کہو ——— شرمندہ نہ کرو مجھے، !

شائستہ:- پھر یہ بات بھی تھی کہ ثروت آپ کی بیوی طلعت اور نزہت آپ کی سالی،

حمید:- یہ حرامزادیاں بدمعاش ہیں، ان میں سے نہ کوئی میری بیوی ہے، نہ سالی ——— خیر، اب تم نے بتا دیا ہے، دیکھنا کل اسی کیسی خبر لیتا ہوں!

شائستہ:- تو الزری بیگم جھوٹ کہہ رہی تھیں ان کے بارے میں ؟

حمید:- بالکل جھوٹ،

شائستہ:- آپ ان کے بھائی بھی نہیں ہیں ——— سچ بتایئے، ؟

حمید:- میں کیوں ایسی حرآفہ کا بھائی ہوتا، ہم سب ایک ٹولی کے ممبر ہیں، جو آمدنی ہوتی ہے برابر برابر بانٹ لیتے ہیں،

شائستہ:- اور یہ ثروت وغیرہ ؟

حمید:- یہی تو ہماری جائیداد ہیں، انہی سے تو آمدنی ہوتی ہے ہماری،

شائستہ:- میں تو آپ کے ساتھ آئی تھی یہ نہ معلوم تھا یہاں آکر جانور بنجاؤنگی، ورنہ کیوں آتی، ؟

حمید:- نہیں تم جانور نہیں بن سکتیں ؟

شائستہ:- کیا آپ الزری بیگم کا فیصلہ بدل سکتے ہیں ؛ وہ تو مجھے اس لچے نواب کے ہاتھ فروخت کر رہی ہیں ——— اگر آپ سے مجھے یہ اندیشہ ہوتا تو وہیں ریل کے نیچے کٹ مرتی، یہاں نہ آتی، !

حمید :- (شائستہ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر) سنو تو،

شائستہ :- ہٹیئے بھی، (سسکیاں لیتے ہوئے) جائیے چلے جائیے،

حمید :- (متاثر ہو کر) چلا جاؤں گا، لیکن میری بات تو سن لو، یہ تو دیکھو کیا کہنا چاہتا ہوں؟

شائستہ :- تو میں کب منع کر رہی ہوں، کیوں نہیں کہتے؟

حمید :- کیا تم نواب کے پاس نہیں جانا چاہتیں؟ نہیں رہنا چاہتیں اس کے ساتھ؟

شائستہ :- ہرگز نہیں،

حمید :- وہ بہت دولت مند ہے،

شائستہ :- ہوا کرے، مجھے نہیں چاہیئے، اس کی دولت، میں انسانیت کی بھوکی ہوں، دولت و ثروت کی نہیں،!

حمید :- پھر کیا چاہتی ہو تم؟

شائستہ :- اس مصیبت سے مجھے نجات دیجئے،

حمید :- کس طرح ———— ؟ یہ بھی تو بتاؤ،

شائستہ :- یہاں سے مجھے نکالئے کسی طرح بھی،

حمید :- اچھا نکال لیا ———— پھر کیا کرو گی؟ پھر کیا پروگرام ہے تمہارا؟

شائستہ :- اگر اپنے پاس آپ پناہ نہیں دے سکتے، تو پھر مجھے احمد پور بھیج دیجئے،

حمید:۔ (خوش ہو کر) اگر اپنے پاس پناہ دوں، تو کیا میرے پاس رہو گی؟

شائستہ:۔ اس کے سوا اور میری تمنا کیا ہے؟

حمید:۔ مگر میں غریب ہوں، میرا مطلب یہ ہے کہ دولت مند نہیں ہوں،

شائستہ:۔ لیکن آپ کے پاس شرافت کی دولت تو ہے؟

حمید:۔ (بہت خوش ہو کر) ہاں وہ تو ہے، لیکن اس سے کیا کام چلے گا؟

شائستہ:۔ بس تو پھر وہی چاہیئے مجھے، اس کے سوا کچھ نہیں،

حمید:۔ دیکھو میں بہت بڑا خطرہ مول لیتا ہوں، تمہیں یہاں سے نکالنے کی ترکیب کرتا ہوں،

شائستہ:۔ اگر اتنی ہمت ہوتی آپ میں، تو یہ دن مجھے کیوں دیکھنا پڑتے؟

حمید:۔ دیکھ لو گی میری ہمت،

شائستہ:۔ تو کیا آپ مجھے یہاں سے نکال لے چلیں گے ——— سچ؟

حمید:۔ (فیصلہ کن لہجہ میں) ہاں ——— شاید کل ہی،

شائستہ:۔ لیکن میری کچھ شرطیں ہیں؛

حمید:۔ (ہنستے ہوئے) مجھ سے شرطیں منواؤ گی؟

شائستہ:۔ جی ہاں آپ سے اور آپ کو ماننا پڑیں گی،

حمید:۔ تو کہہ ڈالو پھر، ——— جب تمہیں اتنا دعویٰ ہے، تو پھر مان لوں گا بھئی،

شائستہ :- آپ مجھے کس طرح رکھیں گے اپنے پاس ؟

حمید :- کیا مطلب ؟ صاف صاف کہو ،

شائستہ :- میں صرف آپ کے لئے ، آپ کے ساتھ چلنے پر تیار ہوں ، یہ نہیں ہو سکتا کہ مجھے اپنے قابو میں پاکر ثروت یا طلعت بنانے کی کوشش کریں ، سن لیجئے گا کان کھول کے ،!

حمید :- لاحول ولاقوۃ ، ایسا ہو سکتا ہے ؟ تم میرے دل کی مالک بن کر رہوگی میرے پاس ،!

شائستہ ، نہیں ———— میں بیوی بن کر رہنا چاہتی ہوں ، محبوبائیں بدلتی رہتی ہیں ، لیکن بیوی ایک ہی رہتی ہے ، وہ ہر حالت میں دکھ سکھ کی ساتھی رہتی ہے ، وہ ہر حالت میں دکھ سکھ کی ساتھی ہوتی ہے ،

حمید :- تم کتنی اچھی ہو شائستہ ،

شائستہ :- اچھا اب بتایئے نہیں ،

حمید :- آج میں نے جانا کہ تالی دونوں ہاتھوں سے بجتی ہے ، محبت بے اثر نہیں رہتی ، بلکہ ،

عشق اول در دل معشوق پیدا می شود ،

میرا خیال تھا کہ صرف میں محبت کرتا ہوں تم سے ، آج معلوم ہوا ، تم بھی محبت کرتی ہو !

شائستہ :- شکر ہے آپ نے یہ بات محسوس کر لی ، خواہ دیر ہی میں سہی ،

حمید :- شائستہ مجھے صدق دل سے معاف کر دو ،

شائستہ :۔ کر دیا معاف ———— اور کچھ ؟

حمید :۔ بس اور کچھ نہیں، اب میں جاتا ہوں،

شائستہ :۔ (بے تکلف لہجہ میں) ضرور تشریف لے جایئے، اور فوراً،

حمید :۔ یوں نہ نکالو، مذاق میں بھی ایسی باتیں کرو گی تو دل ٹوٹ جائے گا میرا،

شائستہ :۔ (ہنستے ہوئے) اچھا، میں اپنے الفاظ واپس لیتی ہوں، لیکن وقت کا تقاضا یہی ہے کہ اب آپ چلے جائیں، لیکن اپنا وعدہ نہ بھولئے گا،

حمید :۔ اطمینان رکھو، وہ میری جان کے ساتھ ہے،

شائستہ :۔ اب میں یقین کر لیتی ہوں کہ مجھے فروخت نہیں کیا جائے گا، ؟

حمید :۔ ہاں یقین کر لو، ———— لیکن مزا آجائے گا خدا کی قسم، کاش وہ تماشہ تم بھی دیکھ سکتیں جو تمہارے جانے کے بعد یہاں ہوگا،

شائستہ :۔ ہاں الوری بیگم بہت بگڑیں گی، بہت اچھلیں کودیں گی،

حمید :۔ صرف یہی نہیں اور بھی بہت کچھ، !

شائستہ :۔ پھر اور کیا ہوگا ؟ (سہم کر) کیا وہ پولیس میں رپٹ کر دیں گی ؟

حمید :۔ جی نہیں، اتنی بے وقوف نہیں ہیں وہ — اور اگر ایسا کریں گی تو خود پھنس جائیں گی، !

شائستہ :۔ پھر کیا ہوگا ؟ کیوں اتنے خوش ہو رہے ہیں آپ ؟ بتایئے تو ذرا بات کیا ہے ؟

حمید:- (ہنس کر) مزا تو جب آئے گا کہ ادھر معلوم ہو گا، تم غائب ہو، ادھر نواب صاحب اپنے چھ ہزار روپے واپس مانگیں گے، جو پیشگی دے چکے ہیں، اور وہ ہوں گے نہیں ان کے پاس،

شائستہ:- کیا خرچ ڈالے انہوں نے؟

حمید:- نہیں، خرچ کیا کریں گی؟ لیکن حق بہ حقدار رسید،

شائستہ:- آپ تو پہیلیاں بجھوانے لگے، ہماری سمجھ میں نہیں آیا کچھ،!

حمید:- وہ روپیہ تمہارے ساتھ جائے گا، جو زیورات تمہارے لئے نواب صاحب نے دیئے ہیں، وہ کیا تمہارے ساتھ جائیں گے نوٹوں اور زیوروں کی پوٹلی جب یہاں سے روانہ ہونے لگو گی، میں دے دوں گا،

شائستہ:- ہائے چوری ——— ؟ نہیں میں نہیں لے جاؤں گی، پکڑی گئی تو واقعی پولیس جان لے لے گی میری،

حمید:- احمق ہو تم ——— ارے بھئی نواب صاحب اور انوری بیگم چاہے کتنی کتنی لڑ بھڑ آئیں، لیکن پولیس کے پاس ان میں سے کوئی بھی نہیں پھٹک سکتا، چور کا دل کتنا؟ یہ خود اول درجہ کے چور ہیں،!

شائستہ:- تو ٹھیک ہے!

تھوڑی دیر ادھر اُدھر کی باتیں کر کے، حمید خوشی کا جھولا جھولتا ہوا چلا گیا۔

(۲۰)

داغ

نہایت زیرک اور سمجھدار ہونے کے باوجود حمید مطمئن ہو کر چلا گیا، مطمئن نہ ہونے کی کوئی وجہ بھی نہیں تھی، وہ جانتا تھا، ایک چھوٹی سی، ننھی منی سی، کمزور اور حقیر چڑیا، فولاد و آہن کے بنے ہوئے پنجرے سے باہر نہیں نکل سکتی، شائستہ کی حیثیت یہی تو تھی —————— لیکن خود شائستہ کی رائے اپنے بارے میں دوسری تھی، یا پھر یہ بات تھی کہ کبھی کبھی حالات خود انسان کو بچاؤ کی تدبیر سمجھا دیتے ہیں، حمید کا خطرہ جب اس کے سر پر آ پہنچ گیا، تو اس نے اپنی فراست سے محسوس کر لیا، اگر اس وقت ذرا بھی اس کی خلاف مرضی کوئی بات ہوئی، تو وہ جیت جائے گا، اور میں ہمیشہ کے لئے تباہ و برباد ہو جاؤں گی، اس نے نرمی اور لطف کی باتیں کر کے اس کا دل ہاتھ میں لیا، اور کم از کم آج تو بچ گئی، !

لیکن کل کیا ہوگا؟

کیا کل بھی، میں حمید کو جل دے کر اپنے آپ کو بچا سکوں گی ؟

نہیں، بس آج کی رات ہے، اگر بچ سکتی ہوں تو صرف آج ورنہ پھر کبھی نہیں،

لیکن کس طرح ؟

کیونکر ———— ؟

اس گھر سے کیسے نکلوں ؟ اس پنجرے کی آہنی اور فولادی تیلیاں کن ہاتھوں سے توڑوں ؟ شبراتن نے وعدہ کیا تھا کہ وہ میری مدد کرے گی، اس کے تیور کہہ رہے تھے، وعدہ پورا کرے گی، لیکن وہ بھی خواب خرگوش میں مست ہے، کیا دن دہاڑے یہاں سے لے کر مجھے جائے گی ؟ رات کے دو بج چکے ہیں مگر اس کا کہیں پتہ نہیں، !

اسی طرح کروٹ بدلتے بدلتے چار بج گئے، !

پھر گھڑیال نے صبح کے پانچ بجا دیئے، چڑیاں درختوں پر چہچہانے لگیں، مرغ بانگ دینے لگے، صبح کو جھٹ پٹا نمودار ہونے لگا ————

———— اور، !

اور وہ اپنی نجات سے مایوس ہو گئی، اس کی آنکھوں میں آنسوؤں کے بڑے بڑے قطرے تیرنے لگے،

اب کیا ہو گا ؟

اب دو ہی صورتیں ہیں، یا کل نواب صاحب کے حوالہ کر دوں، یا آج حمید مجھے کسی طرح اپنے ساتھ نکال لے جائے، ایک طرف شیر ہے،

دوسری طرف سانپ، جدھر بھی جاؤں موت اور ہلاکت میرے انتظار میں آغوش کشادہ کئے کھڑی ہے —— پھر؟

اتنے میں پھر اس کے دروازے کا پٹ کھلا، پھر کوئی آتا ہوا محسوس ہوا، پھر ایک سایہ سا نظر آیا، اور وہ چارپائی کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا شائستہ نے سانس روک لی، اور سوچنے لگی، ایک مصیبت سے تو ابھی چھٹکارا ہوا تھا، یہ دوسری کہاں سے سر پر آن پڑی، یا اللہ یہ کون ہے؟

اتنے میں اس کے کانوں میں سرگوشی کی آواز اٹھی،

"بیٹی میں آ گئی، اٹھو!"

اوہو یہ تو شبراتن تھی! —— شائستہ کا دل باغ باغ ہو گیا، خوشی خوشی آنکھیں ملتی ہوئی اٹھ بیٹھی، شبراتن نے کہا،

"وقت بہت کم ہے، سویرا ہو رہا ہے، ابھی اندھیارا ہے، تھوڑی دیر میں پو پھٹے گی، اور روشنی ہو جائے گی، بس یہی وقت ہے!"

شائستہ اٹھ کھڑی ہوئی،

"میں تیار ہوں بوا!"

شبراتن نے کہا،

سب لوگ، رات گئے سوئے ہیں، آٹھ بجے سے پہلے کوئی نہیں اٹھے گا ہر روز یہی ہوتا ہے، رات کو نکلتی تو پکڑی جاتیں، اب موقع ہے چلی جاؤ! —— چپ چاپ خدا پر بھروسہ کر کے!

اتنی دیر میں شائستہ نے اس گھر سے جو کپڑے ملے تھے اتار دیئے

زیور اور گہنا بھی اُتار کر میز پر رکھ دیا، وہی جوڑا جو پہن کر آئی تھی، پھر جلدی سے پہن لیا، وہی چادر جو اوڑھ کر آئی تھی، پھر اوڑھ لی، اور شبراتن کے قدموں پر سر رکھ کر کہا،

"خدا تمہارا بھلا کرے گا بوا، تم نے مجھے نئی زندگی دی!"

شبراتن نے اُسے کلیجہ سے لگا لیا اور کہا،

"بیٹی باتیں کرنے میں وقت نہ ضائع کرو، ایک ایک منٹ قیمتی ہے، بس اب نکل جاؤ،!

شائستہ :- لیکن کہاں جاؤں بوا"

شبراتن :- یہ میں نہیں بتا سکتی، یہ میں نہیں جانتی، جہاں سر چھپانے کی جگہ ملے بیٹھ جاؤ، احمد پور یا کہیں اور جانا چاہو، تو سیدھی سڑک اسٹیشن جاتی ہے، وہاں چلی جاؤ، یہ دس روپے، یا پھر مناسب سمجھو تو کسی شریف گھر میں نوکری کر لو، وہ نوکری اس عیش سے لاکھ درجہ بہتر ہے، ممکن ہے خدا پھر کوئی صورت نکال دے۔

شائستہ :- بوا میں کہیں باہر جانے کا خطرہ مول لینا نہیں چاہتی، ایک دفعہ بھگت چکی ہوں، کیا کہیں نوکری ملجائے گی مجھے، ؟

شبراتن :- ہاں مل سکتی ہے،

شائستہ :- تو میں وہیں جاؤں گی، میں نوکری کروں گی ——— کیوں بوا کہاں؛

شبراتن :- ناک کی سیدھ پر چلی جاؤ، تھوڑی دور کے بعد کوٹھیوں کی لائن

ملے گی۔

شائستہ:- ہاں جلدی بتاؤ،

شبراتن:- ۱۳ نمبر کی کوٹھی میں چلی جاؤ، وہاں رابعہ خانم کی خدمت میں پہنچ کر گڑگڑاؤ، بڑی نیک اور رحمدل بی بی ہیں، ترس آ گیا تو رکھ لیں گی، اور ہر طرح سے مدد کریں گی ———— !

شائستہ:- ہاں میں وہیں جاؤں گی،

شبراتن:- تو بیٹھی جاؤ، دیر نہ کرو، منزل کھوٹی کرنا ٹھیک نہیں،

شائستہ:- اچھا بوا ———— جاتی ہوں، بہت بہت شکریہ! خدا تمہارا بھلا کرے،

شبراتن:- لیکن ایک بات سن لو،

شائستہ:- ہاں کہو، سن رہی ہوں،

شبراتن:- کبھی بھولے سے کسی کے سامنے میرا نام نہ لینا، ورنہ یاد رکھو، تمہیں کچھ فائدہ نہ پہنچے گا، اور میں بے موت ماری جاؤں گی! ———— بس اور کچھ نہیں کہنا ہے مجھے،!

شائستہ:- بوا اطمینان رکھو، ایسا کبھی نہیں ہو سکتا،

شبراتن:- تو جاؤ پھر خدا کی حمایت میں ———— ہاں یہ دس روپے تو لے لو،

شائستہ:- نہیں بوا، مجھے روپیہ نہیں چاہیئے!

شبراتن:- کچھ دیوانی ہوئی ہے لڑکی؟ لے، شاباش گرے پڑے وقت

کے لئے دس پانچ روپے ہر وقت پاس رہنا چاہئیں ——————
لے بیٹی، بڑوں کا کہنا مانتے ہیں،!

شائستہ نے دس روپے کا نوٹ لے کر چادر کے کونے میں باندھ لیا،

پھر شبراتن اس کمرہ سے اسے ڈرائنگ روم میں لے گئی، دروازہ کھولا، اور آہستہ سے رازدارانہ لہجہ میں کہا،

"بس اللہ کا نام لیتی، رسولؐ کا کلمہ پڑھتی چلی جاؤ،!"

شائستہ نے پلٹ کر شکر گذار نظروں سے اُسے دیکھا، اور تیز قدم بڑھاتی ہوئی چلی گئی،

شبراتن دل میں ڈرتی، اور کلمہ پڑھتی، اپنی کوٹھڑی میں پھر جا کر لیٹ رہی —————— ! اسے لیتے ہوئے مشکل سے آدھا گھنٹہ ہوا ہوگا کہ ثروت کے دردِ زہ شروع ہو گئے، اس کی چیخیں سُنکر سب لوگ اُٹھ بیٹھے فوراً دائی بلوائی گئی، اور تھوڑی دیر میں ایک چاند سی لڑکی پیدا ہو گئی، اگر لڑکا پیدا ہوتا تو ان لوگوں پر مُردنی چھا جاتی، لیکن لڑکی پیدا ہوئی تھی —— —————— ایک اچھا اور مستقل ذریعۂ روزگار —————— لہٰذا سب خوش تھے اور خاص طور پر انوری بیگم کی خوشی حدِ بیان سے باہر تھی،

کوئی آٹھ بجے کے قریب انوری کو شائستہ یاد آئی، اس نے شبراتن سے کہا،

"شائستہ کو ناشتہ دے آئیں —————— ؟"

وہ بولی،

"جا تو رہی ہوں، غضب خدا کا ایسی نیند کہ پاس پڑوس والے تو وقت کی چیخیں سن کر اُٹھ بیٹھے، مگر اس اللہ کی بندی نے کروٹ تک نہ لی، !"

انوری نے کہا،

"اں بوا، نہ جانے کس کینڈے کی عورت ہے، خیر اب پاپ کٹا جاتا ہے آج ہی کل میں نمک حرام کا ——— جاؤ ناشتہ کرا آؤ بیگم صاحبہ کو!

حمید نے شائستہ کی طرفداری کی،

"بیچاری بہت کمزور ہے!"

انوری بیگم کے ہونٹوں پر تبسم کھیلنے لگا

"آ گئے تم اپنی اوقات پر، کیوں جی؟"

حمید نے انجان بنتے ہوئے سوال کیا،

"کیا ہوا آیا؟ میں نے تو کچھ نہیں کیا،

انوری بولی،

"لے مجھے چٹکیوں میں اُڑانے کی کوشش نہ کرو، ضرور تمہاری نیت خراب ہے، !

حمید:۔ یہ لو اان کی سنو، بھلا نواب صاحب کی بیگم صاحبہ پر میں بری نظر ڈال سکتا ہوں؟

انوری:۔ (مسکراتے ہوئے) تم تو کیا چھوڑتے، میری وجہ سے ہمت نہ پڑی، یہ کیوں نہیں کہتے، !

حمید :- خیر یہی سہی ——— لیکن مجھے افسوس ہے کہ میں نے کل بے طرح اسے پیٹ دیا،

انوری :- یہ اسی کی برکت ہے کہ فوراً صاحبزادی راہِ راست پر آگئیں، ورنہ یہ چھوکری تو وہ غل مچاتی کہ رقیّہ کو بھول جاتے

حمید :- لیکن نواب صاحب سے سب معاملہ پختہ تو ہو گیا ہے نا؟ ایسا نہ ہو بعد میں دغا دیں؟

انوری :- جہاں تک شائستہ کا تعلق ہے اسے تو ضرور دغا دیں گے۔ آج نہیں سال بھر بعد، لیکن جہاں تک ہمارا تعلق ہے، کیا دغا دے سکتے ہیں؟ ہم نے دام تو پہلے ہی کھرے کر لئے،

حمید :- (مسکرا کر) بڑی چلتی ہوئی ہو، خدا پناہ میں رکھے تم سے!

انوری :- اور تو ——— ؟ تو بھی تو اُستاد ہے اُستاد!

حمید :- لیکن تمہارا شاگرد بننے پر مجھے فخر ہے،

انوری :- اے چل ہٹ، باتیں نہ بنا خواہ مخواہ کی،

اتنے میں شبراتن ہانپتی کانپتی حاضر ہوئی، چہرہ سفید، بدن میں تھرتھراہٹ اس کا یہ رنگ دیکھ کر انوری بھی پریشان ہو گئی اور حمید بھی گھبرا گیا دونوں نے سوال کیا،

انوری :- کیا بات ہے بوا، اتنی گھبرائی ہوئی کیوں ہو؟

حمید :- ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے چوری ہو گئی گھر میں؟ ——— چپ کیوں ہو بتاؤ؟

شبراتن :۔ جو چاہو کہو، لیکن غضب ہو گیا، اللہ قسم!

انوری :۔ کیا ہوا، کچھ کہو تو؟

شبراتن :۔ شائستہ گھر میں نہیں ہے؟

حمید :۔ (ہنس کر) یوں کہو کمرہ میں نہیں ہے، گھر سے کہاں جا سکتی ہے؟ غسلخانے میں ہو گی،

شبراتن :۔ میں نے تو چپہ چپہ ڈھونڈ ڈالا، مجھے کہیں نظر نہیں آئی، اور سب سے زیادہ حیرت کی بات یہ ہے کہ میز پر سارا زیور اُترا ہوا رکھا ہے، جو کپڑے تم نے اُسے دیئے تھے، وہ رکھے ہیں!

انوری :۔ (حواس باختہ ہو کر) ایں، کیا کہا؟

شبراتن :۔ ہاں سچ،

حمید :۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ ——————— غلط!

شبراتن :۔ چلو، چل کر دیکھ لو"

انوری اور حمید شبراتن کے ساتھ شائستہ کے کمرے میں پہنچے واقعی کپڑے سلیقہ سے تہ کئے رکھے تھے، زیور بھی جوں کا توں موجود تھا، انور نے حمید کو مشکوک نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا،

"یہ کیا ہو گیا؟"

وہ خود حواس باختہ ہو رہا تھا، اس کے پاؤں تلے سے زمین نکلی جا رہی تھی، سارا پروگرام درہم برہم ہوا جا رہا تھا، مری ہوئی آواز میں بولا،

"میں کیا جانوں ؟"

اتنی دیر میں طلعت اور نزہت بھی آ گئیں، انہیں بھی سن گن مل گئی تھی طلعت نے آتے ہی سوال کیا،

"کیا شائستہ بھاگ گئی ؟"

نزہت بولی،

ہاں، یہ کیا اس کے کپڑے اور زیور رکھے ہیں !

طلعت کو بڑی خوشی ہوئی، اس نے کہا،

"لیکن تھی ایماندار، سارا سامان چھوڑ گئی، کچھ نہیں لے گئی اپنے ساتھ !

حمید کو غصہ آ گیا اس نے زور سے ایک چانٹا طلعت کے منہ پر جڑا اور کہا،

"تمہیں مذاق سوجھا ہے، نکل جاؤ حرامزادی یہاں سے، !"

وہ آنکھوں میں آنسو لئے چپ چاپ باہر نکل گئی، نزہت اب تک کھڑی تھی، اور حمید کو اس سے انتقام لینے کا اس سے بہتر موقع نہیں مل سکتا تھا، اس نے نزہت کی پیٹھ پر بھی ایک زوردار گھونسہ لگایا اور کہا

"یہاں کیوں کھڑی ہے ؟ کیا کوئی تماشہ ہو رہا ہے ؟"

وہ بھی ڈبڈبائی ہوئی آنکھوں کے ساتھ چلی گئی، الوری نے ایک ٹھنڈی سانس لیتے ہوئے کہا،

"کچھ سمجھ میں نہیں آتا یہ ہو کیا گیا ؟"

حمید نے جواب دیا،

"کیا بتاؤں آپا، میرے تو خود حواس گم ہیں، اس گھر میں تو ایسا کبھی نہیں ہوا تھا،

انوری:- اب ہوگا کیا؟ حمید بتا اب کیا ہوگا؟

حمید:- تم ہی بتاؤ، میری تو عقل دنگ ہے،

انوری:- کیا پولیس میں رپٹ کرائیں جاکر؟

حمید:- میں نہیں جانتا، سوچ لو، کہیں لینے کے دینے نہ پڑ جائیں؟

انوری:- یہی میں بھی سوچ رہی ہوں، یہ حرام خور ایسا داغ دے گئی ہے، جو زندگی بھر ہرا رہے گا،

حمید:- ہاں اور کیا، خدا کی قسم،

انوری:- یہ سب تمہاری وجہ سے ہوا، بڑے خراب آدمی ہو،

حمید:- میری وجہ سے؟ میں نے کیا کیا؟

انوری:- تمہاری مار کھا کر وہ جان پر کھیل گئی، ورنہ ہرگز نہ بھاگتی، آخر ضرورت کیا تھی ایسا زوردار طمانچہ مارنے کی؟

حمید:- یہ تو ہمیشہ ہی ہوتا رہا ہے، آج ہی میں نے ابھی تمہارے سامنے طلعت اور نزہت کو مارا ہے، کیا یہ بھاگ جائیں گی؟

انوری:- اب تو وہ انتظام کروں گی کہ طلعت اور نزہت کیا جن بھی میری قید سے نہیں نکل سکے گا، لیکن یہ بُرا ہوا، !

یہ لوگ اسی طرح ایک دوسرے پر الزام رکھنے کی کوشش کر رہے تھے اور ساتھ ہی ساتھ تعزیت و تسلی بھی دے رہے تھے کہ فیضو دوڑا دوڑا

(۲۱)

ڈگمگاتے ہوئے پاؤں،

شائستہ، انوری کے گھر سے اس طرح نکلی، جیسے کڑی کمان سے تیر نکلتا ہے، وہ چادر میں لپٹی، لرزاں و ترساں، حیران و پریشان، ملول و مضطر، نالاں و گریاں، ڈگمگاتے ہوئے قدموں سے ناک کی سیدھ چلتی رہی، راستہ میں جو آدمی نظر آجاتا، اُسے دیکھ کر کانپ جاتی، جو سپاہی دکھائی دیتا اس پر نظر پڑتے ہی، لرزنے لگتی، کسی عورت، یا مرد، یا بچہ کو اپنی طرف دیکھتا ہوا دیکھتی تو دل زور زور سے دھڑکنے لگتا، یہاں تک کہ وہ اس رقبہ میں پہنچ گئی، جہاں خوبصورت کوٹھیاں تھیں، شاندار بنگلے تھے، وسیع اور کشادہ حویلیاں تھیں، یہ علاقہ سول لائن کہلاتا تھا، اور یہاں صرف بڑے اُور دولت مند لوگ، یا پھر اونچے درجے کے سرکاری ملازم رہتے تھے، وہ ایک ایک کوٹھی اور بنگلے کا نمبر دیکھتی ہوئی، آخر ۱۳ نمبر کی کوٹھی پر جاکر رک گئی، سوچنے لگی،

آیا، حمید نے اس کی طرف دیکھا، پُوچھا،

"کیا ہے ؟ ــــــــــــــــــــ"

فیضو :- وہ آئے ہیں نواب صاحب لے آؤں یہاں ؟"

انوری بھاگی،

"ہائے غضب ہو گیا، موئے یہاں مت لا، اپنی اماں، طلعت کے کمرہ میں بیٹھا !

پھر حمید سے کہا

"تم انہیں باتوں میں لگاؤ، میں ابھی آئی !"

"شبراتن نے یہی نمبر بتایا تھا، ضرور رابعہ خانم یہیں رہتی ہوں گی، !"

جی چاہا کہ دروازے میں قدم رکھے اور اندر چلی جائے، لیکن ہیاؤ نہ پڑا، ہمت نہ ہوئی، کبھی کوٹھی کو دیکھتی، کبھی کوٹھی کا نمبر دیکھتی، کبھی اپنے آپ کو ایک قدم بڑھتی، اور فوراً ہی بڑھا ہوا قدم واپس لے لیتی، یہی سوچ رہی تھی جاؤں یا نہ جاؤں؛ کوٹھی کا بوڑھا مالی، برابر اُسے اور اس کے اضطراب کو دیکھ رہا تھا، آخر وہ قریب آیا، اُس نے گرجدار آواز میں پوچھا

"لڑکی تو کون ہے؛ یہاں کیوں کھڑی ہے؟"

شائستہ کوئی جواب نہ دے سکی، بے بسی سے مالی کو دیکھا، اور نظر جھکالی،

مالی نے پھر پوچھا، اس مرتبہ شفقت کا رنگ غالب تھا،

"بیٹی تم یہاں کیوں کھڑی ہے؟"

اب شائستہ کی ہمت بندھی اور اُس نے اپنے بکھرے ہوئے حواس مجتمع کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا،

"۱۳ نمبر کی کوٹھی یہی ہے نا؟"

مالی نے جواب دیا،

"ہاں بیٹی یہی ہے پھر؟"

شائستہ نے پوچھا،

"کیا رابعہ خانم یہیں رہتی ہیں؟"

مالی انکار نہ کر سکا،

ہاں، یہ انہی کی کوٹھی ہے ——— تو؟

شائستہ نے، ماتھے کا پسینہ پونچھتے ہوئے جلدی سے کہا،

"میں ان سے ملنا چاہتی ہوں؟"

مالی:- تم انہیں کیسے جانتی ہو؟ ——— یہ تو بتاؤ ذرا،

شائستہ:- وہ مجھے نہیں جانتیں، میں انہیں جانتی ہوں،!"

مالی:- کیا کروگی ان سے مل کر؟

شائستہ:- ایک کام ہے ——— بڑا ضروری کام، بابا مجھے نہ روکو جانے دو - تمہارا کچھ بگڑے گا نہیں، میرا کام بن جائے گا، نہیں ثواب ملے گا!"

مالی کو ترس آگیا، اس نے راستہ دیتے ہوئے کہا،

"آؤ ———

شائستہ اس کے پیچھے پیچھے چلی، بہت جلد یہ دونوں کوٹھی کے زنانہ حصہ میں پہنچ گئے، بڑی شاندار اور دیدہ زیب کوٹھی تھی، سلیقہ ایک ایک چیز سے نمایاں تھا، امارت، ہر ہر بات سے ٹپکی پڑتی تھی، شائستہ کوٹھی کی سجاوٹ پر نظر ڈالتی ہوئی، مالی کے ساتھ ایک کمرے میں پہنچی، یہ ایک وسیع اور کشادہ کمرہ تھا، ہر قسم کے ضروری سامان سے آراستہ یہاں صوفے پر بیٹھی ایک عورت اخبار پڑھ رہی تھی، عمر ۳۰، ۳۲ سال کے لگ بھگ ہوگی، لیکن بڑھاپے نے اس خوبصورت اور شاندار جسم پر ڈیرا ابھی سے ڈال دیا تھا، چہرہ پر رعب اور وقار غضب کا تھا، پاس ہی ایک نہایت خوبصورت

بچی جس کی عمر تقریباً چھ سال کی ہو گی بیٹھی تھی، اس نے اس خاتون سے کہا
"دیکھئے مالی کے ساتھ یہ کون آیا ہے ؟"
خاتون نے جو رالبعہ خانم تھیں نظر اُٹھا کر، مالی کو، پھر شائستہ کو دیکھا، پھر مالی سے کہا،
"کون ہے یہ لڑکی ؟ ———— کیا تمہاری کچھ ہے ؟"
وہ ہاتھ جوڑ کر بولا،
"جی نہیں سرکار، میری تو نہیں، لیکن ہے کوئی شریف لڑکی! ———— کہہ رہی تھی مجھے سرکار سے ملا دو، میں نے پوچھا وہ جانتی ہیں تجھے؟ کہنے لگی، نہیں وہ تو مجھے نہیں جانتیں، میں جانتی ہوں،!"
رالبعہ خانم نے نظر اُٹھا کر پھر شائستہ کو دیکھا اور مالی سے کہا،
"اچھا تم جاؤ ؟"
مالی نے انگوچھا کاندھے پر ڈالا، اور چلا گیا، رالبعہ خانم نے شائستہ سے پوچھا۔
"کیا نام ہے تمہارا ؟"
اس نے ادب سے جواب دیا،
"شائستہ کہتے ہیں مجھے،!
رالبعہ خانم:۔ کہاں کی رہنے والی ہو ؟
شائستہ:۔ یہ نہ پوچھئے،
رالبعہ خانم:۔ باپ کا نام کیا ہے ؟

شائستہ :۔ یہ بھی نہیں بتا سکتی!!

رابعہ خانم :۔ (تیوری چڑھاکر) یہ کیا لغویت ہے، اگر تم ہمارے سوال کا جواب نہیں دے سکتیں تو یہاں آئی کیوں ہو؟

شائستہ :۔ میں نے آپ کے رحم و کرم کی داستانیں سنی ہیں، آپ کی شرافت اور انسانیت کے افسانے سنے ہیں، آپ کی رحمدلی اور خدا ترسی کے قصّے سنے ہیں، میں بھی ایک انسان ہوں، زمانہ کی ٹھکرائی ہوئی مقدر کی ستائی ہوئی، تباہ حال، آشفتہ روزگار —————— آپ میرے والد کا نام پوچھ کر کیا کریں گی؟ ظاہر ہے؛ نہیں آپ نہیں جانتیں، آپ میرے وطن کا نام معلوم کرکے کیا کریں گی؛ کھلی ہوئی بات ہے۔ آپ کو اس سے کوئی دلچسپی نہیں، میرے حالِ زار پر اگر آپ کو رحم آ سکے تو یہ میری خوش قسمتی ہوگی، میں سمجھوں گی، مجھے ابھی زندہ رہنے کا حق ہے۔

رابعہ خانم :۔ (متاثر ہوکر) آخر چاہتی کیا ہو؟ یہ تو بتاؤ، میں تمہاری مدد کرنے کو تیار ہوں؛

شائستہ :۔ مجھے نوکر رکھ لیجئے، اپنے پاس،

رابعہ خانم :۔ نوکر؟ —————— تم نوکری کرو گی؟ یہ سن، یہ صورت ——————

شائستہ :۔ کہیں تیزاب نہیں ملتا کہ اپنی صورت بگاڑ لوں، کوئی ایسا نسخہ نہیں معلوم کہ بوڑھی نظر آؤں، زہر بھی نہیں ملتا کہ کھاکر سو رہوں ہمیشہ

کے لئے،

رابعہ خانم:۔ (ترس کھا کر) اتنی پریشان اور بدحواس کیوں ہو؟ ——
اگر سچ سچ حالات بتادوگی تو اپنے پاس رکھ لوں گی، اور وعدہ کرتی ہوں کہ کسی طرح کی تکلیف نہیں ہونے دوں گی، بے شک وطن خاندان، باپ، ماں کسی کا نام نہ بتاؤ، لیکن تمہاری داستان پوری اور بے کم و کاست معلوم ہونی چاہیئے مجھے!

شائستہ:۔ ایک ایک چیز بتادوں گی، خدا کی قسم ایک بات بھی نہیں چھپاؤں گی، لیکن پھر آپ مجھ سے نفرت تو نہیں کرنے لگیں گی ——؟

رابعہ خانم:۔ امید تو نہیں کہ تم جیسی لڑکی سے نفرت کرسکوں؟

شائستہ:۔ اب نہیں میرے حالات سُن کر!

رابعہ خانم:۔ آخر وہ ایسے کون سے خوفناک اور شرمناک حالات ہیں؟

شائستہ:۔ آپ کی نظر میں تو ضرور ہوں گے،

رابعہ خانم:۔ یہ کچھ ضروری نہیں —— لیکن تم اپنی داستان کہہ چلو،

شائستہ:۔ میں اپنے گھر سے بھاگ کر اس شہر میں پہنچی ہوں،؟

رابعہ خانم:۔ (حیرت سے) گویا دوسرے شہر سے اس شہر میں آئی ہو؟

شائستہ:۔ جی ——

رابعہ خانم:۔ بس تو وہ داستان یہیں سے شروع ہوتی ہے ——

بتاؤ کیوں ؛ —————— تم جیسی لڑکی جو گھر سے بے گھر اور وطن سے بے وطن ہوتی ہے، ضرور کوئی خاص بات ہوگی،

شائستہ نے تائید میں گردن ہلائی، اور پھر ایک سانس میں اپنی ساری کتھا سُنا ڈالی، !

---

(۲۲)

نیا گھر، نئے لوگ

شائستہ کی داستان ختم ہو گئی،!

رابعہ خانم نے یہ داستان، باچشم پرنم سنی؛ اس کے حالات و مصائب سے وہ بہت متاثر ہوئیں، اُنہوں نے کہا،

"تم اس گھر میں رہو، یہ میری بچی ہے تنویر، بہت شریر ہے، اسے دلچسپ اور اچھے کاموں میں بہلائے رکھو، شرارت، نہ کرنے دو، کچھ اردو بھی پڑھا دیا کرو، میں تمہیں پچاس روپے ماہوار دوں گی، تمہاری یہ تنخواہ جمع ہوتی رہے گی، جب چاہو لے لینا، باقی تمہارے سارے مصارف ہمارے ذمہ ہوں گے،!

شائستہ نے شکر گذار نظروں سے رابعہ خانم کو دیکھا، کچھ کہنا چاہا، لیکن نہ کہہ سکی،!

رابعہ خانم نے آواز دی،

"سکینہ، !"

فوراً، ایک ملازمہ سامنے آکر ادب سے کھڑی ہوگئی،

"جی سرکار، !"

رابعہ خانم نے کہا،

"ڈرائنگ روم کے پاس جو کمرہ ہے، وہ جلدی سے شائستہ کے لئے خالی کرکے سجا دو، !"

"بہت بہتر، ابھی لیجئے، !"

سکینہ چلی گئی،

رابعہ خانم نے پھر آواز دی،

"مغلانی، ——————

آواز آئی،

"جی حاضر ہوئی، !"

بڑے پائنچوں کا پاجامہ پہنے بی مغلانی نمودار ہوئیں، بوڑھی ہو چلی تھیں، لیکن ٹھاٹھ جوانوں کی سی بات کرتے تھے،

رابعہ خانم نے کہا

"دیکھئے، یہ شائستہ ہے، تربیت کی نگرانی اور نگہبانی ہم نے اس کے ذمہ رکھی ہے، آپ دونوں کو بلوائیے، وہ اس کی ناپ لے لے، اور چھ جوڑے کپڑے، توشہ خانہ سے حسب ضرورت کپڑا لے کر جلد از جلد سلوا دیجئے !"

"فوراً تعمیل ہو گی سرکار کے حکم کی ——— آؤ بیٹی شائستہ"!

مغلانی شائستہ کو لے کر، اپنے ساتھ چلی گئیں،!

مغلانی سے فراغت پا کر، شائستہ اپنے کمرہ میں چلی گئی، اچھا مختصر سا کمرہ تھا، بجلی کی روشنی، نواڑ کی چارپائی، صاف ستھری چادر، تکیہ، کمبل رضائی، چادر، میز کرسی، آئینہ، آرائش کے دوسرے لوازمات موجود، ایک الماری میں اُردو کی بہت سی کتابیں، ان سب چیزوں کو دیکھ کر شائستہ بہت خوش ہوئی، اسے زندگی میں اتنا سکون کبھی نہیں ملا تھا، جتنا اس وقت اس گھر میں حاصل ہوا،

سکینہ بھی نیک اور سیدھی عورت تھی، اُس نے ان سب چیزوں کا چارج دے کر ملنساہت کے لہجہ میں کہا،

"بیٹی اور کسی چیز کی ضرورت ہو تو بتا دو، مہیا کر دی جائے،!"

وہ بولی،

"اگر ضرورت محسوس ہوتی تو بتا دوں گی، اس وقت تو ٹھیک ہے سب کچھ،"

سکینہ:- کیا تنخواہ دیں گی خانم صاحبہ تمہیں؟

شائستہ:- پچاس روپے کہہ رہی تھیں؛

سکینہ: وہ دیکھا کتنی اچھی ہیں ہماری خانم صاحبہ؟

شائستہ:- ہاں بہت اچھی ——— مجھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے جنت مل گئی یہاں آ کر!

سکینہ:- تمہی کو نہیں، ہم سب کو یہی محسوس ہوتا ہے، کہنے کو میری تنخواہ

پندرہ روپے ہے، لیکن سچ کہتی ہوں، حساب لگاکر تو انعام اکرام وغیرہ ملا کر پچاس تو بھی کر پڑ جاتے ہوں گے، مغلانی کو تیس روپے ملتے ہیں، لیکن وہ بھی موج اڑاتی ہیں، مزے کرتی ہیں خدا ہماری خانم کا دل ٹھنڈا رکھے،

شائستہ:- آمین،

سکینہ:- بڑا دل دکھا ہوا ہے بیچاری کا،

شائستہ:- کیوں؟ بظاہر تو کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی دل دکھنے کی، خدا کا دیا سب کچھ ہے، کمی ہے کسی چیز کی؟ غم کا ہے کا؟ بھلا ایسے لوگوں کا دل بھی دکھ سکتا ہے؟

سکینہ:- (ٹھنڈی سانس لے کر) کیا تم جانتی ہو بیٹی —————— جن کے رتبے ہیں، ان کو سوا مشکل ہے —————— !

شائستہ:- ہوگی کوئی خاص بات، ہم کیا جانیں؛

سکینہ:- خدا کا دیا تو سب کچھ ہے، باپ کی طرف سے بھی، اور شوہر کی طرف سے بھی، باپ کی جائیداد سے، جو آمدنی ہوتی ہے، وہ کسی طرح دو تین ہزار سے کم نہیں ہے، شوہر کی تو پوری جائیداد انہی کی ہے، آٹھ لاکھ روپیہ تو نقد چھوڑا ہے، کئی لاکھ کی جائیداد ہے، مکانات (دکانات) اور بہت کچھ،!

شائستہ:- کیا شوہر کا انتقال ہو گیا؟

سکینہ:- ہاں بیٹی —————— وہ پار سال ہوائی جہاز ٹوٹا تھا نا؛ اس

ہیں وہ بھی تھے، خدا مغفرت کرے، بڑے اچھے آدمی تھے، ایسا فرشتہ آدمی میں نے زندگی بھر نہیں دیکھا،

شائستہ :- ہا ——— ! بس صرف ایک لڑکی ہی ہے تمیز پر ؛

سکینہ :- ہاں بس یہی ہے، خدا اُسے سلامت رکھے، ایک بھائی بھی تھا لیکن وہ چیچک کی نذر ہوگیا، شہزادہ تھا شہزادہ،

شائستہ :- تو گھر بار اور جائیداد کی دیکھ بھال بھی کرتی ہیں خانم صاحبہ؟

سکینہ :- ہاں اور کون کرے گا ؛ بڑی پڑھی لکھی ہیں، بی اے ہیں بی۔اے،

شائستہ :- اچھا ——— بی اے ہیں ؟

سکینہ :- ہاں اور کیا ؛

شائستہ :- خانم صاحب کے والد کا بھی انتقال ہوگیا کیا ؟

سکینہ :- ہاں انہیں گذرے تو بہت دن ہوئے،

شائستہ :- ان کے بھی بس یہی ایک لڑکی تھیں ——— ؟

سکینہ :- نہیں ——— ! اللہ رکھے بھائی بھی ہے خانم صاحبہ کا،

شائستہ :- چھوٹا یا بڑا ؛

سکینہ :- چھوٹا ——— لیکن کھوٹا ! وہی تو کلیجہ چبا رہا ہے خانم کا، !

شائستہ :- یہ کیا کہا تم نے، کھوٹا کیوں ؛

سکینہ :- اے اور کیا بیٹی، کہنے کو ایم اے ہے، بالسٹر کا امتحان بھی لندن سے پاس کر آیا ہے اللہ رکھے خانم صاحبہ کے باپ بھی بہت بڑے بالسٹر تھے، اس شہر میں کون ہے جو شاکر علی بالسٹر کے نام سے واقف

نہیں ؟

شائستہ :۔ ہاں ہیں سمجھی تو خانم صاحبہ کے بھائی بیرسٹری کرتے ہیں ——— لیکن کہاں ؟ یہیں ؟

سکینہ :۔ (طنز سے) ہونھ ——— بالسٹری کریں گے ،

شائستہ :۔ پھر کیا کرتے ہیں آخر ؟

سکینہ :۔ بتاؤں کہاں ہیں آج کل ؟

شائستہ :۔ کہیں پہاڑ پر گئے ہوں گے سیر سپاٹے کے لئے ،

سکینہ :۔ نہیں بیٹی ، وہ سیر کرنے جیل گئے ہیں ! ——— جیل خانہ ، آیا سمجھ میں ؟

شائستہ :۔ (چونک کر) جیل ؟ ——— خانم صاحبہ کے بھائی جیل میں ہیں ؟

سکینہ :۔ ہاں ——— وہی تو میں کہہ رہی تھی ، خانم صاحبہ کو سکھ نہیں ملتا ، غموں کے بوجھ سے پسا جا رہا ہے ان کا دل ،

شائستہ :۔ چہ چہ ——— جب آنا ردپیہ پیسہ ہے تو خوب خرچ کر کے چھڑا لیا ہوتا ، آخر یہ کس دن کام آئے گا ؟

سکینہ :۔ خانم صاحبہ نے پانی کی طرح روپیہ بہایا ، لیکن جب اپنا ہی سونا کھوٹا ، تو پرکھنے والے کا کیا دوش ؟

شائستہ :۔ یعنی ——— ؟

سکینہ :۔ یعنی کیا ، جج سے لڑ پڑے ، کہاں تو وہ چھوڑنے والا تھا کہاں چھ مہینہ کی جیل کر دی !!

شائستہ :- ارے، جج صاحب سے لڑ پڑے، کچھ دماغ خراب ہے کیا ؛

سکینہ :- اور نہیں تو کیا ؛ دماغ خراب نہ ہوتا تو جیل میں کیوں ہوتے آج ؟

شائستہ :- پھر جیل کی بجائے پاگل خانے بھیجنا چاہیے تھا انہیں ، !

سکینہ :- ہٹو بھی، تم بھی مذاق کرنے لگیں ، !

شائستہ ہنسنے لگی ، !

---

(۲۳)

چور

سکینہ کے جانے کے بعد شائستہ نے سوچا، اب جاؤں ذرا تنویر کی خبر لوں، وہ سیدھی رالعبہ خانم کے پاس پہنچی، تنویر وہاں بیٹھی، اپنی نئی نویلی گڑیا سے کھیل رہی تھی، اسے دیکھتے ہی رالعبہ خانم مسکرائیں، اور تنویر سے گویا ہوئیں،

"بیٹی اب مجھے معاف کرو، یہ تمہاری شائستہ آپا آگئی ہیں، ان کے ساتھ اپنے کمرہ میں جاؤ، وہاں کھیلو بھی، اور اپنی کتابیں، تصویریں، گڑیاں، اور دوسری چیزیں بھی دکھاؤ، ان کو!

ماں کے پاس بیٹھ کر، کھیلنے کی یک رنگی سے وہ بھی عاجز آچکی تھی، اس نئے شکار (شائستہ) کی طرف اس نے فوراً توجہ کی، اُٹھ کھڑی ہوئی اور شائستہ کی انگلی پکڑتے ہوئے کہا،

"چلیئے ہمارے کمرہ میں!"

شائستہ، سکینہ کے کمرہ میں پہنچی، جو گویا اس کا "اسٹڈی روم" بھی تھا اور "پلے گراؤنڈ" بھی، سب سے پہلے تو اُس نے اپنی گڑیوں کا تعارف کرایا، مع ہر ہر گڑیا کی تاریخ ولادت، اور شجرۂ نسب کے، پھر چھوٹی چھوٹی بالتصویر کتابیں دکھائیں، اُردو کی بھی اور انگریزی کی بھی اس کے بعد اپنا البم لے کر بیٹھ گئی، اور تصویریں دکھانے لگی،

سب سے پہلے اپنی تصویر دکھائی، اور مسکراتے ہوئے پوچھا،

"اس لڑکی کو جانتی ہیں آپ؟"

شائستہ نے مسکرا کر جواب دیا،

"ہاں میں جانتی ہوں، بڑی شریر لڑکی ہے یہ، اس کا نام تنویر ہے!"

تنویر مسکرانے لگی، پھر اُس نے ایک تصویر پر انگلی رکھ دی،

"اور یہ؟"

شائستہ نے جواب دیا،

"یہ ہیں ہماری رابعہ خانم، تنویر کی والدہ!"

شائستہ کی ذہانت اور حاضر جوابی سے تنویر خوش ہوئی، پھر اُس نے ایک تصویر نکالی، یہ ایک جوان عمر اور فیشن ایبل شخص کی تصویر تھی، چہرے سے رعب برس رہا تھا، تنویر نے پوچھا،

"کیا آپ انہیں بھی پہچانتی ہیں؟

شائستہ بولی،

نہیں بھئی، انہیں تو نہیں پہچانتی، بتاؤ کون صاحب ہیں یہ؟ ——

بغیر تمہارے بتائے ہم کیسے جان سکتے ہیں ؟
تنویر نے بڑی معصومیت کے ساتھ کہا،

"یہ ہمارے پاپا ہیں ———— ہیں نا خوبصورت ؟"
شائستہ نے تائید کی،

"ہاں بہت زیادہ ؛"
البم کی ایک اور تصویر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے تنویر نے پوچھا،
"انہیں بتایئے ———— کیا پہچان لیا آپ نے ؛
یہ ایک ضعیف اور بوڑھے، لیکن وجیہہ اور باقاعدہ شخص کی تصویر تھی۔ شکاری لباس پہنے بندوق ہاتھ میں لئے کھڑا تھا، اور پاس ہی ایک مرا ہوا شیر پڑا تھا، شائستہ نے تصویر دیکھ کر انکار میں سر ہلایا،
"میں تو نہیں پہچان سکی، ان صاحب کو، اب تم ہی بتاؤ !"
تنویر نے آمادگی کے ساتھ کہا،
"ہاں بتاتی ہوں ———— یہ ہماری ممی کے پاپا ہیں، !"
شائستہ نے غور سے تصویر کو دیکھتے ہوئے کہا،
"اوہ، اچھا ———— یہ تمہارے نانا کی تصویر ہے !"
تنویر نے جواب دیا،
"جی ہاں ———— دیکھیے کتنے اچھے لگ رہے ہیں ؛"
شائستہ کو بھی تائید کرنا پڑی،
"ہاں بہت اچھے !"

تنویر نے پھر البم کی ایک تصویر نکالی، اور اس پر انگلی رکھ کر کہا،
"دیکھئے یہ کون ہے؟"
یہ ایک نوجوان شخص کی تصویر تھی، بڑی بڑی آنکھیں ستواں ناک،
کشادہ پیشانی، تر و تازہ چہرہ، آنکھوں میں شوخی اور شرارت کی جھلک،
ہونٹوں پر تبسم، تبسم میں دل آویزی اور سحر طرازی تھی،
شائستہ نے تصویر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا،
"بتاؤ کون ہیں یہ صاحب؟"
وہ بولی،
"یہ ہیں ہمارے ماموں جان!"
شائستہ:۔ (حیرت سے) اچھا تو یہ تمہارے ماموں جان ہیں؟"
تنویر:۔ جی ——— اور ان کا نام ہے انجم میاں!
شائستہ:۔ واہ بھئی واہ، یہ بھی بڑے اچھے، اور ان کا نام بھی بڑا اچھا،
تنویر:۔ آپ کو بھی بہت اچھے لگتے ہیں یہ؟"
شائستہ:۔ (جھکرا کر) ہاں بھئی کیوں نہیں،؟
تنویر:۔ ہمیں بھی بہت اچھے لگتے ہیں،
شائستہ:۔ تمہارے تو یہ ماموں ہیں،
تنویر:۔ اور آپ کے ——— ؟ آپ کے کون ہیں یہ؟
شائستہ:۔ (مسکراتے ہوئے) میرے بھی ماموں ہی ہیں!!
تنویر اور شائستہ دونوں کو ہنسی آگئی،

شائستہ :- تمہارے ماموں جان نظر نہیں آئے ——— کیا وہ کہیں اور رہتے ہیں ؟

تنویر :- آج کل وہ جیل میں ہیں ،

شائستہ :- (حیرت کا اظہار کرکے) جیل میں ہیں ،

تنویر :- جی ہاں ——— پرسوں ممی کے ساتھ میں ان سے ملنے گئی تھی ، بڑا پیار کیا ، آپ ہوتیں تو آپ کو بھی پیار کرتے ، !

شائستہ نے گھبرا کر ادھر ادھر دیکھا کہ اس معصوم بچّی کی باتیں کوئی اور تو نہیں سُن رہا ہے ، پھر اُسے سمجھاتے ہوئے کہا ،

"ایسی باتیں نہیں کرتے ، !"

تنویر :- کیوں ؟

شائستہ :- بُری بات ،

تنویر :- کیا پیار کرنا بُری بات ہے ؟

شائستہ :- ہاں ——— بہت بُری ، بڑی خراب ، چھی ، !

تنویر :- اچھا تو اب انہیں منع کر دوں گی ، نہیں کرنے دوں گی پیار ،

شائستہ :- نہیں نہیں ان سے کچھ نہ کہنا ،

تنویر :- پھر وہ بُری بات کیوں کرتے ہیں ؟ میں تو ابھی جا کر ممی سے کہوں گی کہ ماموں کو منع کر دیں ، مجھے پیار نہ کیا کریں ، بُری بات ہے یہ -

شائستہ :- پریشان ہو کر) نہیں بھئی خدا کے لئے ممی سے یا ماموں سے کچھ نہ

کہنا، میں نے یُونہی مذاق میں ایک بات کہہ دی تھی،

تنویر:- تو پھر آنہیں اب پیار کرنے سے منع نہ کروں ؟

شائستہ:- نہیں، ہرگز نہیں، یہ تو بڑی اچھی بات ہے،

تنویر:- تو پھر آپ کو بھی پیار کرنا پڑے گا،

شائستہ:- (دانتوں تلے انگلی دبا کر) ہائے، خبردار ——— !

تنویر:- کیوں کیا وہ آپ کے ماموں نہیں ہیں ؟

شائستہ:- تم نے تو پریشان کر دیا ——— دیکھو بات یہ ہے کہ پیار بچوں کو کیا جاتا ہے، بڑوں کو نہیں، تم بچہ ہو، تمہیں ہر شخص پیار کر سکتا ہے، میں تو بڑی ہوں، کہیں بڑوں کو بھی کوئی پیار کرتا ہے ؟

تنویر:- یہ بات پہلے کیوں نہیں بتائی آپ نے ؟

شائستہ:- اب بتا دی، اب تو سمجھ گئیں تم ؟

تنویر:- جی ہاں اچھی طرح،

شائستہ:- اب تو ممی یا ماموں سے یہ بات نہیں کہو گی ؟

تنویر:- نہیں، اب کیوں کہنے لگی،

شائستہ:- ایک بات تو تم نے بتائی نہیں تنویر!

تنویر:- آپ نے پوچھی کب کوئی بات ؟

شائستہ:- ہاں بھئی غلطی ہمی سے ہوئی، یہ بتاؤ تمہارے ماموں جیل سے کب رہا ہو کر آئیں گے ؟

تنویر :- ابھی ان کے چھوٹنے میں بہت دن ہیں، !

شائستہ :- آخر کتنے دن ؟

تنویر :- ممی کہہ رہی تھیں ابھی دو ہفتے باقی ہیں، !

شائستہ :- (ہنستے ہوئے) دو ہفتے بہت دن ہوتے ہیں پگلی ؛

تنویر :- اچھا، البم رکھ دوں، اب تو کچھ نہیں دیکھنا ہے آپ کو ؛

شائستہ :- ہاں رکھ دو، اب باقی ہی کیا ہے، جو دیکھوں گی، سب کچھ تو دیکھ لیا، دیکھو احتیاط سے رکھنا، !

تنویر :- آپا، آپ تو چوری نہیں کرتیں ؟

شائستہ :- (زچ ہو کر) نہیں ——————— بھلا چوری کیسے کر سکتی ہوں میں ؛

تنویر :- ماموں جان کیسے کرتے ہیں ؛

شائستہ :- (زیر لب تبسم کے ساتھ) تمہارے ماموں جان چور ہیں ؛ چوری کرتے ہیں ؛

تنویر :- ہاں ——— اسی لئے تو جیل بھجوا دیا میں نے انہیں،

شائستہ :- تم نے جیل بھجوایا ہے انہیں ؛ کیا چرایا تھا انہوں نے تمہارا ؛

تنویر :- تصویریں ——— جب دیکھو جب میری تصویریں چرا لیا کرتے ہیں، پھر بہت سا پیار کرنے کے بعد واپس کرتے ہیں،

شائستہ :- (مسکراتے ہوئے) بڑے خراب ہیں تمہارے ماموں جان،

تنویر :- نہیں نہیں، انہیں خراب نہ کہئے، ممی نے سن لیا تو بہت ماریں گی، وہ انہیں بہت چاہتی ہیں، اکثر یاد کر کر کے رو دیا کرتی ہیں ——— !

شائستہ :۔(جھوٹ موٹ ڈر کے) یہ بات ہے تو پھر اب انہیں کبھی خراب آدمی نہیں کہوں گی! ——— کیا تم بھی انہیں چاہتی ہو ؟

تنویر :۔کیوں نہیں، میں تو انہیں ممی سے بھی زیادہ چاہتی ہوں، !

شائستہ :۔پھر جیل کیوں بھجوا دیا ان کو ؟

تنویر :۔انہوں نے چوری کیوں کی ؟

شائستہ کو پھر ہنسی آگئی، !

---

(۲۴)

آج گھر میں بڑی چہل پہل تھی، ہر شخص بہت خوش تھا ——————

کل انجم میاں جیل سے رہا ہو رہے تھے، !

رالعبہ خانم نے بہ نفس نفیس سارے گھر کی صفائی کرائی، رنگ روغن کرایا، انجم کے لئے جو کمرہ مخصوص تھا، اسے تو دلہن بنا دیا، تنویر کی تو باچھیں کھلی جا رہی تھیں، رالعبہ خانم کا بھی یہ حال تھا، وفورِ مسرت سے بند قبا ٹوٹے جا رہے تھے، شائستہ برابر اُن کے ساتھ کام میں لگی رہی، رالعبہ اور شائستہ ہلکان ہو گئیں، کام کرتے کرتے، اب سہ پہر کا وقت تھا، چائے تیار ہو کر آئی، اور دونوں آمنے سامنے بیٹھ کر چائے پینے اور باتیں کرنے لگیں، رالعبہ نے کہا،

"آج میرا دل جتنا خوش ہے میں ہی جانتی ہوں،

شائستہ:- وہ تو ہونا ہی چاہیئے، بہت بڑی نعمت ہے بھائی کا وجود،

رابعہ خانم :۔ ہاں بے شک ——— لیکن وہ میرا بھائی ہے، لڑکا بھی، اور روح رواں بھی، اماں کے انتقال کے بعد جب وہ چھوٹا سا لڑکا تھا، اور میں بھی کچھ زیادہ بڑی نہ تھی ۔ ہم دونوں بہن بھائیوں سات سال کا فرق ہے، میں ہی اس کی نگہبانی اور نگرانی کرتی رہی، وہ بھی مجھ پر جان دیتا ہے لیکن بڑا نافرمان ہے ۔

شائستہ :۔ آپ کا کہا نہیں مانتے ہوں گے ؟

رابعہ خانم :۔ بالکل نہیں ——— دیکھو نا، میں نے کتنا کتنا سمجھایا، لیکن ایک نہ سنی، جیل چلا گیا،

شائستہ :۔ بڑا برا کیا، نہ جانے تو کون سا نقصان ہو جاتا ؟

رابعہ خانم :۔ ساری دنیا یہی سمجھاتی ہے، لیکن وہ کس کی سنتا ہے، خود بہت بڑا بقراط اور افلاطون ہے ۔

شائستہ :۔ آخر جیل خانے کا اتنا شوق کیوں ہے انہیں ؟

رابعہ خانم :۔ جنون، دیوانگی، پاگل پن اور کیا ——— ؟ کسی اچھے بھلے آدمی کو تو ایسی سوجھ نہیں سکتی کسی طرح، !

شائستہ :۔ یہ بھی اچھی رہی،

رابعہ خانم :۔ اباجان کے دبدبے سے سارا شہر کانپتا تھا، بڑے بڑے امراء رؤسا ان کے سامنے سر جھکاتے تھے، ڈپٹی کمشنر سے لے کر گورنر تک ان سے نیازمندانہ طور پر ملتے تھے ——— مگر اس نے سب کو اپنا دشمن بنا لیا، !

شائستہ :- دشمن بنالیا؟ ——— یہ کیوں ؟ آخر اس کی کیا ضرورت تھی ؟

رابعہ خانم :- میں نے بتایا تو وہ خود بہت بڑا افلاطون اور بقراط ہے ۔ اور کیوں ——— ؟ اور کس لئے ؟

شائستہ :- پھر بھی کوئی وجہ تو ہو گی ؟

رابعہ خانم :- یوں تو ہزار وجہیں پیدا کی جا سکتی ہیں ،

شائستہ :- (مسکراتے ہوئے) اُنہوں نے کہا ، میرا مطلب ہے انجم میاں نے کیا وجہ پیدا کی ، ؟ یہ بتائیے ،

رابعہ خانم :- انجم میاں کا فلسفہ سنو گی ——— ؟

شائستہ :- جی ہاں وہی تو پوچھ رہی ہوں ، فرمائیے ——— ؟

رابعہ خانم :- غریب ، غریب کیوں ہے ؟ امیر کیوں ہے ؟

شائستہ :- کیا مطلب ؟ میں بالکل نہیں سمجھی ،

رابعہ خانم :- سچ کہتی ہو ، مجھے بھی یہی اندیشہ تھا ،

شائستہ :- تو ذرا صاف صاف سمجھا دیجئے نا ——— !

رابعہ خانم :- صاف صاف یہ کہ ، غریب امیر کیوں نہیں ہو جاتا ؟ اور امیر ٹھیکرا ہاتھ میں لے کر بھیک کیوں نہیں مانگنے لگتا ——— ۔

شائستہ :- (حیران ہو کر) ایں ؟ ——— کیا فرمایا آپ نے ؟

رابعہ خانم :- اب بھی نہیں سمجھیں ؟

شائستہ :- سمجھی تو لیکن ———

رالعبہ خانم :۔ لیکن وکین کچھ نہیں اس ہمارے انجم صاحب کا یہی فیصلہ ہے، اور اسی پر ان کا عمل ہے ،

شائستہ :۔ عمل کس طرح ہے ؟ ———— کیا امیروں کے ہاں چوری کر کے غریبوں کے ہاں بانٹ دیتے ہیں ؟

رالعبہ خانم :۔ چوری کے لئے خود اپنا گھر کیا کم ہے ؟

شائستہ :۔ کیا وہ چوری کرتے ہیں آپ کے گھر میں ؟

رالعبہ خانم :۔ ہیں اور یہ گھر، اور میری ساری دولت سب اسی کی ہے، اپنا حصہ جو ہے وہ الگ، اللہ رکھے اب رہا ہو کر آنے والا ہے، دیکھ لینا تم بھی اس کی جلوہ طرازیاں ———— !

شائستہ :۔ آخر کیا کرتے ہیں وہ ؟

رالعبہ خانم :۔ ایک دن یک بیک معلوم ہوگا توشہ خانہ سے کتنی کمبل نئے اور اچھے غائب ہیں، پھر پتہ چلے گا، کتنی لحاف اور کپڑوں کے تھان لا پتہ ہیں، پھر انکشاف ہوگا، تجوری سے ہزاروں روپے لا پتہ ہیں، پھر کسی دن اتفاقاً یہ معلوم ہوگا، انبار خانہ سے منوں، گیہوں، چاول وغیرہ ڈاکہ لے گیا ؟ ———— سمجھیں کون ؟

شائستہ :۔ نہیں ———— انجم میاں ؟

رالعبہ خانم :۔ خدا انہیں سلامت رکھے اور کون ؟

شائستہ :۔ لیکن کیوں ؟

رالعبہ خانم :۔ اس لئے کہ وہ جاڑے میں کسی کو سلسلانے نہیں دیکھ سکتے ،

بہت سے غریبوں کے نام ان کے رجسٹر میں درج ہیں۔ جنہیں پابندی سے وہ ہر مہینہ ایک رقم دیتے رہتے ہیں، دیہات سے جب اناج آتا ہے، اس کی بھی اس طرح تقسیم شروع کر دیتے ہیں، پہلے تو مجھ سے مانگتے ہیں، لیکن جب میں اُن کی فرمائشیں پوری کرتے کرتے تھک کر انکار کر دیتی ہوں تو چوری کرنے لگتے ہیں ——

شائستہ:۔ اچھا یہ بات ہے؟

رابعہ خانم:۔ میں تو کہتی ہوں سب کچھ لے کر ایک ہی دن میں ساری دُنیا کو تقسیم کر دے، لیکن اپنے آپ کو تو بچا، لیکن وہ یہ بھی نہیں کرتا، یہ لڑکا میری جان لے گا،

شائستہ:۔ خدا نہ کرے،

رابعہ خانم:۔ یہی وہ بھی کہتا ہے اور مجھ سے پہلے اپنے مرنے کی دعائیں مانگنے لگتا ہے!"

یہ کہتے کہتے رابعہ خانم کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے، اور وہ سسکیاں لے لے کر رونے لگیں، شائستہ سے بھی ان کی کیفیت نہ دیکھی گئی، وہ بھی رونے لگی، تھوڑی دیر کے بعد جب طوفان اشک ذرا تھما، تو رابعہ خانم نے اپنے آنسو پونچھتے ہوئے کہا،

"بتاؤ یہ زندہ رہنے کے لچھن ہیں،؟"

شائستہ:۔ واقعی یہ تو بڑی بُری بات ہے،

رابعہ خانم :- ماشاءاللہ اب جوان ہوا ، میں چاہتی ہوں شادی کر دوں ، گھر بسا دوں ، لیکن وہ گھر اجاڑنے اور اپنے آپ کو برباد کرنے کی فکر میں لگا ہوا ہے ،

شائستہ :- (ان باتوں سے بہت زیادہ دلچسپی لیتے ہوئے) اچھا ہاں ، یہاں گھر میں تو وہ چوری کرتے اور ڈاکہ مارتے ہیں ، باہر کیا کرتے ہیں ، جس کی سزا جیل کی صورت میں ملی ہے ؟

رابعہ خانم :- کیا نہیں کرتا وہ شیطان ؛ مزدوروں کو وہ اکسائے ، کسانوں کو وہ بھڑکائے ، حکومت کے خلاف وہ تقریریں کرے ، زمینداروں اور جاگیرداروں کے خلاف وہ ہنگامہ کھڑا کر دے ، مل مالکوں اور سرمایہ داروں کی مخالفت میں وہ طوفان اٹھائے ، آخر حکومت بھی کب تک بیٹھی چپ چاپ یہ تماشہ دیکھتی رہے ؟

شائستہ :- جی ہاں اور کیا ، ! ——— تو آپ سمجھاتیں نہیں ؟

رابعہ خانم :- یہ لو ، میں سمجھاؤں ؟

شائستہ :- ہاں اتنا تو چاہتے ہیں آپ کو ،

رابعہ خانم :- بس خالی خولی چاہتے ہیں ، کہنا نہیں مانتے میاں صاحبزادے ،

شائستہ :- خفا ہو جائیے ایک دفعہ بات چیت چھوڑ دیجئے ،

رابعہ خانم :- یہ بھی کر کے ہار چکی ہوں ، سب کچھ کر لیا ، مگر بے نتیجہ ،

شائستہ :- آپ کی خفگی کی بھی پروا نہیں کرتے وہ ؟

رابعہ خانم :- بہت کرتے ہیں ——— کھانا چھوڑ دیتے ہیں ، سگریٹ

چھوڑ دیتے ہیں، ناشتہ چھوڑ دیتے ہیں، سونا چھوڑ دیتے ہیں،
جتنی تکلیفیں اپنے آپ کو دے سکتے ہیں، دیتے ہیں، نتیجہ یہ ہوتا
ہے کہ مجھے اپنی سطح سے اُترنا پڑتا ہے

شائستہ :- آپ کیوں اُترتی ہیں اپنی سطح سے ؟

رابعہ خانم :- تو کیا کروں؟ کیا اس کی یہ حالت دیکھ سکتی ہوں ؟

شائستہ :- کیا کرتی ہیں آپ ؟

رابعہ خانم :- جب تک مجھ سے خوشامد نہیں کرا لیتا، روٹھا رہتا ہے،

شائستہ :- (مسکراتے ہوئے) اچھی زبردستی ہے یہ بھی،

رابعہ خانم :- میں بھی سوچتی ہوں، یہ نخرے مجھے نہ دکھائے گا، تو کسے دکھائے گا؛
بہن بھی ہیں، ماں بھی ہیں، !

شائستہ :- (عقیدت مندانہ لہجہ میں) جی اور کیا،

رابعہ خانم :- بس اگر وہ ٹھیک رہتا ہے تو تو یہ سے!

شائستہ :- بہت چھیڑتی ہوگی وہ تو انہیں، ؟

رابعہ خانم :- بہت زیادہ ——— کاغذ پھاڑ ڈالے، کتابیں پھاڑ دیں
کپڑے تار تار کر دیئے، مگر انجم کو غصہ نہیں آ سکتا، مسکراتا رہے گا
ہنستا رہے گا، چھیڑ چھاڑ کر اُسے غصہ دلاتا رہے گا -

شائستہ :- (ہنستے ہوئے) بڑے دلچسپ آدمی ہیں!

رابعہ خانم :- ہاں دُنیا کے دلچسپ، میرے لئے دردِ سر!

شائستہ :- بس اب وہ آئیں تو اُن کی شادی کر دیجئے، گھرداری کے چکر

میں پڑکر مزدور اور کسان سب کو بھول جائیں گے،

رالعبہ خانم: وہ بھی یہ بات محسوس کرتا ہے، بڑا چالاک ہے، اسی لئے شادی کا اقرار نہیں کرتا،

شائستہ:- زبردستی کر دیجئے،

رالعبہ خانم:- لو ان کی سنو، اور بھی کسی کی نہیں انجم کی زبردستی شادی کر دوں، جو قاضی صاحب کو بھی پیٹ دے، اور بھری محفل میں سہرا نوچ کے پھینک دے ———— نا بابا سب کچھ کر سکتی ہوں، اپنی ناک اس کے ہاتھوں نہیں کٹوا سکتی،!

شائستہ:- (ہنستے ہوئے) کیا وہ ایسا بھی کر سکتے ہیں؟

رالعبہ خانم:- سب کچھ کر سکتا ہے، وہ آدمی نہیں شیطان ہے، جن ہے،

شائستہ:- اتنے اچھے آدمی تو ہیں، پھر ایسی باتیں،

رالعبہ خانم:- خدا اُسے سلامت رکھے، کل آرہا ہے، آ لینے دو، پھر پوچھوں گی کہو اب کیا رائے ہے؟

شائستہ:- ایسا کیجئے، اپنے والد صاحب کے دوستوں سے ان پر دباؤ ڈلوا دیجئے

رالعبہ خانم:- مجھے یہ باتیں تم بتاؤ گی؟ کیا نہیں کیا میں نے؟ وہ جج صاحب جنہوں نے چھ مہینے کے لئے اُسے جیل بھیجا ہے، آبا جان کے جگری دوست تھے، ہم دونوں کو اپنی اولاد کی طرح چاہتے تھے، اپنی لڑکی سے اس کی شادی کا فیصلہ کر چکے تھے، مگر اس نے انہیں بھی دشمن بنا لیا۔

شائستہ :- (حیران ہو کر) وہ کیسے ؟ یہ تو بڑی عجیب بات کہی آپ نے ،

رابعہ خانم :- اس کی زندگی عجائبات سے معمور ہے ۔

شائستہ :- پھر بھی بتائیے تو ،

رابعہ خانم :- بھری عدالت میں جج صاحب سے کہنے لگا ، چونکہ آپ میرے والد کے دوست ہیں ، اور آپ کی مجھ سے قرابت بھی ہونے والی ہے لہٰذا انصاف کرتے ہوئے ہچکچا رہے ہیں ، واقعہ یہ ہے کہ میں نے مزدوروں کو اور کسانوں کو بھڑکایا ، اور برابر بھڑکاتا رہوں گا میری زندگی کا مشن یہی ہے ،

اُٹھو مری دُنیا کے غریبوں کو جگا دو
کاخِ اُمرا کے در و دیوار ہلا دو — !
جس کھیت سے دہقاں کو میسر نہ ہو روزی
اس کھیت کے ہر خوشۂ گندم کو جلا دو ،

یہ سُن کر جج صاحب کا چہرہ سرخ ہو گیا ، اور اُنہوں نے فوراً چھ مہینہ کی سزا دے دی ، پھر میرے پاس آئے ، اور کہنے لگے ، آج سے ہمارے تعلقات منقطع ، پھر بھی میں نے اتنی رعایت کی کہ توہین عدالت کے الزام دوسرا مقدمہ چلا کر ، اس نالائق اور بدتمیز کو مزید سزا نہیں دی ! — ———— ٹھیک ہی تو کہتے تھے ، میں کیا بولتی ؟ سنتی رہی ، چپ چاپ اُن کی باتیں ، !

شائستہ :- ہاں اور کیا ———— لیکن یہ تو واقعی اُنہوں نے بہت

بُرا کیا، بھلا کوئی ایسا کرتا ہے، ؟

رابعہ خانم :- کیا کیا کہوں تم سے، میرے دِل میں پھپھولے ڈال دیئے ہیں، اس لڑکے نے، !

شائستہ :- مانتی ہوں بے شک آپ ہی کا دل ہے، جو یہ باتیں برداشت کر لیتی ہیں،

رابعہ خانم :- میری جگہ تم ہوتیں تو کیا کرتیں ؛

شائستہ :- میں ؟ ——— (مسکرا کر) میں بھی وہی کرتی جو آپ کر رہی ہیں -

رابعہ خانم :- بس ؟ ——— اتنا ہی حوصلہ تھا ؟

شائستہ :- جو سمجھئے ——— بات یہ ہے کہ یہ باتیں جو آپ نے بتائیں ان کو بہت اُونچا انسان ثابت کرتی ہیں - !

رابعہ خانم :- لیکن ایسی اُونچائی کس کام کی کہ اپنی ہی جان کے لالے پڑ جائیں ؛

شائستہ :- جی ہاں یہ تو صحیح ہے، !

دونوں مسکرانے لگیں،

---

(۲۵)

تصوّر کی دُنیا

سارے متعلقہ کاموں سے فارغ ہو کر تنویر کو سلا کر اور رابعہ خانم کی مصاحبت سے فارغ ہو کر، جب شائستہ اپنے کمرہ میں سونے کے لئے پہنچی، تو رات کے گیارہ بج چکے تھے، عام طور پر وہ بستر پر لیٹتے ہی سو جاتی تھی، انوری کے ہاں اس کے سکون وعافیت کی پُونجی بے طرح لوٹ لی گئی تھی، لیکن رابعہ خانم کے ہاں واپس مل گئی، یہی وجہ ہے کہ وہاں اختر شماری کرتے گزرتی تھی، اور یہاں کی نیند سوتی تھی، جیسے کوئی حادثہ گزرا ہی نہیں تھا، جیسے کسی مصیبت سے وہ آشنا ہی نہیں ہوئی تھی، لیکن آج کچھ اور صورت تھی،

وہ کروٹوں پر کروٹیں بدلتی تھی، مگر نیند ـــــ؟ اس کا کہیں کوسوں پتہ نہیں تھا ـــــــــ کیوں؟ کیا بات تھی؟ رہ رہ کے اس کے سامنے انجم کی تصویر ناچنے لگتی، رابعہ خانم کی باتیں یاد آنے لگتیں،

تنویر کے بھولے بھالے معصوم اور پیارے سوالات، اس کے کانوں میں گونجنے لگتے، اور وہ سوچنے لگتی، واقعی ہماری رالعہ خانم کس مصیبت میں گرفتار ہیں، ضرورت تھی کہ اس وقت کوئی ان کا سہارا بنتا، ساتھ دیتا دستگیری کرتا، لیکن باپ گذر چکا، شوہر مر چکا، لڑکی ہے سو ننھی سی بھائی ہے وہ جیل میں قید، اور نہ بھی قید ہوتو کیا، بھلا یہ بھی کوئی طریقہ ہے کہ غریبوں اور ناداروں کی محبت میں اپنا گھر بار لٹا دو؟ کس درد سے کہہ رہی تھیں، کئی دفعہ ایسا ہوا کہ گیہوں کا انبار خانہ خالی اور کئی کئی مہینہ تک بازار سے بلیک کے بھاؤ، اناج خریدنا پڑا کیوں؟ اس لئے کہ بھائی نے جس غریب کو دیکھا اس کی جھولی بھر دی، یہ بھی اچھی رہی، اپنے گھر میں تو بلیک سے اناج آتے، اور دوسروں کو مفت تقسیم کر دیا جاتے اور مزے کی بات تو یہ ہے کہ ان لچھنوں کے باوجود بہت ہے کہ نالائق بھائی کے عشق میں گھلی جا رہی ہے، اس کی نالائقی کی داستانیں بھی کس فخر سے بیان کرتی ہیں، ایک طرف خفا بھی ہیں، دوسری طرف نازاں بھی، خفگی میں کتنی محبت گھلی ہوتی ہے، اور ناز میں کیا امتیاز جھلک رہا ہے، پہلے تو میں یہ سمجھتی تھی کہ انجم میاں آوارگی یا بدچلنی کے الزام میں جیل گئے ہیں، نفرت ہوگئی تھی مجھے، دل کانپ اٹھا تھا میرا، دودھ کا جلا چھاچھ پھونک پھونک کے پیتا ہے، سوچنے لگی تھی، ابھی تو نسکور اور حمید سے پیچھا چھوٹا ہے، اور اللہ اللہ کر کے رالعہ خانم کی صورت میں، ایک انسان کا دامن عافیت میسر آیا ہے، لیکن اگر کہیں یہاں آکر بھی انجم کی

صورت میں کوئی حمید یا شکور مل گیا تو کیا ہوگا ——————— ؟

پھر میں کہاں جاؤں گی ؟ پھر کس کا دامن مجھے پناہ دے گا ؟ یہ آخری جائے پناہ ہے، جو مجھے ملی ہے، یہاں سے بھی اگر بھاگنا پڑا تو گوشۂ قبر کے سوا اور پھر سکون کہاں ؟

لیکن نہیں میں نے انجم میاں کی تصویر دیکھی ہے، صورت سے تو شریف ہی معلوم ہوتے ہیں، آخر خاندانی شرافت کہاں تک اپنا اثر نہ دکھائے گی؟ لوگ مانیں یا نہ مانیں میں تو مانتی ہوں، خاندان بڑی چیز ہے، انسان کی فطرت پر اس کا اثر ضرور پڑتا ہے،

لیکن مجھے اب ذرا محتاط ہو کر یہاں رہنا چاہیئے، انجم میاں لاکھ شریف ہوں، رابعہ خانم، ہزار سراپا شفقت ہوں، لیکن خلقت کی زبان کون روک سکتا ہے، پرواہ تو میں کرتی نہیں، لیکن پرواہ نہ کر کے بھی آدمی اگر چاہے تو الگ تھلگ رہ سکتا ہے، مجھے تو الگ ہی رہنا چاہیئے، اگر ذرا بھی کسی کو شبہ پیدا ہوا، یا رابعہ خانم کے خلاف مزاج کوئی بات ہوئی، تو زندگی اجیرن ہو جائے گی، باپ کا گھر چھوڑ کر اور الوزی کے پنجے سے نکل کر رابعہ خانم کا گھر جنت کا ایسا ٹکڑا ہے، جہاں کوئی آزار نہیں، غم نہیں، پریشانی نہیں، دکھ نہیں، اس کی قدر کرنی چاہیئے، کوشش کرنی چاہیئے کہ یہاں سے پاؤں نہ اکھڑیں، یہاں قدم جمے رہیں،

واقعی اب یہ گھر ایسا معلوم ہوتا ہے، جیسے میں یہیں زندہ رہ سکتی ہوں یہاں کے سوا کہیں اور زندگی نہیں گذار سکتی، یہ رابعہ خانم کی شفقت مجھے

کہیں اور مل سکتی ہے؟

ناممکن ——————!

یہ خوبصورت سی چینی گڑیا جس کا نام تنویر ہے۔ بجائے خود ایک زندگی ہے، کیسی سیٹھی میٹھی اور پیاری پیاری باتیں کرتی ہے، بس یہ جی چاہتا ہے، وہ کہے جائے اور کوئی سنے جائے —————— کاش یہ میری بہن ہوتی، ! —————— لیکن یہ میں کیسی ناممکن بات کی تمنا کر رہی ہوں؛ تنویر اگر میری بہن ہوتی تو ضروری تھا کہ رابعہ خانم میری ماں ہوتیں، منشی ممتاز علی کے بجائے شاکر علی بیرسٹر کی لڑکی ہوتی، لیکن اب تو موقع نکل چکا، مگر اس سے کیا ہوتا ہے؛ میں تنویر کو اتنا ہی چاہتی ہوں، جتنا کوئی سگی بہن چاہ سکتی ہے، بلکہ میرا تو یہ خیال ہے کہ کچھ عرصہ بعد تنویر کے معاملہ میں کہیں رابعہ خانم، اور میرے مابین رقابت نہ شروع ہو جائے، وہ اپنی جگہ یہ سمجھتی ہیں کہ ان سے زیادہ اسے کوئی نہیں چاہ سکتا، اور میرا اپنی جگہ یہ خیال ہے کہ جتنی میں محبت کرتی ہوں اس سے کوئی نہیں کر سکتا، پھر اگر ہم دونوں، یعنی رابعہ بیگم، اور میں ایک دوسرے سے جلنے لگے تو ۔۔؟ —————— تو کیا ہوگا؟

یہ سوچتے سوچتے شائستہ کو ہنسی آگئی، اس نے سوچا، میں بھی کیسی دیوانی ہوں، جو اس طرح کی بے تکی اور لایعنی باتیں سوچ رہی ہوں، ماں، ماں ہے، غیر، غیر، بھلا کہاں رابعہ خانم، اور کہاں میں؟ میرا ان کا کیا مقابلہ؟ یہ سب خیالات اس لئے آرہے ہیں کہ نیند نہیں

آتی، اب سونے کی کوشش کرنی چاہیئے۔

پھر اس نے آنکھیں بند کر لیں اور نیند کو بلانے لگی، پھر وہ چپ چاپ پڑ گئی، اور اپنے آپ کو اس فریب میں مبتلا کر لیا کہ نیند آ رہی ہے لیکن نیند بھی کہاں جو آتی؛ بڑی دیر گذر گئی اسی خود فریبی میں، لیکن نیند کو نہ آنا تھا نہ آئی!

آخر تھک ہار کر وہ اُٹھ بیٹھی، گھڑی کی طرف دیکھا تو ۳ بج رہے تھے، یا اللہ ۳ بج گئے اور میں ایک پل کے لئے بھی نہ سو سکی؛ اب کیا سوؤں گی؟ ذرا دیر میں صبح ہو جائے گی، اور جو سو بھی رہی ہوں، تو وہ شرارت کی پتلی، تنو بر آ کر جگا دے گی، بھلا ایک لمحہ کے لئے بھی، وہ مجھے سوتا دیکھ سکتی ہے؟

پھر کیا کرنا چاہیئے؟

کیوں نہ کوئی کتاب پڑھوں؟ یہ سوچ کر وہ اُٹھی، الماری کھولی، اور کئی کتابیں نکال لیں، اور تکیہ پر سر رکھ کر اطمینان سے ورق گردانی کرنے لگی، غالب کا دیوان اُٹھا لیا، کچھ شعر پڑھے، گنگنانے لگی، ایک شعر نے تو ایسا لطف دیا کہ بڑی دیر تک اسی کو مزے لے لے کر پڑھتی اور وجد کرتی رہی،

؎ زندگی اپنی جو اس رنگ میں گزری غالب
ہم بھی کیا یاد کریں گے کہ خدا رکھتے تھے

پھر اس نے سوچا رابعہ خانم کے گھر میں پہنچ کر خدا سے یہ شکوہ کرنا، انتہائی

ناشکری ہے، دیوان الگ رکھ دیا، اب داغ کے مجموعۂ کلام پر نظر پڑی اور اس شعر پر ٹھٹک کر رہ گئی،

جو گذرتے ہیں داغ پر صدمے
آپ بندہ نواز کیا جانیں؟

کافی لطف آیا، اس شعر سے، اسے بھی کچھ دیر گنگناتی رہی، اور دل ہی دل میں گویا ہوئی،

"بیچاری رابعہ خانم پر یہ شعر کتنا صادق آتا ہے! بظاہر کوئی بھی نہیں محسوس کر سکتا کہ وہ غمگین اور پریشان ہو سکتی ہیں، لیکن حالات دیکھو اور باتیں سنو تو اندازہ ہوگا ان سے بڑھ کر غم زدہ اور آشفتہ خاطر کوئی نہیں،

رابعہ خانم کے حالِ زار پر تھوڑی کڑھنے اور جلنے کے بعد، اسے بھی الگ رکھ دیا، اب جو کتاب ہاتھ میں آئی وہ اقبال کی بانگ درا تھی سب سے پہلے جس شعر پر نظر پڑی وہ یہ تھا،

چین و عرب ہمارا ہندوستاں ہمارا
مسلم ہیں ہم وطن ہے سارا جہاں ہمارا

وہ مسکرائی اور دل ہی دل میں کہنے لگی ——————

"ہاں کیوں نہیں بے شک ہم مسلم ہیں، چین بھی ہمارا ہے، عرب بھی ہمارا اور ہندوستان بھی ہمارا، بلکہ سارا جہاں ہمارا ہے، لیکن عزت اور اطمینان کی زندگی مسلمانوں کے سارے جہان کے کسی گوشہ میں بھی نہیں

حاصل ہے، ہر جگہ وہ دباتے جا رہے ہیں، کچلے جا رہے ہیں، مٹائے جا رہے ہیں، نہ کوئی ان کی فریاد سنتا ہے، نہ کوئی ان کے حال زار پر توجہ کرتا ہے، نہ کوئی ان کی مشکلوں کو سمجھتا، اور نہ اُن کی شکایتوں پر غور کرنے کی کوشش کرتا ہے، پھر سارا جہان اگر وطن ہے تو کس کام کا؟ کیا حاصل اس سے؟

بانگِ درا الگ رکھ کر، ایک نئی کتاب پر ہاتھ ڈالا، یہ تھی "کلیاتِ میرؔ!" ورق اُلٹتے اُلٹتے یہ شعر نظر آیا۔

؎ بہت سعی کیجئے تو مر رہیے میرؔ
بس اپنا تو اتنا ہی مقدّر ہے

لطف آگیا، اس شعر سے، کئی مرتبہ دوہرایا، پڑھا، گنگنایا، پھر ورق اُلٹا اس دفعہ یہ شعر دست بستہ موجود تھا۔

؎ عہدِ جوانی رو رو کاٹا، پیری میں لیں آنکھیں موند
یعنی رات بہت تھے جاگے، صبح ہوئی آرام کیا

یہ شعر حسبِ حال نظر آیا، وہ سوچنے لگی، میری زندگی اور اس کی ناکامی و نامرادی کی، کتنی سچی اور صحیح تصویر اس شعر میں موجود ہے، کیا میری زندگی رو رو کر نہیں کٹ رہی ہے؟ کیا میرا بھی یہ حشر نہیں ہوگا کہ ایک روز تھک کر، ہار کر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے سو جاؤں گی؟ ہاں یہی ہوگا، میرا حشر اس کے سوا اور کچھ ہو ہی نہیں سکتا،

کلیاتِ میرؔ بھی الگ رکھا، ایک اور دیوان پر نظر پڑی، یہ صبا

کا مجموعۂ کلام تھا ، یہ شعر نظر کے سامنے آیا ،

بانٹ لے کوئی کسی کا درد یہ ممکن نہیں
بارِ غم دُنیا میں اٹھوانے نہیں مزدور سے

شعر پڑھ کر ، ایک طرح کی تسکین سی حاصل ہوئی ، ہاں سچ تو ہے ، کوئی کسی کا غم نہیں جھیل سکتا ، جس کا درد ہے ، وہ خود ہی اُسے اُٹھائے گا ، مجھے بھی اپنے درد کا بوجھ خود اُٹھانا چاہیئے ، کسی اور سے ہمدردی اور غمگساری کی توقع بیکار ہے۔

اسے الگ رکھا ، تو درد کا دیوان سامنے آگیا ، ورق پر ورق اُلٹنا شروع کئے ، اس شعر پر نظر جم گئی ،

تہمتیں چند اپنے ذمّہ دھر چلے
کس لئے آئے تھے ہم کیا کر چلے ؟

یہ شعر بھی حسبِ حال نظر آیا ، اور وہ بے ساختہ بار بار دہرانے لگی ، اُس نے سوچا ، اب تک تہمتوں کے سوا اس زندگی میں مجھے اور کیا حاصل ہوا ہے ؟ لیکن شاعر نے یہ کیا بات کی ہے ،

کس لئے آئے تھے ہم کیا کر چلے ؟

اس کا کیا مطلب ؟

کیا انسان اس دنیا میں جب قدم رکھتا ہے تو کچھ مقاصد بھی اس کے ساتھ ہوتے ہیں ؟ اور ان کی کامیابی یا ناکامی پر زندگی کی کامیابی یا ناکامی کا انحصار ہوتا ہے ——— ؟

ایسا ہی معلوم ہوتا ہے -!

لیکن وہ مقاصد کیا ہو سکتے ہیں ——— ؟

کیا میری زندگی کا بھی کوئی مقصد ہے ؟ کیا میں بھی کوئی خاص مقصد لے کر اس دُنیا میں آئی ہوں ؟ کیا میری زندگی بھی اس پیمانے سے ناپی جائے گی کہ مقصدِ حیات میں نے پُورا کیا یا نہیں ؟ ——— لیکن میں نہیں جانتی وہ مقصد کیا ہو سکتا ہے، جو میری زندگی کے ساتھ وابستہ ہے! ——— شاید میری زندگی کا مقصد یہی ہو کہ ناکامی اور نامرادی کی زندگی بسر کروں، اور اسی حالت میں ایک دن دُنیا سے رخصت ہو جاؤں، اگر یہی بات ہے تو مجھے خوش ہونا چاہیئے بلکہ فخر کرنا چاہیئے کہ یہ مقصد بہت اچھی طرح میں نے حاصل کر لیا ——— لیکن مقصد حاصل کر لے کے بعد پھر زندہ کیوں ہوں ؟ مقصد کی تکمیل کے ساتھ زندگی ختم ہو جانی چاہیئے، اس کے بعد پھر زندہ رہنے کی ضرورت کیا ہے ؟ زندگی اگر کسی مقصد کی تکمیل کے لئے ملے، تو پھر تکمیل مقصد کے بعد اس کا وجود قطعاً غیر ضروری ہے، کیا اب وہ کوئی دوسرا مقصد پیدا کریگی ؟ نہیں یہ نہیں ہو سکتا، یہ ہوتا تو انسان ایک کے بعد دوسرا مقصد پیدا کر لیا کرتا، اور کبھی نہ مرتا ——— انسان کی موت اس بات کی دلیل ہے کہ مقصد ایک ہی ہوتا ہے، اور بس، ! ———

اتنے میں اس کی نظر گھڑی پر پڑی، تو پانچ بج چکے تھے،

ارے صبح ہو گئی، !

جلدی سے وہ وضو کرنے بیٹھ گئی کہ کہیں فجر کی نماز قضا نہ ہو جائے ویسے بھی ہر معاملہ میں وقت کی پابندی سختی کے ساتھ کرتی تھی ، اور نماز کے معاملہ میں تو خاص طور پر بڑی سخت پابند اوقات تھی ——

(۲۶)
انجم

نماز پڑھ کر ابھی وہ مصلے پر بیٹھی دعا مانگ رہی تھی کہ کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا، سکینہ اب تک پڑی سو رہی تھی، دوسرے ملازم بھی مست خواب خرگوش تھے، تنویر، تنویر اور رابعہ کا کمرہ بھی بند تھا، جس کے معنی یہ تھے کہ دونوں ابھی بستر پر ہیں، سکینہ پر اسے رحم آتا تھا، بیچاری اپنی طاقت سے زیادہ کام کرتی تھی، وہ خود اٹھی اور دروازہ پر پہنچی، سوچنے لگی نہ جانے کون ہو؟ دریافت کیا،

"کون ہے؟"

آواز آئی،

"دروازہ کھولو"!

اس آواز اور انداز میں تحکم کی شان تھی، اس لئے دروازہ کھول دیا،

ارے یہ تو انجم تھا،!

وہ دروازہ کا پٹ کھول کر الگ ہٹ کر کھڑی ہو گئی، انجم نے اس پر ایک نظر ڈالی، اور ٹھٹک کر کھڑا ہو گیا،

"کیا میں کسی غلط گھر میں آ گیا ہوں؟"

شائستہ نے کوئی جواب نہیں دیا،

انجم نے پوچھا،

"کیا رابعہ خانم یہیں رہتی ہیں؟"

وہ بولی،

"جی ہاں، یہیں رہتی ہیں، یہ انہی کا گھر ہے،!"

انجم نے گھر کے صحن میں قدم رکھتے ہوئے سوال کیا،

"کیا وہ سو رہی ہیں اب تک؟"

شائستہ نے مختصر سا جواب دیا۔

"جی ہاں سو رہی ہیں؟"

انجم نے مسکراتے ہوئے، اور در و دیوار پر نظر ڈالتے ہوئے کہا،

"آج اس گھر کی سج دھج کچھ عجیب سی نظر آتی ہے، کیا میں آپ کا نام دریافت کر سکتا ہوں؟"

وہ بولی،

"مجھے شائستہ کہتے ہیں،!"

انجم نے کہا،

"خوب، خوب، بہت خوب ——— اور کام؟"

وہ کہنے لگی،

"تنو بر کی نگہداشت میرے ذمہ ہے!"

انجم نے ایک ہلکا سا قہقہہ لگایا، اور گویا ہوا،

"پھر تو اور زیادہ خوب، بہت خوب، سبحان اللہ!"

پھر پوچھا،

"کیا وہ آپ کے قابو میں آجاتی ہے،؟"

شائستہ نے زیر لب تبسم کے ساتھ جواب دیا۔

"جی ہاں کسی قدر،!"

انجم نے ہنستے ہوئے کہا،

"یہ بھی ایک معجزہ ہے آپ کا، میں اسے قابو میں نہ کر سکا، رابعہ آپا کو وہ چٹکیوں میں اڑاتی ہے، مغلانی غریب پر تو بعض وقت اُن کی بے بسی دیکھ کر رحم آتا ہے کبھی رونا، لیکن آپ نے کسی قدر بھی اگر قابو میں کر لیا ہے تو یہ بہت بڑا کمال ہے۔

شائستہ مسکرانے لگی،

انجم نے سوال کیا،

"وہی سامنے والا کمرہ ہے نا رابعہ آپا کا،"

شائستہ نے اقرار میں گردن ہلا دی، انجم سیدھا وہیں پہنچا۔ دروازہ کھٹکھٹایا رابعہ خانم باہر نکلیں، اور

"ارے میرا بھیا، میرا انجم"

کہہ کر اس سے لپٹ گئیں، ان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے، انجم بہن کی اس کیفیت سے بہت متاثر ہوا، اس نے اپنی کیفیت چھپاتے ہوئے کہا،

"خوشی کے موقع پر روتی کیوں ہو؟ اب اگر پھر جیل گیا تو کیا ہنسو گی؟"

رابعہ خانم مسکرانے لگیں،

"چل ہٹ شریر کہیں کا ——— اتنے سویرے سویرے کیسے رہا ہو گئے تم؟"

انجم نے جواب دیا،

"میں نے جیلر سے کہا، اگر دو گھنٹے پہلے آپ مجھے چھوڑ دیں، تو بہت بڑے درد سر سے بچ جائیں گے، ورنہ استقبال کرنے اور جلوس نکالنے والوں کا جو جم غفیر پہنچے گا اس کا سنبھالنا مشکل ہو جائے گا آپ کے لئے بات سمجھ میں آ گئی، اور میں سیدھا یہاں آ گیا!"

رابعہ خانم مسکرانے لگیں،

"تیری شرارت کبھی نہیں جائے گی، اور وہ لوگ وہاں جا کر پریشان یہ بھی سوچا؟"

وہ بولا،

ہاں یہ تو پہلے ہی سوچ لیا تھا، مجھے خواہ مخواہ کی ہنگامہ آرائی نہیں پسند، میں اس لئے جیل نہیں گیا تھا کہ رہا ہونے کے بعد جلوس نکلواؤں،

پھولوں کے ہار پہنوں، زندہ باد کے نعرے سنوں، اس طرح خدمت، خدمت نہیں رہتی، سودا بن جاتی ہے، اور میں قومی معاملات میں کاروبار اور سودے بازی کا قائل نہیں ہوں، !"

رابعہ خانم :- وہ تو ٹھیک ہے لیکن اپنے مداحوں اور قدرشناسوں کے جذبات کا پاس بھی تو کرنا چاہیے !"

انجم :- یہ پاس کم ہے کہ انہیں اپنا مداح اور قدرشناس سمجھتا ہوں ؟

رابعہ خانم :- کل صبح سے رات تک نہ جانے کتنی انجمنوں اور جماعتوں کے نمائندے بھی پوچھنے آئے کہ انجم صاحب کس وقت رہا ہوں گے : ہم ان کا جلوس نکالنا چاہتے ہیں، !"

انجم :- پھر تم نے کیا جواب دیا -

رابعہ خانم :- یہی کہ میں نہیں جانتی،

انجم :- بہت اچھا جواب دیا -

اتنے میں باہر سے شور و غل کی آوازیں آنے لگیں، زندہ باد کے نعرے لگنے لگے، رابعہ خانم نے کہا،

"اب فرمائیے، کیا گھر میں چھپے بیٹھے رہو گے؟"

انجم نے کہا،

"جی تو یہی چاہتا ہے!"

رابعہ خانم نے ملامت آمیز لہجہ میں ٹوکا،

"بُری بات، یہ کافی ہے کہ تمہیں جلوس کا شوق نہیں ہے، لیکن

لوگ اپنے جذبہ سے مجبور ہو کر آئے ہیں تو ان کا ٹھکرانا بھی ٹھیک نہیں! ——————— جاؤ باہر جاؤ، ان مخلصوں اور جانبازوں کا شکریہ ادا کرو!"

کچھ تامل کے بعد انجم باہر گیا، رالعہ اور شائستہ دروازے کی اوٹ میں کھڑی ہو کر دیکھنے لگیں، بہت بڑا مجمع تھا، کئی ہزار آدمیوں کا مجمع اور سب لوگ انجم کی زیارت کے لئے بیتاب و بے قرار ہو رہے تھے جیسے ہی انجم باہر نکلا ایک تلاطم سا پیدا ہو گیا، اس مجمع میں چند سربرآوردہ لوگ آگے بڑھے، اور انہوں نے انجم کو پھولوں کے ہاروں سے لاد دیا پھر انہوں نے اسرار کیا، سارے انتظامات مکمل ہیں، شہر میں استقبالیہ جلوس ضرور نکلے گا، اگر آپ نے انکار کیا تو ہمیں اور ہم سے زیادہ ان ہزاروں آدمیوں کو جو اپنا روزگار، اور کام چھوڑ کر پہلے جیل گئے اور وہاں سے یہاں آئے، صدمہ پہنچے گا، ان کا دل نہ توڑیئے، آخر کافی بحث مباحثہ کے بعد انجم کو رضامند ہونا پڑا اور یہ پُرجوش مجمع انجم کو اپنے کاندھوں پر اُٹھا کر، ایک جلوس کی صورت میں شہر کی طرف روانہ ہو گیا، ایسا معلوم ہو رہا تھا، جیسے عوام کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر ہے، جو انجم کے گھر سے شہر کی طرف رواں دواں ہے، رالعہ خانم اور شائستہ دروازے پر کھڑی یہ دلچسپ منظر دیکھ رہی تھیں، رالعہ کا چہرہ وفورِ مسرت سے گلنار ہو رہا تھا، شائستہ کے چہرے پر کوئی کیفیت نہ تھی

اگر تھی بھی، تو حیرت اور استعجاب کی، وہ اب تک انجم کو سمجھ نہ سکی تھی اس کوشش میں ضرور تھی کہ اُسے سمجھ لے، معلوم کر لے کہ اب میرا یہاں رہنا ممکن ہے یا نہیں ——————— ؟

---

(۲۷)

باتوں باتوں میں......!

انجم کے آنے سے گھر میں ایک نئی چہل پہل، گہما گہمی اور رونق پیدا ہو گئی، وہی گھر جو ہر وقت سائیں سائیں کیا کرتا تھا، اب آباد تھا۔ رابعہ خانم کی افسردگی بھی بڑی حد تک شگفتگی سے بدل گئی تھی، تنویر کی نشاط لازوال کی تو کوئی انتہا ہی نہیں تھی، گھر کے دوسرے ملازموں، اور نوکرانیوں کی مسرت بھی چھپائے نہیں چھپتی تھی، باہر مردانے میں بھی ہر وقت آمد و رفت کا سلسلہ جاری رہتا تھا، یہ آیا وہ گیا، آج دس آدمیوں کی دعوت ہے، کل پندرہ آدمی مدعو ہیں، چائے پر آنے والی پارٹی دوسری ہے، لنچ پر دوسری، ڈنر پر کوئی اور، رابعہ خانم کی مصروفیت اور مصارف میں انجم کے آنے کے بعد سے غیر معمولی اضافہ ہو گیا تھا، لیکن وہ خندہ جبینی کے ساتھ، بھائی کی خاطر مدارات میں لگی ہوئی تھیں، نہ انہیں اپنے آرام کا خیال تھا، نہ انجم کی فضول خرچی کی

نسا کی تھیں، بڑی خوش قسمتی سے ہر فرمائش پوری کرتی تھیں،

انجم تھا بھی عجیب لاابالی طبیعت کا آدمی، باہر جاکر بیٹھا تو گھر میں پہروں قدم نہیں رکھے گا، گھر میں گھسے گا، تو باہر جانے کا نام نہیں لے گا، انہی باتوں سے رالعبہ خانم چڑتی تھیں، لیکن مصیبت یہ تھی کہ وہ ان کے چڑنے سے اور زیادہ لطف لیتا تھا - تنویر سے بہت زیادہ دلچسپی لیتا تھا، جہاں کسی بات پر رالعبہ خانم بگڑیں، اور وہ تنویر سے کھیلنے لگا، اس سے باتیں کرنے لگا، رالعبہ خانم کی ساری خفگی ان دونوں کی باتوں اور سرگوشیوں میں دب جاتی تھی،

ایک روز انجم باہر سے اندر آیا تو اُس نے دیکھا، وہ باورچیخانہ میں مصروف ہیں، گرمی اور تپش سے چہرہ سُرخ ہو رہا ہے اُس نے کہا،

"آیا تم یہاں کیا کر رہی ہو؟"

وہ بولیں،

"آج پھر دعوت ہے نا تمہارے احباب کی؟ ذرا اپنی فرمائشوں کی فہرست پر ایک نظر ڈالو، پھر غور کرنا، بغیر میرے یہاں بیٹھے کام چل سکے گا؟ خود ہی منہ بنانے آؤ گے، کہ فلتے بے مزہ تھے، فیرنی میں شکر کم تھی، کباب نمک کے بنے ہوئے تھے، قورمہ کی بوٹیاں پتھّر کی تھیں ——— کون سُنے یہ باتیں؟

انجم نے رالعبہ کا ہاتھ پکڑ کر اُٹھاتے ہوئے کہا،

"کچھ نہیں کہوں گا، چلو اُٹھو کوئی ضرورت نہیں ہے یہاں بیٹھنے کی

رالعہ نے قورمہ کی دیگچی پر ایک نظر ڈالتے ہوئے کہا۔

"اچھا اچھا اٹھتی ہوں، تم جاکر پہلے تنویر کی خبر تو لو!"

انجم نے گھبرائے ہوئے لہجہ میں پوچھا،

"کیا ہوا اسے ؟"

رالعہ خانم مسکرائیں،

"بہت خفا ہے تم سے، !"

انجم نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

یہ تو کوئی نئی بات نہ ہوئی، وہ اکثر روٹھتی اور منتی رہتی ہے، ابھی خوش کرلوں گا اسے ——— کہاں ہے وہ ؟

رالعہ خانم بولیں،

"وہیں ہے شائستہ کے کمرہ میں، پڑھ رہی ہے!"

پڑھنے کا نام سنکر انجم بھنا گیا،

"اونھ ہر وقت پڑھ رہی ہے، لکھ رہی ہے، تم نے تو ابھی سے ایسا شکنجہ میں جکڑ رکھا ہے کہ خدا کی پناہ !"

رالعہ خانم نے کوئی جواب نہیں دیا، بدستور مسکراتی رہیں، اور انجم صاحب سیدھے شائستہ کے کمرے میں پہنچے، انہیں دیکھتے ہی تنویر چیخی،

"ارے آپ یہاں کیوں آگئے ؟"

انجم نے دروازے پر کھڑے پوچھا،

"کیوں کیا پردہ ہے ؟"

شائستہ اُٹھ کھڑی ہوئی،

"یہ تو یونہی شرارت کرتی ہے، آیئے تشریف رکھیئے!"

انجم اندر آگیا، ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولا،

"میں تمہارا امتحان لینے آیا ہوں!"

تنویر نے اپنی کتاب چھپا لی،

"میں آپ سے نہیں بولتی!"

انجم:- یہ کیوں بھائی؟

تنویر:- خفا جو ہوں آپ سے،

انجم:- ہم سے خفا ہو؟ کیوں بھلا یہ بھی تو بتا دو

تنویر:- آپ نے وعدہ کیا تھا - مجھے کل سے چلنے والی موٹر لا دیں گے - لائیے؛

انجم:- ہاں لایا تو تھا،

تنویر:- پھر کہاں ہے وہ؟

انجم:- یہ تم اپنی شائستہ آپا سے پوچھو،

تنویر:- کیا آپ نے انہیں دے دی تھی؟

انجم:- ہاں اور کیا ——— کہنے لگیں ہم اس پر بیٹھ کر سیر کرنے جائیں گے، پوچھو کہیں بیچ تو نہیں ڈالی؟

شائستہ ہنسنے لگی؟

"ہاں وہ تو میں نے بیچ ڈالی!"

تنویر مچل گئی،

"نہیں جھوٹ، آپ ہنس رہی ہیں ——— !
انجم نے اُسے گدگداتے ہوئے کہا،
"تو کیا جو ہنستا ہے جھوٹ بولتا ہے ؟"
تنویر کہنے لگی،
"جی ہاں ——— دیکھ لیجئے، اب بھی ہنسے جا رہی ہیں !"
انجم نے شائستہ سے پوچھا،
" یہ لڑکی کچھ پڑھتی لکھتی بھی ہے یا یُوں ہی کھیلا کرتی ہے ! ؟
شائستہ :- خدا نظر بد سے بچائے، بڑی ذہین لڑکی ہے، جو بات ایک مرتبہ بتا دو، پھر کبھی نہیں بھولتی۔
انجم :- اس کی قوتِ حافظہ میرے لئے تو مصیبت بن گئی ہے،
شائستہ :- یہ کیوں ؟
انجم :- دن بھر میں دو سو بار اس کی ہاں میں ہاں ملانے کے لئے جھوٹے وعدے کرتا ہوں، یہ ایک ایک بات یاد رکھتی ہے، پھر جواب طلب کرتی ہے، بتایئے کیا کروں ؟
شائستہ :- سچے وعدے کیا کیجئے،
انجم :- آپ بھی اسی کی سی کہنے لگیں۔ ہماری تائید کرنے والا اس گھر میں کوئی نظر نہیں آتا، کچھ سمجھ میں نہیں آتا کیا کریں کہاں جائیں ؟
تنویر :- کیا آپ پھر کہیں جانے کی سوچ رہے ہیں ؟
انجم :- ہاں بیٹی جانا ہی پڑے گا،

تنویر:- کہاں جائیں گے ؟ ——————— کیا جیل ——— ؟

انجم :- بس وہی تو ایک مستقل ٹھکانا ہے اپنا اور کہاں جا سکتے ہیں، ؟

تنویر :- (سنجیدہ ہو کر) نہ جائیے، میں موٹر نہیں مانگتی،

انجم :- (مسکراتے ہوئے) کتنی دیر تک اپنے عہد پر قائم رہو گی! ——— کمرہ سے باہر نکلتے ہی پھر کوئی فرمائش جھڑ دو گی، دوسروں کی باتیں تو خوب یاد رکھتی ہو ، اپنی کو فوراً بھول جاتی ہو ——— !

تنویر :- اچھا تو میں ممی سے جا کر کہتی ہوں کہ ماموں جیل جا رہے ہیں!

انجم ہاں ہاں، اور شائستہ نہیں نہیں کرتی رہ گئی، مگر وہ برقی جھنڈہ کی طرح کمرہ سے نکل چلی گئی، انجم نے شائستہ سے کہا،

"دیکھا آپ نے اس لڑکی کو ؟"

شائستہ بولی -

"جی ہاں بڑی تیز ہے ماشاء اللہ!

تنویر :- معلوم ہوتا ہے اس شیطان کی خالہ کو آپ بھی بہت چاہتی ہیں ؟

شائستہ :- جی ہاں، بہت، بہت زیادہ،

انجم :- مجھے اندیشہ ہے کہیں ہم آپ اس کی وجہ سے ایک دوسرے کے رقیب نہ بن جائیں ؟

شائستہ :- ایسا کیوں ہونے لگا، آپ کی محبت آپ کے ساتھ میری میرے ساتھ،

انجم :- وہ تو ہے، لیکن میں تنویر سے زیادہ کسی کو زیادہ محبت

کرتے دیکھتا ہوں تو اس سے ۔جلنے لگتا ہوں، جی چاہتا ہے گردن مروڑ دوں اس کی ،

شائستہ :۔ (مسکراتے ہوتے) اچھی زبردستی ہے یہ تو!

انجم :۔جی ہاں کچھ ایسا ہی معاملہ ہے، آپا سے کئی دفعہ لڑائی ہو چکی ہے میری ،

شائستہ :۔تنویر سے محبت کرنے کے بارے میں ——— ؟

انجم :۔جی ہاں ——— چنانچہ آپ نے دیکھا ہوگا ۔ وہ میرے سامنے اس کا چونچلا نہیں کرتیں ، میرا مزاج جان گئی ہیں ، !

شائستہ :۔تو میں بھی آئندہ سے احتیاط کیا کروں گی ، !

انجم :۔مثلاً کیا کریں گی آپ ؟

شائستہ :۔آپ کے سامنے اب کبھی نہیں کہوں گی کہ اس سے محبت کرتی ہوں

انجم :۔(مسکراتے ہوئے) گویا مجھے دھوکا دیں گی آپ! آپ اور دھوکا ؟

شائستہ :۔ (زیر لب تبسم کے ساتھ) لڑائی اور محبت میں سب کچھ جائز ہے ، !

انجم نے ایک زوردار قہقہہ لگایا ، لوٹ گیا ہنستے ہنستے ،

"بھئی بڑی حاضر جواب ہیں آپ تو! لطف آگیا واللہ!"

شائستہ :۔عنایت ہے آپ کی ،

انجم :۔ تنویر کو پڑھانے لکھانے کے بعد آپ کیا کیا کرتی ہیں ؟ ——— ——— یعنی عام طور پر آپ کا مشغلہ کیا ہے ؟

شائستہ :- پڑھانے کے بعد پڑھنا ——— کتابیں دیکھتی رہتی ہوں
انجم :- بہت خوب ——— کس قسم کی کتابوں سے دلچسپی ہے آپ کو ؟

شائستہ :- ابھی میرا مطالعہ اتنا پختہ نہیں ہوا ہے کہ یہ فیصلہ کر سکوں ،

انجم :- پھر بھی ——— عام طور پر کس طرح کی کتابیں آپ کو پسند ہیں ؟ ——— میرا خیال ہے جاسوسی کی کتابوں سے زیادہ دلچسپی ہو گی آپ کو ؟ ——— جن میں اُٹھا پٹخ ، لڑائی بھڑائی ، مار دھاڑ کی بھرمار ہوتی ہے ،

شائستہ :- جی بالکل نہیں ،

انجم :- تعجب ہے ——— میں نے تو منشی تیرتھ رام فیروزپوری کی کوئی کتاب نہیں چھوڑی ، قسم لے لیجئے ،

شائستہ :- قسم لینے کی ضرورت ہے ؟ مجھے یقین ہے ، آپ سچ کہہ رہے ہیں -

انجم :- یعنی آپ کو یقین ہے ، میں انتہائی کوڑ ذوق انسان ہوں ؟ "
شائستہ ہنسنے لگی ،

آپ تو کسی طرح چین نہیں لینے دیتے ، آپ نے ایک بات کی ، میں نے اُسے مان لیا ،

انجم :- میں اگر یہ کہوں کہ آج آفتاب مشرق کے بجائے مغرب سے نکلا ہے تو آپ مان لیں گی ؟ یقین کر لیں گی ؟

شائستہ :- یہ کیسے ہو سکتا ہے ؟ جو ماننے والی بات ہوگی وہی مانی جاتی گی -

انجم :- گویا آپ کو میری بد ذوقی پر اتنا اعتماد تھا کہ جیسے ہی اپنے محبوب مصنّف کے طور پر میں نے منشی تیرتھ رام فیروز پوری کا نام لیا آپ نے فوراً یقین کر لیا ،

شائستہ :- (زیر لب تبسم کے ساتھ) اچھا غلطی ہو گئی، معاف کر دیجئے ،

انجم :- بہت اچھا ——— تو پھر بتایئے کس طرح کی کتابیں آپ عام طور پر پڑھا کرتی ہیں ؟ ——— ناولوں سے دلچسپی تو ہوگی آپکو ؟

شائستہ :- جی ہاں ہے تو تھوڑی بہت ،

انجم :- اچھا کون سا ناول آپ کو اب تک بہت زیادہ پسند آیا ؟

شائستہ :- بہت سے، کئی ایک ،

انجم :- تو دو چار کا نام بتایئے ،

شائستہ :- کیا کریں گے آپ پوچھ کر ؟

انجم :- ذرا آپ کے ذوق کا اندازہ لگاؤں گا ، اگر اسے صحیح پاؤں گا داد دوں گا ، غلط پاؤں گا تو رہنمائی کروں گا ، !

شائستہ :- مجھے خود اپنے ذوق پر اعتماد نہیں ہے ، لہٰذا امتحان نہ لیجئے ، رہنمائی کیجئے ،

انجم :- لیکن ناول پڑھنے کی ضرورت ہی کیا ہے ؟

شائستہ :- ہاں مجھے کوئی ایسا خاص شوق تو نہیں ہے ، ناول پڑھنے کا ،

انجم :- تو پھر مت پڑھا کیجئے، زرد اور ذرد وسر خریدن، روپیہ بھی خرچ کیجئے اور درد سر بھی مول لیجئے، اس سے حاصل کیا، ؟

شائستہ :- لیکن وقت گذاری کے لئے آخر کوئی نہ کوئی مشغلہ بھی تو چاہیئے،

انجم :- مشغلے بہت ہیں،

شائستہ :- تو بتایئے پھر،

انجم :- ہماری پارٹی کا ایک شعبہ "فلاح نسواں" بھی ہے اس میں کام کیجئے غریب، نادار، جاہل ان پڑھ، اور مظلوم لڑکیوں اور عورتوں کی مدد کیجئے

شائستہ :- وہ کس طرح ،؟ ———— میں بھلا کس کی مدد کر سکتی ہوں، !؟"

انجم :- بس اسی خاکساری، اور فروتنی سے مجھے نفرت ہے ———— آپ کیوں نہیں اپنی ہم جنسوں کی مدد کر سکتیں ؟

شائستہ :- یہ نہ سمجھئے کہ مدد کرنا نہیں چاہتی، لیکن مجھ میں وہ صلاحیت کہاں؟

انجم :- یہ کیوں ؟ ———— کیا خدمتِ خلق کا کام کرنیوالی ہر عورت کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے وقت کی بیگم بھوپال، یا مسز سروجنی نائیڈو ہو ؟

شائستہ :- یہ تو میں نہیں کہتی،

انجم :- پھر کیا مطلب ہے آپ کا ؟

شائستہ :- اس طرح کے کام انہی لوگوں کو زیب دیتے ہیں، جو فارغ البال ہوں، یکسو ہوں، ہر طرح کی فکر سے آزاد ہوں، پریشان اور

غم میں گرفتار نہ ہوں ،

انجم :- اور ہو تو آپ فکر مند ہیں ؟ پریشان ہیں ، غمگین ہیں ؟

شائستہ نے ایک نظر انجم کے چہرے پر ڈالی کہ اس سوال کا مقصد طنز ہے یا دریافتِ احوال ؟ پھر بولی ،

"جی ہاں ——— اگر ایسا نہ ہوتا تو میں اس گھر میں کیوں آتی ؟ ——— خدمت خلق کرنے والی لڑکیاں اور عورتیں ، کیا ایسی ہی ہوتی ہیں ؟

انجم :- (ذرا پریشان ہو کر) یہ تو بالکل ذاتی قسم کی باتیں شروع ہو گئیں ، اور شاید میں اس کا کوئی حق نہیں رکھتا کہ آپ کے ذاتی واقعات و حالات کو دریافت کروں ، لیکن اتنا ضرور کہوں گا ، کہ اصل چیز جذبہ ہے ، اگر آپ کے اندر خدمت کا جذبہ ہے ، تو مزدوری کرنے کے بعد بھی جو وقت بچے ، آپ اس نیک کام میں صرف کر سکتی ہیں ، اور اگر سرے سے جذبہ ہی نہیں ہے تو پھر صاف بات یہ ہے کہ ،

تیرا ہی جی نہ چاہے تو باتیں ہزار ہیں ، ! پھر آپ کو کوئی آمادہ کار نہیں کر سکتا ——— !

شائستہ :- جذبہ کی تو مجھ میں کمی نہیں ،

انجم :- پھر کس چیز کی کمی ہے ، یہ بھی تو معلوم ہونا چاہیئے ؟

شائستہ :- جن حالات سے میں گذر رہی ہوں ان کے بعد ، تو یہ جذبہ اور زیادہ تیز ہو گیا ہے ،

انجم :- ماشاءاللہ، جزاک اللہ ——— لیکن یہ اب تک نہیں بتایا، کہ پھر یہ جھجک کیوں ہے ؛

شائستہ :- آپ شاید میرے بارے میں غلط فہمی میں مبتلا ہیں ،

انجم :- یہ کیسے سمجھ لیا آپ نے ؛

شائستہ :- شاید آپ یہ سمجھتے ہیں کہ میں گریجویٹ ہوں، حالانکہ ایسا نہیں ہے شاید آپ کا یہ خیال ہے کہ میں دستکاری اور فنون خانہ داری سے واقف ہوں، حالانکہ یہ بات بھی نہیں ہے، میری تعلیم بہت معمولی ہے، فنون خانہ داری بھی مجھے نہ آنے کے برابر کرآتے ہیں، پھر بھلا کیا خدمت کروں گی ؟ کیا سکھلا سکوں گی کسی کو ؟

انجم :- مس شائستہ، غلط فہمی میں درحقیقت آپ مبتلا ہیں،

شائستہ :- ہو سکتا ہے، بلکہ یقیناً یہی بات ہوگی، مانتی ہوں ،

انجم :- اس قدر جلد ہر بات نہ مان لیا کیجئے ——— میرا مطلب یہ ہے کہ اصل چیز جذبہ ہے نہ کہ علم ، نہ کہ دولت ، نہ کہ ہنرمندی مانے لیتا ہوں، آپ کی تعلیم بہت معمولی ہے، لیکن تنویر جیسی غریب لڑکیوں کو، جو کوئی اُستانی نہیں رکھ سکتیں، آپ اتنا تو پڑھا سکتی ہیں، جتنا تنویر کو پڑھاتی ہیں ؟ یہ بھی مانے لیتا ہوں، کہ آپ فنون خانہ داری سے ناواقف ہیں، لیکن کیا دال روٹی بھی پکانا نہیں جانتیں ؛ کیا موزے اور بنیان کا بننا بھی نہیں آتا آپ کو ؟

شائستہ :- ہاں تھوڑا بہت آتا ہے، یہ سب،

انجم :- تو یہی تھوڑا بہت کام اگر آپ غریب نادار، یتیم، اور بے سہارا لڑکیوں کو سکھا دیں گی، دن بھر نہیں صرف گھنٹہ بھر، تو وہ روپیہ بارہ آنے روز کی مزدوری کر سکیں گی، اپنے بیکار باپ اور بیمار ماں کی خدمت کر سکیں گی، کیا یہ کوئی معمولی بات ہو گی؟

شائستہ :- بہت بڑی بات ہو گی،

انجم :- میرا مقصد صرف اتنا ہی تھا، اس سے زیادہ نہیں،

شائستہ :- لیکن کیا آپا رابعہ خانم اسے گوارا کر لیں گی کہ اس گھر میں ایک مکتب میں کھول لوں؟

انجم :- نہیں، وہ ہرگز اسے گوارا نہیں کریں گی،

شائستہ :- پھر یہ بیل کیسے منڈھے چڑھے گی؟

انجم :- کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کنواں پیاسے کے پاس چلا جاتا ہے

شائستہ :- مجھے اس میں عذر نہیں، لیکن کیا آپا مجھے اس گھر سے باہر کسی اور جگہ کام کرنے کی اجازت دیں گی؟ ———— اور یہ یاد رکھیے وہ میری اتنی بڑی محسن ہیں کہ کسی قیمت پر بھی انہیں خفا نہیں کر سکتی، کوئی ایسی بات نہیں کر سکتی، جو ان کے مزاج کے خلاف ہو، پھر تنویر کی محبت بھی میرے پاؤں کی بیڑی بنی ہوئی ہے، میں تو ایسا محسوس کرتی ہوں اس سے الگ رہ کر زندہ نہیں رہ سکتی!

انجم شائستہ کی ان باتوں سے بہت متاثر ہوا، وہ ابھی سوچ ہی رہا تھا کہ ان باتوں کے جواب میں کیا کہے؛ یعنی شائستہ کی پیش کردہ مشکلوں کا حل کیا بتائے کہ اُس نے دیکھا، تنویر، رالعبہ خانم کی انگلی پکڑے شاداں وفرحاں مسرور و مخمور چلی آرہی ہے، جیسے اب انجم ماموں کی خیریت نہیں، تنویر کو آتا دیکھتے ہی انجم اُٹھ کھڑا ہوا، اُس نے رالعبہ خانم سے کہا،

"آپا یہ تنویر بڑی جھوٹی ہو گئی ہے، اُس نے جو کچھ تم سے کہا ہے سب جھوٹ ہے، اوّل سے آخر تک ——— میں اب کبھی جیل نہیں جاؤں گا،!

اور پھر وہ سامنے سے بھاگ گیا، شائستہ، رالعبہ اور تنویر تینوں ہنسنے لگیں ———!

"خیر، تمہاری خاطر سے کہے دیتی ہوں، انجم میاں اچھے آدمی ہیں، اب تو راضی ہوئیں تم؟

تنویر خوش ہو گئی، پھر اس نے پوچھا۔

"کیا باتیں کر رہے تھے، آپ سے؟"

اس سوال پر شائستہ سٹ پٹا گئی،

"کچھ نہیں،!"

تنویر بھلا کہاں ماننے والی تھی،

"واہ جب میں آئی ہوں، تو وہ باتیں تو کر رہے تھے!"

شائستہ نے ٹالتے ہوئے کہا،

---

(۲۸)

تنویر!

انجم کے جانے کے بعد رابعہ خانم بھی ہنستی اور مسکراتی چلی گئیں کتنی خوش تھیں، اپنے بھائی کی شوخی پر،

"بڑا شریر ہے!"

ایسا معلوم ہوا کہ لفظ شریر سے ان کا مطلب سچ مچ شریر نہیں تھا بلکہ یہ تھا،

"بڑا پیارا ہے میرا یہ بھائی، دیکھتی ہو کیسی دل فریب حرکتیں کرتا ہے!"

رابعہ خانم کے رخصت ہونے کے بعد تنویر پھر اپنی کتاب کھول کر بیٹھ گئی اور بڑی سنجیدگی سے کہنے لگی،

"دیکھا آپ نے ہمارے ماموں جان کو؟

شائستہ نے جواب دیا،

"ہاں دیکھ لیا تمہارے ماموں جان کو ———— بڑے خراب

آدمی ہیں !"

تنویر چونک پڑی ،

"ماموں جان خراب آدمی ہیں ؛

شائستہ نے مسکراتے ہوئے ، لیکن جھوٹ موٹ کی سنجیدگی اپنے اوپر طاری کرتے ہوئے کہا ،

"اور نہیں کیا اچھے آدمی ہیں ؛"

ایک معلمہ کی حیثیت سے تنویر نے اسکی غلط فہمی رفع کرتے ہوئے کہا ،

"ہاں اور کیا ———— بہت اچھے ممی تو کہتی ہیں ، ساری دنیا ان کے گن گاتی ہے !"

شائستہ :- تم سے کہتی ہوں گی ،

تنویر :- تو کیا آپ سے شکایت کرتی ہیں ان کی ؛

شائستہ :- ہاں بیٹی ، مجھ سے تو کئی دفعہ ان کی شکایت کر چکی ہیں !"

تنویر نے بات ختم کرتے ہوئے کہا ،

"مذاق کر رہی ہونگی آپ ورنہ ہمارے ماموں کو تو سب اچھا کہتے ہیں ——— !

شائستہ بولی ،

"کہتے ہوں گے بھئی ، یہ تو اپنی اپنی رائے ہے ، !

تنویر مچل گئی ،

"نہیں ، آپ بھی انہیں اچھا کہیئے !"

"وہ کہہ رہے تھے، تنویر بڑی شریر لڑکی ہے!"

تنویر نے منہ بناتے ہوئے کہا،

"ہاں اُنہوں نے مجھے شریر مشہور کر رکھا ہے ——— بھلا بتایئے تو آپا، میں شرارت کرتی ہوں کبھی؟

شائستہ نے اُسے گلے سے لگا لیا،

"نہیں کبھی نہیں ——— میری تنویر تو بڑی اچھی (ٹھوڑی پکڑ کر) کیوں ہے نا؟"

تنویر مسکرانے لگی۔

"پھر ماموں جان مجھے شریر کیوں کہتے ہیں؟"

شائستہ نے بتایا۔

"اس لئے کہ وہ خود بھی تو بہت شریر ہیں!"

اس جواب سے تنویر بالکل مطمئن ہوگئی۔ کہنے لگی۔

"ہاں، یہ آپ نے ٹھیک کہا۔ اب وہ مجھے شریر کہیں گے تو کہدوں گی کہ خود آپ بھی تو شریر ہیں! ضرور وہ کہیں گے، نہیں میں تو نہیں ہوں، پھر میں کہوں گی، یقین نہ ہو تو آپ شائستہ سے پوچھ لیں، پھر دیکھوں گی کیا کہتے ہیں؟"

تنویر کی ان بھولی بھولی اور پیاری پیاری باتوں پر شائستہ کو پیار تو بہت آیا، لیکن پریشان ہوگئی۔ اُس نے سوچا اگر اس نے یہ تہمت میرے سر تھوپ دی تو بڑی مشکل پیش آجائے گی، کیا رائے قائم کرینگے

میرے بارے میں انجم میاں؛ لہٰذا اس نے پہلو بدلتے ہوئے کہا۔

"تا بھائی میرا نام نہ لینا اس بیچ میں، اچھا؛"

لیکن یہ بات تنویر کی سمجھ میں نہیں آئی۔

"کیوں؛ کیا ابھی آپ کچھ کہہ رہی تھیں۔؟"

شایستہ نے مطمئن کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"ہاں، کہہ تو رہی تھی، کیا وہ تو ایک بات چپکے سے بنا تی تھی۔ اگر اُن سے کہہ دو گی، تو وہ مجھ سے لڑینگے، اور پھر میں یہاں سے چلی جاؤنگی!"

"تنویر کو ایسا محسوس ہوا، جیسے وہ ابھی چلی جائے گی، وہ اس سے لپٹ گئی اور کہنے لگی،

"نہیں آپ نہ جایئے، میں آپ کو نہیں جانے دوں گی،!"

شائستہ نے دیکھا، تنویر کی خوبصورت سی آنکھوں میں آنسو جھلک رہے تھے! اُس نے بے ساختہ اُسے پیار کر لیا، اور کہا،

"میں کیوں جانے لگی، اپنی بلبل تنویر کو چھوڑ کر؛ لیکن دیکھو اپنے انجم ماموں سے کچھ نہ کہنا، میرے بارے میں اچھا،

اب تنویر نے سرِ اطاعت خم کر دیا،

"نہیں کہوں گی، ———— اب تو آپ نہیں جائیں گی،!؛"

شائستہ نے محبت سے اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا،

"نہیں، ہرگز نہیں،!"

تنویر مطمئن ہو گئی،

(۲۹)

ذہنی اُلجھن!

تنویر کے جانے کے بعد شائستہ نے الماری سے ایک کتاب نکالی اور اس کا مطالعہ کرنے لگی۔ نظریں کتاب پر تھیں لیکن خیال کہیں اور تھا۔ رہ رہ کر اُسے تنویر کی پیاری پیاری باتیں یاد آ رہی تھیں، تنویر کی تصویر نظر کے سامنے سے ہٹتی تو انجم کا دل آویز اور سحر طراز مسکراتا ہوا چہرہ سامنے آ جاتا تھا، اس کی باتیں کانوں میں گونجنے لگتی تھیں۔ ان باتوں میں کتنی شرافت تھی، کتنی بلندی تھی، کتنی بے لوثی تھی۔ کتنا ایثار تھا، نوع انسان کی ہمدردی کا کتنا اونچا جذبہ تھا۔

جب انجم کا تصوّر اس کی نظر کے سامنے آتا، جب اس کی باتیں کانوں میں گونجتیں تو وہ ندامت اور شرمندگی سی محسوس کرنے لگتی۔ بارہا اس کے دل میں خیال آیا تھا کہ۔

" انجم میاں اچھے آدمی نہیں ہیں۔ سب کا دل دکھاتے ہیں، خاندان

کا نام بدنام کرتے ہیں -!"

اور ایک مرتبہ تو یہ ناپاک خیال بھی آیا تھا کہ،

"انجم میاں کوئی اوباش اور آوارہ قسم کے آدمی ہیں - اس طرح کے کسی جرم میں جیل گئے ہوں گے بہن کی محبت بات بنا رہی ہے، کہ وہ ایسے ہیں ویسے ہیں - !"

یہ سوچ کر وہ اپنے آپ کو ملامت کرنے لگی، نفریں کرنے لگی اپنے آپ پر، پھر یاد آیا کہ ایک بار اس نے دل ہی دل میں انجم میاں کے ایثار، اور جذبۂ خدمت کا بھی مذاق اُڑایا تھا کہ،

"یہ ساری باتیں نام و نمود اور حرص شہرت کے لئے ہیں یہ نہیں کون ایسا ہو گا جو دوسروں کے لیے گھر پھونک تماشہ دیکھے؟ جو دوسروں کو مفت میں گھر کا اناج دے ڈالے - اور خود بلیک سے غلہ لے کر گزار کرے -؟"

لیکن انجم سے ملنے کے بعد جب اس نے اس کی سیرت اور کردار، بے لوثی اور بے غرضی، ایثار اور خدمت گزاری کا جذبہ دیکھا، تو وہ اپنے آپ کو بدترین خلائق ماننے پر مجبور ہو گئی،

"چھی چھی ——— میں کتنی بُری ہوں، کہ اتنے شریف آدمی کے بارے میں ایسے خیالات رکھتی تھی ——— توبہ توبہ ——!

پھر وہ آج کی باتوں پر غور کرنے لگی،

"وہ مجھے خدمت کے راستے پر لگانا چاہتے ہیں۔ ان کی شرافت

اور سچائی کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ وہ مجھے بھی شریف اور نیک سمجھتے ہیں، شاید ان کا خیال ہے میں بھی بڑی پارسا اور خدمت گذار ہوں انہیں نہیں معلوم، میں کون ہوں؟ کہاں سے آئی ہوں، میری زندگی کس کس گھر میں اور کس کس دور سے گذری ہے؟"

اور پھر سوچنے لگی،

"آہ، یہ سب کچھ جب انہیں معلوم ہوگا تو یقیناً وہ مجھ سے نفرت کرنے لگیں گے، کچھ عجب نہیں رابعہ خانم کو یہ مشورہ دیں کہ مجھے اس گھر سے نکال دیا جائے!"

گھر سے نکالے جانے کا خیال جیسے ہی آیا، فوراً تنویر کا مسکراتا ہوا شوخ اور معصوم چہرہ نظر کے سامنے آگیا، وہ سوچنے لگی،

"یہ تنویر میرے پاؤں کی زنجیر کیوں بن گئی ہے؟ —————— اگر میں یہاں سے نکلنے پر مجبور ہو گئی تو اسے کہاں پاؤں گی؟ اور جب یہ نہ ہوگی تو میں کیا کروں گی؟

اور پھر تنویر کی سادگی، اور محبت سے بھرپور باتیں یاد آنے لگیں،

"وہ بھی مجھے کتنا چاہتی ہے، بغیر میرے کیا مجال ہے جو ناشتہ کر لے کھانا کھالے، کسی سیر تفریح یا کھیل تماشہ میں حصہ لے، سارا دن میرے پاس گذارتی ہے۔ اس کا بس چلے تو رات بھی میرے ہی پاس گذارا کرے لیکن رابعہ خانم سے مجبور ہو جاتی ہے بیچاری —————— کہہ تو رہی تھی، آپ ہی کے پاس سویا کروں گی، پھر ماں کی آنکھیں دیکھ کر

خاموش گئی،

ماں کے مرنے کے بعد مجھے ایک دن سکھ نہ ملا،

سوتیلی ماں نے زندگی اجیرن کر دی میرے لئے

پھر فسکدر آیا، اس نے زندگی کو جہنم بنا دیا، نفرت ہو گئی، مجھے زندگی سے زندہ رہنے سے،

بیچاری ڈلارے کی ماں کام آئی، اس نے غریب ہونے کے باوجود مجھے روپے دیئے اور احمد پور کا ٹکٹ لے کر ریل میں بٹھا دیا،

لیکن قسمت احمد پور کے بجائے جلال پور لے آئی، !

یہاں انوری بیگم کی صورت میں قہر خداوندی سے دوچار ہونا پڑا ؛ اگر بیچاری شیرانن، خدا اس کا بھلا کرے کام نہ آتی تو آج میں بھی ثروت وغیرہ کی طرح، عزت اور آبرو کا کاروبار شروع کر چکی ہوتی۔

اتنی مصیبتوں کے بعد خدا نے رحم فرمایا، اور میں رابعہ خانم کے سایۂ عاطفت میں آ پہنچ گئی اور یہاں پہنچتے ہی اپنے سارے غم، ساری پریشانیاں بھول گئی وہ سکھ، وہ چین پایا ہے جس کا تصور بھی نہیں کر سکتی ——————

لیکن اگر یہاں سے جانا پڑا تو کہاں جاؤں گی ؟ —————— کیا پھر کسی انوری بیگم کی تختۂ مشق ستم بنوں گی ؟

——————

(۳۰)

شائستہ اور انجم

رابعہ خانم کے گھر میں آئے ہوئے شائستہ کو کافی عرصہ گزر چکا تھا، اس مدت میں رفتہ رفتہ اس نے وہی حیثیت اور اہمیت حاصل کر لی تھی، جو ایک خاندان کے کسی معزز فرد کو حاصل ہو سکتی ہے۔ رابعہ خانم سچے معنوں میں اُسے اپنی بہن سمجھنے لگی تھیں، گھر کا سارا کام اُسی کے ذمہ آ پڑا تھا، جتنا روپیہ بلڈنگوں کے کرایہ اور زمینداری کا آتا تھا وہ بینک میں چلا جاتا تھا۔ گھر میں نقد روپیہ جتنا رہتا تھا —— اور وہ چار پانچ ہزار سے کم نہیں ہوتا تھا —— وہ شائستہ کی تحویل میں رہتا تھا۔ انبار خانہ، گودام، توشہ خانہ، ہر چیز شائستہ کی نگرانی میں تھی — مغلانی سے لے کر جتنے مرد اور عورت ملازم تھے۔ سب کی تنخواہ شائستہ کے ہاتھ سے ادا ہوتی تھی؛ جتنی خریداری ہوتی، خواہ کتنی ہی رقم کی ہو، اور خواہ کیسی ہی چیز کیوں نہ ہو، اس وقت تک نہیں ہو سکتی تھی جب تک شائستہ اس پر مہر تصدیق ثبت

نہ کر دے۔ رالعیہ خانم رفتہ رفتہ اپنے ہر اختیار اور اپنے ہر کام سے دستبردار ہو چکی تھیں۔ حد یہ ہے کہ انجم کا جیب خرچ بھی شائستہ ہی دیتی تھی۔ یہ انجم کی سعادت مندی اور شرافت کی انتہا تھی کہ وہ بہن کو ماں بنائے ہوئے تھا۔ اور ہر چیز کا مالک ہونے کے باوجود بچوں کی طرح سہک سہک کر اور جھگڑ جھگڑ کر اپنی ذاتی اور قومی ضروریات کے لئے اس سے روپیہ طلب کیا کرتا تھا۔ لیکن اب یہ کام بھی شائستہ کے ہاتھ میں آگیا تھا اور اس وقت اس کی پوزیشن بڑی نازک ہو جاتی تھی، جب "بجٹ" سے زیادہ انجم صاحب طلب کرتے تھے۔ نہ انکار ممکن تھا نہ تعمیل، انجم اس پوزیشن کو سمجھتا تھا اور اس کی بے چارگی سے کافی لطف اندوز ہوتا تھا، بلکہ کبھی کبھی محض لطف اٹھانے کے لئے وہ کچھ نہ کچھ مانگ بیٹھتا تھا۔ اور جب تک وہ کافی پریشان نہیں ہو جاتی تھی اپنا مطالبہ جاری رکھتا تھا۔ ایک روز شائستہ اپنے کمرے میں بیٹھی حساب کتاب کر رہی تھی کہ انجم صاحب تشریف لائے، وہ کاغذات سمیٹ کر بیٹھ گئی، انجم نے کہا۔

اگر بہت زیادہ مصروفیت ہو تو اس وقت چلا جاؤں، پھر کسی وقت حاضر ہو جاؤں گا!" ——— ورنہ ایک بہت ضروری کام تھا۔!"

شائستہ نے جواب دیا۔

"ایسی باتیں نہ کیا کیجئے، تکلیف ہوتی ہے میں شرمندہ ہو جاتی ہوں اپنے دل میں، گھر آپ کا ہے۔ ہر چیز کے مالک آپ ہیں، پھر میں اجازت دینے والی، منع کرنے والی کون؟

انجم :- دیکھئے جناب، کام کے وقت رسمی انکسار اور خاکساری کا اظہار خواہ مخواہ وقت کا ضائع کرنا ہے۔ اگر بات وہی ہے جو آپ نے ابھی فرمائی، تو لائیے ایک ہزار روپیہ مرحمت کیجئے، مجھے۔"

شائستہ :- (پریشان ہو کر) ایک ہزار؟

انجم :- جناب ——— آپ کی مروت سے کم مانگ رہا ہوں، ورنہ ضرورت تو دو ہزار کی ہے۔

شائستہ :- دو ہزار کی ضرورت ہے؟

انجم :- ہاں، ——— کچھ آپ سے چھپاؤں کیا، سچی بات یہ ہے کہ پانچ ہزار سے کم میں کام نہیں چلے گا۔!"

شائستہ :- آخر ہی اتنی بڑی رقم کی کیا ضرورت پیش آگئی ہے آپ کو؟

انجم :- آپ کو معلوم ہے اور اکثر تمہیں معلوم تو ہونا چاہیئے کہ میں شراب نہیں پیتا، جوا نہیں کھیلتا، بری صحبت میں نے آج تک اختیار نہیں کی ———

شائستہ :- ہاں آپ کی ان باتوں کی خوب تعریف کرتے ہیں۔

انجم :- تو پھر سمجھ لیجئے، کوئی ایسی ہی ضرورت آگئی ——— لائیے، دیجئے۔

شائستہ :- لیکن میں کیسے دے سکتی ہوں۔؟

انجم :- کیوں ———؟ تجوری آپ کے قبضہ میں، کنجی آپ کے پاس، بہی کھاتہ آپ کے سامنے، اور پھر بھی آپ اتنی مجبور ہیں، کہ

روپیہ نہیں دے سکتیں۔

شائستہ :۔ دے تو سکتی ہوں، لیکن اتنا زیادہ کیسے دے دوں ۔؟

انجم :۔ کیوں ——— ؟ کیا کرے گا کوئی آپ کا ۔؟

شائستہ :۔ آپا جان (رابعہ خانم) خفا ہوں گی کہ مجھے بغیر پوچھے کیسے دے دیا۔ بات یہ ہے کہ وہ آپ کی فضول خرچی سے بہت نالاں ہیں۔

انجم :۔ کیا آپ بھی مجھے فضول خرچ سمجھتی ہیں ۔؟

شائستہ :۔ نہیں میں تو نہیں سمجھتی، لیکن میرے لئے بھی تو مشکل ہے۔

انجم :۔ وہ مجھے کہیے، ابھی حل کر دوں گا۔

شائستہ :۔ آپا کو روز حساب دکھانا پڑتا ہے۔ وہ پوچھیں گی تو کیا جواب دوں گی ۔؟

انجم :۔ یہ تو آپ نے مفت کا دردِ سر مول لیا ہے ۔ ابھی تو تین ہی دن کا تو واقعہ ہے کہ تم بھی کھانے سے کر اُن کے پاس پہنچی تھیں اور انہوں نے بگٹ آپ کو واپس کر دیا تھا کہ جاؤ، میں نہیں دیکھتی حساب کتاب۔ تم جانو، تمہارا کام جانے ۔ اور آپ گردن جھکائے ہوئے چُپ چاپ واپس چلی آئی تھیں، یاد ہے ؟

شائستہ :۔ (مسکراتے ہوئے) ہاں یاد ہے ، لیکن اگر کسی دن پوچھ بیٹھیں، اور حساب کتاب دیکھیں تو میں کیا جواب دوں گی ۔؟

انجم :۔ میرا نام لے لیجئے گا۔

شائستہ :۔ نہیں وہ خفا ہو جائیں گی ——— ایک بات آپ بھی تو سوچئے ۔

انجم : فرمایئے ۔ کون سی بات ہے جس پر مجھے غور کرنا چاہیئے ۔ ؟

شائستہ :۔ آپا۔ جو کچھ کرتی ہیں، وہ آپ ہی کے لئے تو کرتی ہیں ۔ وہ چاہتی ہیں آپ کی زندگی بنے ۔ آپ کا مستقبل سنور جائے ۔ آپ کا گھر آباد ہو۔

انجم :۔ درست فرمایا آپ نے، بہر حال میں آپ کی خواہش پوری کئے دیتا ہوں ۔

شائستہ :۔ یعنی ——— ؟

انجم :۔ اپنے مطالبہ سے دستبردار ہوا جاتا ہوں، اب تو ہوئیں آپ خوش ؟

شائستہ مسکرانے لگی اور پھر اپنے کاغذات ٹھیک کرنے میں لگ گئی ۔ بیٹھے بیٹھے انجم کے جی میں نہ جانے کیا آئی کہ اس نے آمد و خرچ کا رجسٹر اٹھا لیا اور ورق گردانی کرنے لگا ۔ پھر اس نے ایک زوردار قہقہہ لگاتے ہوئے شائستہ سے کہا ۔

"اب بتایئے، فضول خرچ میں ہوں یا آپ ؟

شائستہ چونک پڑی ۔

"کیا ہوا ؟"

انجم :۔ اب آپ کو جو نذرانہ آپا جان ہر ماہ دیتی ہیں وہ دو سو روپیہ ہے ۔ ——— ہے نا ؟

شائستہ :۔ جی ہاں، ——— ہے ۔ !

انجم :۔ اور آپ کا خرچ کیا ہے ۔ ؟

شائستہ :- کچھ نہیں ——— ابا مجھے کچھ خرچ کرنے ہی کب دیتی ہیں!

انجم :- ٹھیک ——— پھر آپ ابا کی قرضدار کیوں ہیں ؟

شائستہ :- میں نہیں سمجھی آپ کا مطلب، ذرا صاف کہیئے،

انجم :- دیکھیئے ناجنوری سے آپ کا یہ رجسٹر کھلا ہے، اور یہ نومبر کا مہینہ ہے یعنی گیارہ مہینے ہوئے۔ ٹھیک ہے نا ؟

شائستہ :- بالکل ٹھیک ہے، نومبر سے گیا، ہواں مہینہ شروع ہو گیا،

انجم :- اس حساب سے آپ کی تنخواہ بائیس سو ہوتی، اب تک اور آپ، پورے چوبیس سو لے چکی ہیں، دو سو زائد، ——— کیوں یہ کیوں ؟

شائستہ :- تو اس سے کیا ہوتا ہے ؟ دسمبر کی تنخواہ نہیں لوں گی، حساب کتاب برابر ہو جائے گا!

انجم :- سو وہ تو ٹھیک ہے بندہ پرور لیکن گستاخی معاف، یہ روپیہ گیا کہاں؟ ہوا کیا ؛ لیا کیوں ——— ؟

شائستہ :- کیا آپ کو میری دیانت پر شبہ ہے؛ اگر یہ بات ہے تو میں یہ کام چھوڑتی ہوں آج سے،

انجم :- (کان پکڑ کر) خدا کی قسم نہیں لعنت ہے اس شخص پر جس کے دل میں ایسا پنچ خیال آئے ——— لیکن بے ادبی کی معافی چاہتے ہوئے یہ ضرور دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ آخر خدانخواستہ ایسی کیا ضرورت پیش آگئی تھی آپ کو یہ روپیہ خرچ کرنے کی ؟

شائستہ :۔ (سنجیدگی کے ساتھ) کیا آپ نہیں جانتے ؟

انجم :۔ جانتا ہوتا تو پوچھتا کیوں ؟

شائستہ :۔ غور کیجئے، ——— شاید یاد آجائے آپ کو،

انجم :۔ سبحان اللہ، خرچ آپ نے کیا ہے، یاد مجھکو آئے گا ؟

شائستہ :۔ ہو سکتا ہے۔ سوچئے، غور کیجئے،

انجم :۔ ہرگز نہیں ہو سکتا، میں اتنا ناسمجھ بھی نہیں ہوں،

شائستہ :۔ سوچئے تو،

انجم :۔ خوب سوچ لیا،

شائستہ :۔ دو مہینے ہوئے آپ نے ڈیڑھ ہزار روپیہ اپنے جیب خرچ سے
زائد لیا تھا پھر ابھی پندرہ دن ہوئے، آٹھ سو روپے الگ سے لئے
کل پھر سو روپے لے گئے تھے ——— یہ سب
کتنے ہوئے ؟

انجم :۔ چوبیس سو،

شائستہ بس تو حساب صاف ہو گیا،

انجم :۔ (چکرا کر) یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں، جو رقم میں نے لی ہے، وہ
میرے نام پر ہونی چاہیئے آپ کے نام پر کیوں ہے ———
——— ؟

شائستہ :۔ میں اپنی تنخواہ جب چاہوں برآمد کر سکتی ہوں، اس کا مجھے
حق ہے، لیکن آپا کی اجازت بغیر کسی کو، کوئی زیادہ رقم نہیں

دے سکتی، جانتی ہوں، آپ جب زیادہ روپیہ طلب کرتے ہیں تو کسی واقعی ضرورت کی بنا پر کرتے ہیں، پھر اگر میں بھی اس میں حقیر سا حصّہ لے لوں تو کیا حرج ہے؟

انجم:- (بہت زیادہ پریشان ہو کر) یہ سارا روپیہ اپنی تنخواہ سے لے کر آپ نے مجھے دیا تھا؟

شائستہ:- جی ہاں ——— اگر یہ غلطی تھی، تو مجھے اس کا اعتراف ہے،!

انجم نے سر اُٹھا کر دیکھا تو شائستہ کی آنکھوں میں آنسو جھلملا رہے تھے، یہ حال دیکھ کر وہ بدحواس ہو گیا، اس نے بڑے اضطراب کے ساتھ کہا،

مس شائستہ ——— خدا کے لئے تو!

شائستہ:- (آنسو پونچھتے ہوئے) کہیئے سن رہی ہوں،

انجم:- (گھبرائے ہوئے لہجہ میں) آپ سے کوئی غلطی نہیں ہوئی، غلطی تو میں نے کی ہے۔ میں آپ سے معافی مانگتا ہوں، معاف کر دیجئے، میرا گناہ،

شائستہ:- شرمندہ کیوں کر رہے ہیں آپ مجھے؟

انجم:- آپ ضرورت سے زیادہ حساس ہیں، اتنی زود حسّی بھی ٹھیک نہیں ——— میں پوچھتا ہوں، آخر آپ نے یہ کیا غضب کیا؟

شائستہ :- میں نہیں سمجھی آپ کیا پوچھ رہے ہیں -

انجم :- میں نے جو زیادہ رقم مانگی تھی، وہ اگر آپا کی ممانعت تھی تو نہ دیتیں انکار کر دیتیں، یا اُن سے دریافت کر لیتیں، ورنہ میں خود ان سے ایک وقت کا کھانا چھوڑ کر جتنی رقم چاہتا لے لیتا ؟ لیکن آپ نے تو خواہ مخواہ اتنا بڑا بوجھ اپنے اوپر لے لیا،

شائستہ :- میں تو اسے بوجھ نہیں سمجھتی،

انجم :- اچھا ایثار سہی، !

شائستہ :- خیر اس لفظ پر جھگڑا نہیں کروں گی،

انجم :- لیکن کیا ضرورت تھی اتنے بڑے ایثار کی آپ کو ؟

شائستہ :- ایک روز آپ نے کہا تھا کہ میں فاضل اوقات میں خدمت خلق کیا کروں ؛ نادار اور غریب لڑکیوں اور عورتوں کی مدد کیا کروں، انہیں پڑھاؤں، لکھاؤں، سکھاؤں ———— کہا تھا آپ نے ؟

انجم :- ہاں کہا تھا ———— لیکن

شائستہ : لیکن کیا ———— ؟

انجم :- پھر آپ آپا سے ڈر گئیں کہ نہ یہاں مکتب کھول سکوں گی، نہ کہیں باہر جا سکوں گی تو میں نے اپنے دل سے یہ خیال نکال دیا۔

شائستہ :- لیکن میں اپنے دل سے اس خیال کو نہ نکال سکی،

انجم :- کیا مطلب ؟

شائستہ :- میں نے سوچا، اگر میں گھر سے باہر نہیں جا سکتی، گھر پہ کوئی

کام نہیں کر سکتی، تو کیا گھر کے اندر رہ کر بھی کوئی خدمت اپنی مجبور و معذور بہنوں اور ماؤں کی نہیں کر سکتی ؟ پھر میں نے سوچا ۔ آپ یہ کام کر رہے ہیں، مقررہ جیب خرچ سے زیادہ روپے کی ضرورت انہی کاموں کے لئے آپ کو ہوتی ہے، پھر کیوں نہ حصہ لوں ؟

انجم :- لیکن اس طرح ، آنا زیادہ ؟

شائستہ :- زیادہ کیا ہوا ؟ ——— ان روپیوں کا آخر اس سے بہتر مصرف اور کیا ہو سکتا ہے ؟ آپ دیکھتے ہیں میری ہر ضرورت گھر سے پوری ہو جاتی ہے، کوئی کام نہیں رُکتا ، پھر یہ روپے ، خواہ مخواہ جمع کرنے سے کیا فائدہ ؟ کس کام آئیں گے یہ ؟ کیوں نہ انہیں ایک نیک کام میں خرچ کیا جائے ؟

انجم :- (شائستہ کو تکتے ہوئے) ماشاء اللہ خدا نظر بد سے بچائے ——— لیکن یہ روپے دے کر آپ نے میرے سر پر جو بوجھ رکھ دیا ہے ، وہ کس طرح اُترے گا ؟

شائستہ :- ایسا نہ کہیئے، مجھے شرمندہ نہ کیجئے ، ویسے ہی ندامت کا بوجھ مجھ پر کم نہیں ہے،

انجم :- ندامت کیسی ؟

شائستہ :- پہلے میں آپ کے بارے میں اچھی رائے نہیں رکھتی تھی ،

انجم :- لفنگا ، چور ، ڈاکو سمجھتی تھیں آپ اس خاکسار کو ؟

شائستہ:- ہاں کچھ ایسا ہی،

انجم:- اور اب؟

شائستہ:- اب وہی سمجھتی ہوں جو آپ ہیں،

انجم:- یعنی ——— بہت نیک بڑے پارسا اور پرہیزگار؟

شائستہ:- (مسکراتے ہوئے) جی ہاں،

انجم:- لیکن آپ نے وہ شعر نہیں سنا،

بڑے نیک طینت بڑے صاف باطن
ریاض آپ کو کچھ ہمیں جانتے ہیں

اگر آپ کو اپنی رائے بدلنی پڑے میرے بارے میں، تو ذرا سوچئے تو سہی مجھے کتنی شرمندگی ہوگی؟

شائستہ:- ایسا نہیں ہوگا، میں بار بار اور جلد جلد رائے نہیں بدلا کرتی

انجم:- شکریہ ——— خدا کرے میں آپ کے حسن ظن کا اہل ثابت ہو سکوں،

شائستہ:- اب آپ نے فقرہ بازیاں شروع کر دیں؟

انجم:- (رکھتے ہوئے) اچھا تو پھر پانچ ہزار روپے دیتی ہیں آپ؟

شائستہ:- ابھی نہیں ——— میری کچھ تنخواہ اور چڑھ لے، پھر کوشش کروں گی!

یہ کہہ کر وہ ہنسنے لگی! انجم مسکراتا ہوا باہر چلا گیا،!

(۳۱)

چوری

کتنی دن گذر گئے لیکن انجم اور شائستہ کی ملاقات نہ ہو سکی، وہ باہر کے کاموں میں کچھ ایسا الجھا رہا کہ گھر آنے کا اُسے موقع بہت کم ملا - اور جب آیا تو ایسے وقت کہ شائستہ سے ملاقات کا کوئی امکان نہیں تھا، ایک روز وہ تنویر کے کام سے فارغ ہو کر، اپنے کمرہ میں تنہا بیٹھی تھی طبیعت گھبرائی تو گنگنانے لگی،

ہم ہیں مشتاق اور وہ بیزار
یا الٰہی یہ ماجرا کیا ہے —؟

گاتے گاتے چپ ہو گئی، جیسے کچھ سوچ رہی ہو، پھر دفعتاً اس کے لبوں نے جنبش کی،

ہم نے مانا کہ کچھ نہیں غالب
مفت ہاتھ آئے تو برا کیا ہے؛

اور پھر وہ چپ ہو گئی، جیسے کسی گہرے مسئلہ پر غور کر رہی ہو، انجم دروازہ سے لگا، شائستہ کا مدبرانہ لہجہ سن رہا تھا، آخر ضبط نہ کر سکا، اندر چلا آیا، اسے دیکھ کر شائستہ چونک پڑی،

"آپ ——————؟"

وہ اطمینان سے آیا، اور قریب کی کرسی پر بیٹھ گیا،

"جی ہاں یہ نیاز مند حاضر ہوا ہے —————— کوئی اعتراض تو نہیں آپ کو؟

شائستہ ہنسنے لگی،

"بہت بڑا اعتراض ہے،!"

انجم:- تو چلا جاؤں پھر؟"

شائستہ:- اس کا جواب اپنے آپ سے لیجئے،

انجم:- اگر فیصلہ میرے اوپر ہے، تو پھر میں تشریف رکھتا ہوں،!

شائستہ:- بسر و چشم،

انجم:- گستاخی معاف، مجھے یہ نہیں معلوم تھا کہ آپ چور ہیں!"

شائستہ کی تیوریاں چڑھ گئیں،

"کون سی چوری پکڑی آپ نے میری؛ ذرا بتائیے تو؟"

انجم:- اگر آپ اصرار کریں گی تو بتا دوں گا، ورنہ یہ انکشاف آپا کے سامنے کرنا چاہتا تھا،

شائستہ:- (قدرے برہمی کے ساتھ) تو انہیں بلا لائیے، کہئے تو میں چلی جلتی

ہوں وہاں،

انجم :۔ لیکن اتنی جلدی کی کیا ضرورت ہے ؛ پھر کبھی وقت سہی ،

شائستہ :۔ جی نہیں ——— یہ ایسا معاملہ نہیں ہے جس میں تاخیر روا رکھی جائے، اس کا فیصلہ ابھی اور اسی وقت ہونا چاہیئے ،

انجم :۔ آپ تو بگڑ گئیں ؛ میں نے ایسی خفا ہونے والی بات تو نہیں کہی تھی ،

شائستہ :۔ سبحان اللہ، یہ بھی خوب فرمایا آپ نے، کھلم کھلا چوری کا الزام، عاید کیا جا رہا ہے، پھر بھی توقع یہ ہے کہ اس ذلیل الزام کو خوشی سے قبول کر لوں گی ؟ اگر کوئی آپ کو ایسا کہے تو ؟

انجم :۔ تو کیا، ——— میں کہوں گا، تم خود چور ——— آپ بھی مجھے کہہ لیجئے، چور نہیں ڈاکو کہہ لیجئے، قزاق کہہ لیجئے، اٹھائی گیرا کہہ لیجئے، جو چاہیئے کہہ لیجئے، کیا مجال جو میرے ماتھے پر شکن تک آجائے ،

شائستہ :۔ بڑے عالی حوصلہ ہیں آپ ،

انجم :۔ الحمدللہ ،

شائستہ :۔ میں آپ کی برابری نہیں کر سکتی !

انجم :۔ یہی میرا اپنے بارے میں خیال ہے کہ آپ کی برابری نہیں کر سکتا ۔

شائستہ :۔ چوری میں ——— ؟

انجم :- اوہو، بڑا ماشا اللہ تیز حافظہ ہے آپ کا، جو بات یہ خاکسار بھول بھی چکا تھا وہ اب تک یاد ہے آپ کو، ——— خدا نظر بد سے بچائے،

شائستہ :- آپ نے ایک بات کہی جس کا تعلق میری دیانت اور شخصیت سے ہے، میں نے چیلنج کیا، تو اب آپ باتوں میں ٹال جانا چاہتے ہیں نہیں ہو سکتا، بتایئے میری چوری،

انجم :- کیا کیجیے گا پوچھکر، ——— پھر خواہ مخواہ مجھے کہنا ہی پڑے گا،

شائستہ :- وہی تو میں چاہتی ہوں، کہیئے، اور جلد کہیئے،

انجم :- آپ انکار تو نہیں کریں گی ؟

شائستہ :- یعنی آپ کی مرضی یہ ہے کہ اقرار کر لوں کہ چور ہوں، بہت خوب

انجم :- وہ تو کرنا ہی پڑے گا،

شائستہ :- اچھا کہیئے تو سہی، ذرا میں بھی تو دیکھوں، کون سی چوری کی ہے میں نے اس گھر میں ؟

انجم :- کیا ابھی گانا نہیں گا رہی تھیں آپ ——— ؟

شائستہ :- (تیوری چڑھا کر) ہاں تو ؟ ——— گا رہی تھی پھر ؟ ——— اس سے کیا ہوتا ہے ؟

انجم :- کیا یہ چوری نہیں تھی ؟ ——— آج تک تو آپ کے اس کمال کا نہ مجھے علم تھا، نہ آپا کو، پھر یہ چوری چھپے نغمہ طرازی

کیوں ؟

شائستہ :- باتیں نہ بنائیے،

انجم :- بہ خدا میرا مطلب یہی تھا، آپ نے نہ جانے کیا سمجھا،

شائستہ :- نہیں آپ کچھ اور کہنا چاہتے تھے،

انجم :- یہ تو خود مجھے نہیں معلوم ؟ ——— کچھ اور کہنا چاہتا تو کہہ نہ دیتا ——— واقعی آپ بہت اچھا گاتی ہیں، آواز، آواز کا لوچ، آواز کا سحر، میں تو قائل ہو گیا آج آپ کا، آپ تو چھپی رستم نکلیں،

شائستہ :- (مسکراتے ہوئے) شکریہ،

انجم :- کیا میں ایک درخواست کر سکتا ہوں ؟

شائستہ :- فرمائیے ——— اس طرح کی باتیں کیوں کرتے ہیں ؟

انجم :- کس طرح کی باتیں کرتا ہوں اسے چھوڑیے ——— کہیے میری درخواست کے بارے میں کیا فیصلہ کیا آپ نے ؟

شائستہ :- فرمائیے تو سہی کچھ،

انجم :- غالب ہی کی کوئی غزل اور سنا دیجئے،

شائستہ :- مجھے گانا بالکل نہیں آتا ورنہ سنا دیتی ——— آپ کو غلط فہمی ہے میرے بارے میں،

انجم :- گویا آپ نے میری درخواست نامنظور کر دی ؟

شائستہ :- پھر وہی ——— کہہ تو رہی ہوں مجھے گانا نہیں آتا،

انجم :- ذرا بھی یہاں کون گا رہا تھا ؟

شائستہ :- کوئی نہیں ،

انجم :- تو کیا میرے کان بج رہے تھے ؟

شائستہ :- یہ آپ جانیئے ،

انجم :- ضد نہ کیجئے ، کہنا مان لیجئے ،

شائستہ :- واقعی مجھے یہ فن ذرا بھی نہیں آتا ، آپ تو خواہ مخواہ اصرار کئے جا رہے ہیں ——— !

انجم :- اپنے کانوں سے سُن چکا ہوں ، انہیں کیسے جھٹلا دوں ؛

شائستہ نے ابھی کوئی جواب نہیں دیا تھا کہ تنویر آ گئی ، اور آتے ہی اپنی گڑیا کے بارے میں دونوں کی رائے لینے لگی ، کہ یہ کیسی ہے ، ابھی ابھی امی نے مجھے لا کر دی ہے

انجم نے منہ بنا کر کہا ،

"بہت خراب ——— چڑیل ہے بالکل !"

شائستہ نے کہا ،

"بہت اچھی ——— جیسے پرستان کی پری !!"

تنویر انجم کی بات سے جتنی خفا ہوئی تھی ، شائستہ کے اظہار خیال سے اتنی ہی خوش ہو گئی ، انجم کو اس نے منہ بھی نہیں لگایا ، شائستہ سے کہا ،

"آپ نے کہا تھا ، نئی گڑیا جو آئے گی ، اس کا لباس اچھا سا ، بالکل دلہنوں کا سا سی دیں گی ، ؟

شائستہ نے آمادگی کے ساتھ جواب دیا،

"ہاں ضرور سی دوں گی ———— کس رنگ کا؟"

شائستہ گلابی رنگ کا ریشمی غرارہ پہنے بیٹھی تھی، تنویر نے اس پر انگلی رکھ دی،

"بالکل ایسا،!"

شائستہ ہنسنے لگی،

"اچھا اچھا، بالکل ایسا سی دوں گی،!"

تنویر مطمئن ہو کر خوش خوش چلی گئی، اس کے جانے کے بعد، انجم نے کہا،

"یہ نہ سمجھئے گا فتنہ ٹل گیا، وہ شیطان کی خالہ ابھی پھر کوئی نیا مسئلہ لے کر آتی ہوگی!"

شائستہ ہنسنے لگی،

"اتنی ہل گئی ہے مجھ سے کہ کیا کہوں؟ آپا کے بعد اگر کسی کو چاہتی ہے تو مجھے،!"

انجم نے ایک ٹھنڈی سانس بھر کر کہا،

"ہاں صاحب بس ایک ہم ہیں، جس سے نفرت سب کرتے ہیں، چاہتا کوئی نہیں، یہ بھی اپنی اپنی قسمت ———— خیر یہ تو معلوم ہو گیا، آپ گانا وانا نہیں سنائیں گی، مجھے بھی ایک کام سے باہر جانا ہے، یہ اپنی امانت لیجئے،!"

شائستہ نے نظر اٹھائی، تو نوٹوں کا ایک پلندہ انجم کے ہاتھ میں نظر آیا۔

شائستہ نے پوچھا،

"یہ کیا ہے ؟"

انجم :- جی اسے روپیہ کہتے ہیں ،

شائستہ :- لیکن آپ مجھے کیوں دے رہے ہیں ؟

انجم :- اس لئے کہ آپ کے ہیں ——— کیا اس سے بھی گانے کی طرح آپ انکار کر دیں گی ؟

شائستہ :- کرنا ہی پڑے گا ،

انجم :- یہ آپ کے وہ روپے ہیں بندہ پرور جو اپنے وقتاً فوقتاً، اپنے حساب میں لکھ کر دیئے ہیں، جن کی میزان ۲۴ سو ہوتی ہے ——— آگیا یاد ؟

شائستہ :- نہیں ، ———

انجم :- لیکن ———

شائستہ :- اگر آپ مجھے ذلیل کرنے پر تل گئے ہیں تو دوسری بات ہے!

انجم نے دیکھا، شائستہ کی آنکھوں میں آنسو جھلملانے لگے تھے ، وہ گھبرا گیا ،

"اچھا رہنے دیجئے ! ——— دیکھتے ہیں بھی کتنا بزدل ہوں ، فوراً ہار مان لی ،

یہ کہہ کر اس نے نوٹ جیب میں رکھ لئے، اور گویا ہوا ،

"اب تو آپ خوش ہوئیں !"

شائستہ نے ایک سوگوار تبسم کے ساتھ کہا،

"چیل کے گھونسلے میں ماس کہا،!" ——— مجھ میں اور خوشی میں بڑا پرانا بیر ہے!"

انجم:- یہ کیا کہہ رہی ہیں آپ؟

شائستہ:- ہے ایک بات، جس کا صرف مجھی سے تعلق ہے!،

انجم:- کیا آپ سمجھتی ہیں آپ کو افسردہ اور مضمحل دیکھ کر دوسرے لوگ خوش اور مسرور ہوتے ہیں؟

شائستہ:- اس پر میں نے کبھی غور نہیں کیا!

انجم:- کم از کم، اتنی حد تک تو میں کہہ سکتا ہوں ———

اس کے آگے وہ کچھ نہ کہہ سکا، کچھ جھینپ سا گیا، شائستہ نے کچھ پوچھنا چاہا، لیکن پوچھ نہ سکی، اس کے چہرے کا رنگ بتا رہا تھا، کچھ لجا سی گئی ہے اس وقت،

کچھ دیر تک دونوں خاموش رہے، پھر انجم نے کہا،

"تو کیا میں چلا جاؤں پھر؟

شائستہ نے جواب دیا۔

"کیوں جائیے ——— بیٹھے تشریف رکھیے،

انجم:- اچھا، اب جانے دو، پھر کسی وقت آؤں گا۔ ——— تم سے کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں۔

شائستہ:- تو کہیے نا، ابھی کہہ دیجئے،

انجم :- ذرا اور غور کر لوں،

شائستہ :- کیا وہ کوئی بہت اہم مسئلہ ہے ؟

انجم :- میرے نزدیک تو بہت اہم ہے۔

شائستہ پھر انتظار رکھا ہے کا ، ؟

انجم :- نہیں انتظار کا تو کوئی سوال نہیں لیکن ——— لیکن بات یہ ہے کہ ——— دیکھئے میں نے کہا نہ تھا کہ وہ تنویر شیطان کی خالہ پھر کوئی مسئلہ لے کر نمودار ہوگی ، وہ آگئی ، !

اور واقعی ، ایک گلابی رنگ کا ریشمی کپڑے کا ٹکڑا اور ایک قینچی لئے ہوئے تنویر آپہنچ ہی تو گئی ،

"دیکھئے کتنا اچھا کپڑا چھانٹ کر لائی ہوں !"

شائستہ نے کپڑا اس کے ہاتھ سے لے لیا ،

"ہاں بہت اچھا ——— اتنا ہی نرم و ملائم جیسے

انجم :- تمہارے گال ، !

اور پھر وہ ہنستا ہوا چلا گیا تنویر اس سے اتنی خفا تھی کہ شائستہ کے مسکرانے کے باوجود سنجیدہ بنی بیٹھی رہی ، !

---

(۳۲)

محبّت

شائستہ بڑی دیر تک گڑیا، اور اس کے لباس کی قطع و برید میں اُلجھی رہی اس کام سے فارغ ہونے کے بعد جب تنویر واپس گئی، اور اپنے کمرہ میں اکیلی رہ گئی، تو انجم کے الفاظ اس کے کانوں میں گونجنے لگے،

"میں آپ سے کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں،!"

وہ سوچنے لگی، وہ کونسی ایسی باتیں ہیں، جو وہ مجھ سے کرنا چاہتے ہیں؟ پھر اُسے یاد آیا، انجم نے ٹھنڈی سانس بھر کر یہ بھی تو کہا تھا کہ

"وہ مسئلہ میری نظر میں بے حد اہم ہے،!"

وہ سوچنے لگی، وہ کون سا اہم مسئلہ ہو سکتا ہے، جسے میرے سامنے بیان کرتے ہوتے وہ ہچکچاتے ہیں! ———— پھر اسے یاد آیا، اُس نے تنویر کے بارے میں کہا تھا،

"یہ مجھے بہت چاہتی ہے!"

اور یہ سنکر انجم نے ایک آہِ سرد کے ساتھ کہا تھا،

"ہاں ———— لیکن ہم سے سب نفرت کرتے ہیں، کوئی نہیں چاہتا ہمیں،!"

آخر ان باتوں کا کیا مطلب ہو سکتا ہے ؟

وہ مجھ سے کیا کہنا چاہتے ہیں ؛

کس اہم مسئلہ پر گفتگو کرنا چاہتے ہیں ———— ؟

اور وہ تنہا ہی تو نہیں ———— خود میں بھی تو بہت کچھ کہنا چاہتی ہوں، کسی اور سے نہیں خود انہی سے،!

مجھے بھی تو بہت سی باتیں کرنا ہیں،!

لیکن میں ان سے بھی زیادہ بے بس ہوں،

جب وہ اتنی ہمت اور سکت نہیں پاتے کہ دل کی بات زبان پر لے آئیں، تو بھلا میں یہ کس طرح کر سکتی ہوں ؛

کیا ہم دونوں ایک ہی بات سوچ رہے ہیں ؛

کیا وہ بھی ———— ؟

یا وہ بھی محبت ———— ؟

کیا وہ بھی محبت کرتے ہیں مجھ سے ؟

ایسا بھلا کیونکر ممکن ہے ؛

کہاں، وہ کہاں میں ؛

ٹاٹ، مخمل کا پیوند نہیں بن سکتا، ذرہ، آفتاب کا ہم پیالہ نہیں ہو سکتا

———— !

لیکن آج یہ کیسی باتیں آ رہی ہیں میرے دماغ میں ؛

میں نے، تو کبھی کسی سے محبت نہیں کی ۔

میں نے شنکر کو ٹھکرایا ،

میں نے نواب صاحب پر نظر نہ ڈالی ،

لیکن کیا میں انجم کو بھی ٹھکرا سکتی ہیں ، ؛

لیکن یہ کتنی اُلٹی بات میرے ذہن میں آئی ہے ،

وہ ———— انجم صاحب ، مجھے ٹھکرا سکتے ہیں ، میں انہیں کیا ٹھکراؤں گی ،

کتنے اچھے آدمی ہیں وہ ، !

جو دوسروں کے لئے اپنی دولت لٹاتا ہوا جو دوسروں کے لئے ، جیل کی تکلیفیں برداشت کرتا ہو ، جو دوسروں کے لئے صبح سے شام تک ایک مزدور کی طرح کام کرتا ہو ، ———— کیا وہ اس قابل نہیں کہ اُسے پوجا جائے ؛

ہاں وہ اس قابل ہے ،

میرا دل انجم صاحب کو پوجتا ہے ، میری روح ان کی پرستش کرتی ہے جب وہ موسم بہار کی طرح اٹکھیلیاں کرتے میرے کمرہ میں آتے ہیں ، میرا دل دھڑکنے لگتا ہے ، میری رگیں سنسنانے لگتی ہیں ، میرے خیالات میں تموج پیدا ہو جاتا ہے ، میرا جی چاہتا ہے ، وہ برابر آتے رہیں ، دیر تک

بیٹھا کریں مسلسل باتیں کرتے رہیں، دن اسی طرح رات بن جائے، رات اسی طرح دن کی صورت اختیار کرلے، لیکن جب وہ آتے ہیں، جب وہ بیٹھتے ہیں میرے پاس، جب وہ باتیں کرتے ہیں، تو میں خاموش رہتی ہوں، دل میں کیسا کیسا طوفان تکلّم ہلچل مچاتا ہے، لیکن زبان یاری نہیں دیتی، چپ چاپ بیٹھی رہتی ہوں،

اور ——— پھر وہ چلے جاتے ہیں، اور میں اپنے آپ کو ملامت کرتی ہوں کہ کتنا اچھا اور نادر موقعہ میں نے کھو دیا، کیوں میں چپ رہی؛ کیوں نہیں میں نے باتیں کیں؟

لیکن جو باتیں میرے دل میں طوفان مچاتے ہوتے ہیں، کیا وہ اب تک آ سکتی ہیں؟

کیا وہ الفاظ کا جامہ پہن سکتی ہیں؛ نہیں ——— اتنی ہمت مجھ میں نہیں،!

وہ مجھ سے لگاؤ کی باتیں کرتے ہیں، میں بھی آخر سمجھدار ہوں، بچّہ تو نہیں ہوں، کیا اتنا بھی نہیں سمجھتی، وہ بار بار میرے پاس کیوں آتے ہیں؛ کیوں بیٹھتے ہیں؛ صبح میرا گانا سُنکر کیسی کیسی تعریفیں کی ہیں، کس کس طرح اصرار کیا ہے کہ کچھ سُنا دوں، ان کے الفاظ میں کتنی اپنایت ہوتی ہے، اور اپنایت کے ساتھ کچھ اور بھی ——— وہ کچھ اور کیا ——— ؟

یہ میں نہیں جانتی، لیکن ——— ہاں سچ تو ہے،

کہیں چھپتی ہے محبت کی نظر پیار کی آنکھ"!

اُن کی پیار کی آنکھ، اور محبت کی نظر میں محسوس کرتی رہی ——
لیکن جواب نہیں دے سکتی، !
اور اگر خود اُنھوں نے پہل کی، خود اُنھوں نے اظہار محبت کیا —
تو؛ تب کیا ہوگا ؟
پھر میں کیا جواب دوں گی ؟
کیا انکار کردوں ؟
کیا انکار کرسکوں گی ؟
پھر کیا، قبول کرلوں ان کی محبت کا پیام ؟
کیا قبول کرسکوں گی ؟
ایسا ہوا، تو رابعہ خانم کیا کہیں گی اپنے دل میں ؟ ——
وہ مجھے کتنا ہیچ اور ذلیل خیال کریں گی ؟
سوچیں گی، یہ وہی چھوکری ہے، جو باپ کے گھر سے بھاگی، جو ایک طوائف کے گھر میں پناہ گزیں ہوئی، جس پر بدمعاشوں اور تماشبینوں کی شوخ اور گستاخ نگاہیں پڑیں، جو ان سب سے بھاگ کر میرے پاس آئی میں نے اُسے پناہ دی میں نے اُسے سکون و عافیت کی دولت دی، میں نے اُسے اچھے سے اچھا کھانا کھلایا، میں نے اُسے بہتر سے بہتر کپڑے پہنائے، میں نے اُسے روپیہ دیا، میں نے اپنا سارا گھر اس کی تحویل میں دے دیا، !
اور اس احسان کا صلہ اس نے کیا دیا ؟ —— ؟

یہ کہ میرے بھائی کو پرچایا۔ لبھایا، اس پر کمند ڈالی۔ اسے اپنا بنالیا۔ تاکہ اس کی دولت کی مالک بن جائے۔ تاکہ غربت کی زندگی سے نجات پائے۔ اور عیش و عشرت کی زندگی بسر کرے۔!

وہ یہ سب کچھ سوچیں گی۔ اور میرے پاس اُن باتوں کا کوئی جواب نہ ہوگا۔ پھر میں کیا کرونگی۔؟ —— پھر میں کہاں جاؤں گی۔؟

اب تو گھبرا کے کہتے ہیں کہ مر جائیں گے
مر کے بھی چین نہ پایا تو کدھر جائیں گے

رابعہ خانم کو کتنا صدمہ ہوگا جب وہ محسوس کرینگی کہ میں نے اُن کے اعتماد سے ناجائز فائدہ اُٹھایا ہے، اتنی حسرتیں ہیں اُن کے دل میں، اپنے اکلوتے بھائی کی خانہ آبادی کی، یہ صرف اکلوتا بھائی نہیں، اکلوتا بیٹا بھی ہے۔ واقعی وہ انجم کو اولاد سے زیادہ چاہتی ہیں۔ وہ چاہتی ہیں کہ ایک اچھی سی، خوب صورت سی چندے آفتاب، چندے ماہتاب دلہن لائیں۔ جس کی چمک دمک سے یہ اندھیرا گھر روشن اور منور ہو جائے۔ جس کی رعنائی اور زیبائی سے یہ ویرانہ گلشن بے خزاں بن جائے، جسے دیکھ کر وہ لوگ بے ساختہ کہہ اٹھیں، ہاں یہ ہے انجم کی دلہن؟ —— جیسا انجم خوب صورت ہے، ویسی ہی اس کی بیوی ہے۔ ایک چاند ہے دوسرا سورج، ایک پھول ہے، دوسرا خوشبو، ایک آئینہ ہے،

دوسرا تصور یا در اگر کہیں شائستہ خانم کے کان میں یہ بات پڑی کہ انجم صاحب بی شائستہ سے محبت کرتے ہیں، نہ جن کا خاندان معلوم، نہ ذات، مذہب نہ نسب، جن کی تعلیم صفر ہے، جن کی تربیت، خانہ بدوشی کے عالم میں ہوئی، جن کے پاس نہ دولت ہے نہ ثروت، نہ گھر نہ باغ نہ کپڑے، نہ سامان، نہ صورت، نہ رنگ نہ روپ، وہ چلی ہیں انجم جیسے مہر فشاں سے محبت کرنے، اور اس کی رفیقہ حیات بننے، تو کیا مذاق اڑائیں گے اس گھر کے لوگ میرا؟

لیکن کیا محبت، دولت اور عزت کو دیکھتی ہے۔؟

کیا محبت نسب اور خاندان کی پروا کرتی ہے۔؟

کیا محبت حسن اور خوبصورتی ہی سے ہوتی ہے؟

محبت، ہر چیز سے بے نیاز ہے۔ محبت صرف محبت ہے وہ کسی قانون کی نہیں مانتی، کسی اصول کی پابند نہیں، کسی رسم کے آگے سر تسلیم خم نہیں کرتی۔ وہ خود مختار ہے۔ وہ خود اپنی مملکت ہے۔ اور خود ہی اس مملکت کی فرماں روا، بادشاہ، شہنشاہ!

محبت کی تاریخ کیا بتاتی ہے؟

کیا یہ نہیں بتاتی کہ وہ امارت، عزت کیا دین و مذہب تک سے بے نیاز ہے۔؟

پھر اگر انجم امیر الامرا ہے، اور میں غریب اور مفلس، تو اس سے کیا ہوا؟ کیا میں محبت کیے جانے کے حق سے محروم ہو گئی؟ محبت

رنے کا حق کسی نے مجھ سے چھین لیا؟ کیا ایسا آج تک کبھی ہوا ہے؟

سبحہ راز نارکر دست دگند

عشق ازیں بسیار کر دست وگند

یہ سب باتیں ہی باتیں ہیں۔ محبت ان سب سے بالا ہے۔!

ہاں یہ ٹھیک ہے!

لیکن اس گھر میں یہ قول غلط ہے۔!

انجم، اگر رابعہ خانم کا بھائی نہ ہوتا، تو اس کی محبت میں قبول کر لیتی۔ اس محبت میں ساری دُنیا کو اپنا دشمن بنا لیتی۔ ساری دُنیا کا مقابلہ کرتی، ——— لیکن کیا میں رابعہ خانم کا بھی مقابلہ کرسکتی ہُوں؟

وہ میری محسن ہیں۔!

وہ نہ ہوتیں، تو آج بازار میں میرا نیلام ہو چکا ہوتا۔

نہ جانے کتنے گاہکوں کے پاس میں بک چکی ہوتی۔

"عصمت، آبرو، ناموس یہ الفاظ میرے لئے بے معنی ہو چکے ہوتے"

وہ رابعہ خانم ہی ہیں جن کے باعث میں آج عزت اور وقار کی زندگی بسر کر رہی ہوں۔ الٰہی رابعہ خانم سے میں مقابلہ کروں؟ الٰہی رابعہ خانم سے میں اس کا بھائی چھین لوں۔؟

کیا حق وفا اسی کا نام ہے؟

نمک حلالی اسی کو کہتے ہیں۔؟

شرافت، انسانیت اور عالی ظرفی یہی ہے؟

نہیں، ——— یہ قیامت تک نہیں ہو سکتا ———

انجم کی محبت، میرے دل میں گھر کر چکی ہے اب نکل نہیں سکتی۔ زندگی کی آخری سانس تک میں اُسے پوجتی رہوں گی، چاہتی رہوں گی۔ لیکن، بس، اس سے آگے کچھ نہیں۔

یہ نہیں ہو سکتا کہ رابعہ خانم کے قلب کو صدمہ پہونچا کر میں اپنی محبت پروان چڑھاؤں ——— یہ کسی طرح بھی ممکن نہیں؛

اور اگر محبت ایک خالص رُوحانی رشتہ ہے تو اسے اتصال جسم کا ذریعہ کیوں بنایا جائے۔؟ یہ محبت صرف شادی ہی کی صورت میں پروان چڑھ سکتی ہے۔ شادی کے بغیر نہیں؟ ———

اگر ایسا ہے تو پھر محبت اور خود غرضی میں فرق کیا ہوا؟ محبت تو بے لوث اور بے غرض ہونی چاہئے۔ محبت کا تقاضہ تو ایثار اور جان بازی ہے۔ اس کے علاوہ اگر کچھ اور ہے تو پھر وہ محبت نہیں، ہوس ہے!

میری محبت اگر سچی، بے لوث اور بے داغ ہے تو پھر اُسے قرب و وصل کی آلائش سے پاک رہنا چاہیئے۔ ——— دنیا ایسا نہیں کرتی نہ کرے، میں کروں گی، میں کر کے دکھاؤں گی، میں دُنیا کے سامنے ایک نیا راستہ پیش کروں گی۔ ممکن ہے وہ اس راستہ پر نہ چلے۔ لیکن اس کی عظمت سے وہ انکار نہیں کر سکے گی۔ میں انجم کو چاہتی

رہوں گی، لیکن اس سے دور، رہوں گی، میں انجم پر اپنی جان قربان کر دوں گی، لیکن اُسے اپنے قریب نہیں پھٹکنے دوں گی، انجم ہمیشہ میرا رہے گا، لیکن صرف دل میں، ——— گھر میں نہیں، لوگوں کی نظروں میں نہیں۔

میں رابعہ خانم کی ممنون ہوں، کہ انہوں نے محبت کے بلندترین راستہ تک میری رہنمائی کی۔ وہ اگر بیچ میں نہ ہوتیں، تو میں بھی دنیا والوں کی طرح، محبت اور شادی، محبت اور وصل کی لازم و ملزوم سمجھتی، لیکن انہوں نے بیچ میں آکر مجھے بتا دیا کہ محبت دور، رہ کر ہی کی جا سکتی ہے، محبت زندگی بھر کا پیمان وفا ہے۔ لیکن شادی کا نہیں!، ——— انجم میرا کبھی نہ بن سکے گا۔ لیکن انجم کو مجھ سے کوئی نہ چھین سکے گا۔ میں رابعہ خانم کی خوشی پر اپنی ہر آرزو قربان کر دوں گی۔!

وہ یہی سوچ رہی تھی کہ رابعہ خانم نمودار ہوئیں۔ شفقت کے ساتھ انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا، اور کہا۔

"کیا سوچ رہی ہو؟"

وہ مسکرائی۔

اجی کچھ نہیں، ——— یونہی جب اکیلی بیٹھی ہوں تو اِدھر اُدھر کے خیالات آجاتے ہیں"!

رابعہ خانم نے محبت بھری نظروں سے اُسے دیکھا اور کہا۔

"پھر اکیلی بیٹھتی کیوں ہو؟"

وہ بولی۔

"پھر کیا کروں؟"

رابعہ خانم نے کہا۔

"میرے پاس آجایا کرو، اکیلی بیٹھے بیٹھے میں بھی گھبرا جاتی ہوں ——— ہاں شائستہ، ایک خوش خبری سنوگی۔؟

شائستہ نے سراپا اشتیاق بنکر رابعہ خانم کو دیکھا، وہ پہلے تو مسکرائیں، پھر کہا۔

"آج میں نے بہت بڑا پالا مارا ہے!"

شائستہ: وہ کیا۔؟

رابعہ خانم: میں نے جج صاحب کو خوش کرلیا۔ راضی کرلیا۔

شائستہ: جج صاحب؟

رابعہ خانم: ہاں ——— وہی، جنہوں نے انجم کو جیل بھیج دیا تھا۔ جن سے انجم نے عدالت میں بدتمیزی کی تھی، جن کی لڑکی سے انجم کی شادی ہونے والی تھی" ——— آیا یاد۔؟"

شائستہ کا دل ہولنے لگا، دھڑکنے لگا، اس نے پوچھا۔

"انہیں راضی کرلیا آپ نے؟

رابعہ خانم: (مسکراکر) ہاں شائستہ ہاں،

شائستہ: پھر اب کیا ہوگا۔؟

رابعہ خانم : شادی، ـــــــ اب، رخشانہ اس گھر میں بہو بنکر
آنے گی، انجم سے اس کی شادی ہوگی، اس ویرانہ میں پھر سے
بہار آجائے گی، یہ سنسان گھر ایک مرتبہ پھر آباد ہوگا، پھر یہاں
رونق ہوگی، بہار آئے گی، زندگی کی رعنائی نمودار ہوگی۔"
ـــــــ شائستہ میں آج بہت خوش ہوں"

شائستہ : خوش ہونے کی بات ہی ہے۔

رابعہ خانم : تم بھی خوش ہو شائستہ۔؟

شائستہ : جی، بہت زیادہ۔ ـــــــ اس سے بڑھ کر خوشی
کی بات اور کیا ہوسکتی ہے۔؟

رابعہ خانم :۔ ہاں، سچ کہتی ہو، ـــــــ لیکن یہ ــ میرے بس
کا روگ نہیں ہے، سب کچھ تمہی کو کرنا پڑے گا"

شائستہ :۔ دل وجان سے کروں گی،

رابعہ خانم :۔ تم نے اس گھر میں آکر میری پریشانیاں رفع کردی ہیں،
ہر بوجھ میرے سر سے اُٹھالیا ہے۔ میری سگی بہن ہوتی، وہ
بھی ایسا نہ کرتی۔ اپنی لڑکی ہوتی، وہ بھی اتنا ساتھ نہ دیتی، میں
تمہاری بہت شکرگزار ہوں شائستہ۔ تم میری ہو اور ہمیشہ
میری رہوگی، دیکھو میرا ساتھ نہ چھوڑ دینا۔!"

شائستہ نے دیکھا، رابعہ خانم کی آواز بھرا گئی ہے، اور آنکھیں
پُرنم ہیں، وہ اُن سے لپٹ گئی، اس نے کہا۔

" یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں، آپ کا دامن میری جنّت ہے، یہاں آکر میرے دل نے، میری رُوح نے وہ سکون پایا ہے، جس کا نہ میں حق رکھتی تھی، نہ تصوّر میں آسکتی تھی۔!"

رابعہ خانم نے اس کی پیٹھ تھپکتے ہوئے کہا۔

"نہیں، یہ بات نہیں ہے، تم ایک ہیرا ہو جس کی حدت سے میرا گھر جگمگائے گا۔ جہاں تم قدم رکھو گی ہر اس ویرانہ میں رونق ہوگی، جہاں تم پہنچ جاؤ گی، ——— تمہاری قدر کوئی میرے دل سے پوچھے!"

شائستہ نے رُک رُک کر آہستہ آہستہ کہا۔

میرا گھر یہی ہے، میں یہاں سے صرف مر کر نکل سکتی ہوں۔ آپ سے زیادہ تو مجھے تنویر سے محبت ہو گئی ہے۔ یہ ایسی زنجیر ہے، جو زندگی کی آخری سانس تک مجھے گرفتار رکھے گی۔!"

اتنے میں تنویر بھی آگئی اور آتے ہی شائستہ کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔

"چلئے ——— دیکھئے، میری گڑیا کو کیا ہو گیا ہے۔؟"

آواز آئی۔

"ہارٹ فیل ہو گیا ہے"!

انجم سامنے کھڑا مسکرا رہا تھا۔!"

(۳۳)
انکار!

رالعہ خانم کی ان باتوں نے شائستہ کے خیالات کو زیادہ پختہ کر دیا۔ اس گفت گو کے کئی دن بعد ایک روز موقعہ دیکھ کر پھر انجم اس کے کمرہ میں پہنچ گیا۔ وہ اُسے دیکھ کر اُٹھ کھڑی ہوئی، انجم نے ہنستے ہوئے اور کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"کیا میں اتنا بڑا آدمی ہوں کہ آپ اس طرح میرا استقبال کریں"؟

شائستہ: میری نظر میں تو آپ بہت بڑے آدمی ہیں"

انجم:۔ شکریہ، ——— لیکن یہ بیوقوف بنانے کا سلسلہ اب ختم ہونا چاہیے۔

شائستہ: آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟

انجم:۔ میں جو کچھ کہنا چاہتا ہوں، کیا آپ وہ سنیگی؟ ——— سچ پوچھئے تو آیا بھی میں اِسی لئے تھا۔!

حرفِ مطلب اس قدر جلد درمیان میں آجائے گا۔ اس کا شائستہ کو وہم و گمان بھی نہ تھا۔ انجم کی ان باتوں نے اُسے حواس باختہ کر دیا۔ لیکن اس نے اپنے آپ پر قابو پا لیا، اور مسکراتے ہوئے کہا۔

"تو آپ سُنانے آئے ہیں کچھ۔؟

انجم : جی ہاں، ارادہ تو یہی ہے۔

شائستہ : لیکن غالب یا حسرت یا جگر یا پھر کون ؟

انجم : غالب کی چھوڑیئے، حسرت اور جگر کو لیجئے، کوئی شبہ نہیں، میری زندگی، حسرت ہی حسرت ہے، رہا جگر، سو وہاں بھی کبھی کبھی ٹیس سی محسوس کرتا ہوں، وہیں نہیں، دل کے پاس بھی۔

دل و جگر میں چمک گاہ گاہ ہوتی ہے ——— !"

بات یہاں تک پہنچ جائے گی۔ ذہین ہونے کے باوجود شائستہ یہ نہ سوچ سکی تھی، اس نے بات کا پہلو بدلا تھا لیکن اسی بدلے ہوئے پہلو کو انجم صاحب نے اپنے اظہار خیال کا ذریعہ بنا لیا، وہ ایسی چکرائی کہ کچھ نہ کہہ سکی۔ خاموش ہو گئی، انجم نے سوال کیا۔

"تو پھر اجازت ہے ؟"

شائستہ نے گھبرائے ہوئے لہجہ میں جواب دیا۔

"مجھ سے آپ کیا پوچھتے ہیں ؟"

انجم : تو شروع کر دوں پھر ؟"

شائستہ : کوئی داستان ؟

انجم : ہاں، ہے تو داستان ہی لیکن نہ جانے تم اُسے پسند کرو گی ، یا ناپسند۔

شائستہ : میرا اس سے کیا تعلق ؟

انجم : واہ، سارا تعلق تم ہی سے ہے۔

شائستہ : نہیں ایسا نہیں ہو سکتا۔

انجم : اسے مجھ پر چھوڑ دو۔

شائستہ : (عاجز آکر) اچھا تو کہئے پھر؟

انجم : بہت مختصر، اور بہت سیدھی سی بات ہے۔

شائستہ : جی ——— وہ کیا ؟

انجم : وہ یہ کہ میں تم سے محبت کرنے لگا ہوں ——— سچی بات تو یہ ہے کہ میں اس جنجال میں پڑنا نہیں چاہتا تھا، نہ محبت کو، میں نے کبھی کوئی اہمیت دی، لیکن تمہاری صورت اور سیرت گفتار اور رفتار، عادات وخصائل نے رفتہ رفتہ غیر محسوس طور پر مجھے اسیر دام کر لیا۔ جیسے دبے پاؤں کوئی چور کسی گھر میں گھس آئے۔ اور پتہ اس وقت چلے جب وہ لوٹ کر جا چکا ہو"

شائستہ : لیکن ———

انجم : لیکن ویکن کچھ نہیں۔ میں نے قطعی ارادہ کر لیا تھا کہ شادی نہیں کروں گا۔ لیکن اب میں نے اب ارادہ بدل دیا ہے اور قطعی فیصلہ کر لیا ہے کہ شادی کروں گا اور تم ہی سے ، اس طرح ہم دونوں

کی زندگی کا نیا دور شروع ہوگا، جس سے دوست خوش ہوں گے اور دشمن جلیں گے،!

شائستہ:- میں اتنی حقیر ہوں کہ میرا کوئی دشمن نہیں ہو سکتا، آپ اتنے اونچے ہیں کہ دشمن ہو کر آپ کا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا،

انجم:- اچھا یہ باتیں چھوڑو، کام کی باتیں کرو، تو پھر طے ہے نا؛ —— جاؤں آپا کو یہ خوشخبری سنا دوں؟

شائستہ:- (تیزی کے ساتھ) ہرگز نہیں، کہیں ایسا غضب بھی نہ کیجئے گا۔

انجم:- کیوں تم اتنی گھبرا کیوں گئیں؟

شائستہ:- اس لئے کہ آپ جو بات کہہ رہے ہیں وہ ان ہونی ہے،

انجم:- کیا تم میری محبت کو ٹھکرا دو گی؟

شائستہ:- ایسا نہ کہیئے، خدا کے لئے مجھے غلط نہ سمجھئے،

انجم:- پھر کیا کہوں؟ پھر کیا سمجھوں،

شائستہ:- میں آپ سے محبت نہیں کر سکتی، میں محبت کا جواب محبت سے نہیں دے سکتی،

انجم:- آخر کیوں؟ کس لئے؟

شائستہ:- مجبور ہوں،

انجم:- مجبور ہو؟ تم مجبور ہو؟

شائستہ:- جی ——————

انجم:- کیا کسی نے منع کیا ہے تمہیں محبت کرنے سے، محبت کا جواب

سے دینے سے ؛

شائستہ :- ایسا ہی سمجھ لیجئے ؛

انجم :- لیکن وہ منع کرنے والا کون ہے ؟

شائستہ :- میرا دل، میری عقل، میرا دماغ ؛

انجم :- ان احمقوں کی بات ماننے کو تم سے کس نے کہا تھا، ؟

شائستہ :- ساری دنیا انہی کی بات مانتی ہے،

انجم :- غلط ——— کیا تم نے اقبال کا نام سنا ہے ، علامہ اقبال کا ؛

شائستہ :- انہیں کون نہیں جانتا ؛

انجم :- تم بھی جانتی اور مانتی ہو انہیں یا نہیں ؛

شائستہ :- میں نے اُن کی کئی کتابیں پڑھی ہیں

انجم :- اقبال ان تینوں کے دشمن ہیں سخت مخالف ،

شائستہ :- یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ ؟

انجم :- میں غلط نہیں کہتا ——— وہ اقبال ہی تو ہے جس نے کہا ہے ،

جو عقل کا غلام ہو وہ دل نہ کر قبول

اور تم اسی دل کا کہا مان رہی ہو ، جو عقل کا غلام ہے ، اقبال ہی نے تو بڑے طنز بھرے لہجہ میں کہا ہے -

بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق ؎ عقل ہے محوِ تماشائے لبِ بام ابھی !

کیا اس عقل کے آگے تم سر نہیں جھکا رہی ہو ؟ وہ بھی اقبال ہی ہے جس نے فرمایا ہے ،

کہ از مغز دو صد خر فکر انسان نمی آید،

لیکن تم ؟ ——— دماغ کا نام لے کر مجھے خاموش کرنا چاہتی ہو ——— شائستہ یہ تینوں عقل، دماغ اور دل انسان کو بہکاتے ہیں، ان کی اطاعت مت کرو ۔

شائستہ :- پھر کس کی اطاعت کروں ؟

انجم :- عشق کی ——— عشق ہی سب کچھ ہے ، وہی زندگی ہے وہی زندگی کی تڑپ ہے ، وہ نہ ہو ، تو یہ نیا خاندان بن جائے اسی کے دم سے یہ رونق ، یہ آبادی ، یہ چہل پہل، یہ جوش و خروش ، یہ رعنائی و زیبائی نظر آتی ہے، عشق کرو، عشق کو قبول کرو، عشق نہ کرکے اور عشق کو ٹھکرا کر کفرانِ نعمت کرتی ہو ،

شائستہ :- میں آپ سے باتوں میں نہیں جیت سکتی ،

انجم :- یہ غلط ہے ——— تم جیتی ہوئی ہو، تم کبھی نہیں ہار سکیتں میری محبت قبول کرو تو بھی اور ٹھکرا دو تو بھی ! ہر حالت میں ، !

شائستہ :- "ٹھکرانے" کا لفظ آپ بار بار کیوں استعمال کرتے ہیں ؟

انجم :- اچھا تو پھر جو کہو ، وہ کہہ دوں ؟

شائستہ :- میرے دل میں آپ کی کتنی عزت اور عظمت و منزلت ہے ، یہ راز میرے سوا کوئی نہیں جانتا ،

انجم :- میں بھی جانتا ہوں ،

شائستہ :- آپ کیا جانتے ہیں ؟ ——— کچھ نہیں جانتے ،

انجم :- جانتا ہوں اور میرے جاننے کا ثبوت یہ ہے کہ تم گو میری عزت کرتی ہو، لیکن مجھے اپنے سے دور رکھنا چاہتی ہو، گو تمہاری نگاہ میں میری منزلت بہت زیادہ ہے، لیکن اتنی کہ تم میری رفیقۂ حیات بنتے ہوئے شاید اپنی توہین محسوس کرتی ہو، تمہارے دل میں میری عظمت ہے، اور اس کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ تم میری محبت کو، میری تمنا کو، میری آرزو کو، میری حسرت کو، ٹھکرا سکتی ہو، بے پروائی کے ساتھ، میرا شیشۂ دل توڑ سکتی ہو ——— مانتا ہوں تم سچی ہو، میں جھوٹا ہوں "

شائستہ :- انسان کے ساتھ کچھ مجبوریاں بھی تو ہوتی ہیں،

انجم :- میں قائل ہوں مجبوریوں کا ، ہاں اگر کمزوریاں کہو تو مان لوں ،

شائستہ :- اچھا کمزوریاں سہی، میں کمزور ہوں، میری کمزوریاں اور زیادہ

انجم :- کمزور ہیں ——— یہی نا ؛

شائستہ :- ہاں میں یہی کہنا چاہتی تھی ،

انجم :- میں بڑی آس لے کر آیا تھا ، لیکن بہت مایوس ہو کر جا رہا ہوں -

شائستہ :- کیوں ؟ ——— ایسا کیوں کہہ رہے ہیں آپ ؟

انجم :- تم میں بہت سی خوبیاں ہیں لیکن تم ایک ٹوٹے ہوئے دل کو نہ جوڑ سکیں، تم ایک بگڑی ہوئی زندگی کو نہ سنوار سکیں، تم خلوص کی قدر نہ کر سکیں، تم محبت کرنے والے دل کو نہ پہچان سکیں،

شائستہ :- میں سب کچھ جانتی اور پہچانتی ہوں، لیکن ———

انجم :- پھر وہی لیکن ——— اس لفظ سے چڑ ہوگئی ہے، غلط مہمل لغو، یہ "لیکن" کیا بلا ہے ؟

شائستہ :- ایک بہت بڑی مجبوری،

انجم :- مجبوری ——— کیا کوئی تلوار لے کر تمہارے سر پر کھڑا ہوا ہے کہ محبت نہ کرو، محبت کو ٹھکرا دو ؟

شائستہ :- ایسا ہی سمجھ لیجئے،

انجم :- لیکن مجھے تو وہ نظر نہیں آتا،

شائستہ :- اچھا ہے آپ اسے نہ دیکھیں،

انجم :- لیکن میں اسے دیکھنا چاہتا ہوں، ذرا دیکھوں تو وہ میرا حریف کون ہے ؟

شائستہ :- نہیں آپ کا حریف کوئی نہیں ہے،

انجم :- کیا تم کسی اور آدمی سے محبت نہیں کرتی ہو ؟

شائستہ :- نہیں ——— یہ خیال آپ کے دل میں کیوں آیا ؟

انجم :- اس لئے کہ تم میری محبت کسی مجبوری کی وجہ سے نہیں قبول کرسکتیں اور وہ مجبوری اس کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے کہ تم کسی اور سے محبت کرتی ہو، میں بڑا صاف آدمی ہوں، اگر یہ بات ہے تو خوشی سے اپنے بڑھے ہوئے قدم پیچھے ہٹا لوں گا، اور اگر کوئی اور بات ہے تو صاف صاف کہو، شاید میں اس کا توڑ کر سکوں -

شائستہ :- بات یہ ہے کہ میرا آپ کا کوئی جوڑ نہیں ؟

انجم :- یہ کیا کہا تم نے ؟ ——— کیا تم چمار ہو اور میں چاند سورج کی اولاد ——— ؟

شائستہ :- نہیں آپ بھی انسان ہیں، میں بھی انسان ہوں، پھر بھی فرق مراتب بڑی ضروری چیز ہے ! ——— کم از کم میں اس حد کو نہیں پار کر سکتی ،

انجم :- کیا مقصد ہے تمہارا ؟ ——— میں بالکل نہیں سمجھا ،

شائستہ :- اگر میں آپ کی رفیقۂ حیات بن سکتی، تو اسے فخر سمجھتی اپنے لئے، لیکن ———

انجم :- پھر وہی لیکن ——— خدا کے لئے یہ لفظ اس کثرت سے نہ استعمال کیا کرو ،

شائستہ :- غلطی ہوتی، اب ایسا نہیں ہوگا ،

انجم :- اچھا یہ لفظی بحث چھوڑو ، بتاؤ ، تم کیا کہہ رہی تھیں ،

شائستہ :- یہ کہ آپ چاہتے ہیں وہ نہیں ہو سکتا ،

انجم :- اگر یہ بتا دو گی کہ کیوں ؟" تو کون سا غضب ہو جائے گا ؟

شائستہ :- آپ کو ساری دُنیا جانتی ہے کہ آپ کون ہیں ؛ آپ کا خاندان کیا ہے ؛ ———— لیکن مجھے تو کوئی نہیں جانتا، میں کیا ہوں اور میرا خاندان کیا ہے ؟

انجم :- اس سے تم کیا ثابت کرنا چاہتی ہو ؟

شائستہ :- آپ کے پاس خدا کا دیا ہوا سب کچھ ہے، میرے پاس پھوٹی کوڑی بھی نہیں،

انجم :- تو ؟ ———— تو ؟

شائستہ :- آپ تعلیم یافتہ ہیں ، میں جاہل ہوں،

انجم :- لاحول ولا قوۃ ———— کیسی بہکی بہکی باتیں کر رہی ہو آج ؟

شائستہ :- کوئی غلط بات کہی ہو میں نے تو بتائیے،

انجم :- ہر بات غلط ہے ———— خاندان، امارت ، غربت ، تعلیم جہالت، یہ کیسی بے تکی باتیں چھیڑ دیں تم نے ؟

شائستہ :- زندگی کے سفر میں جب کوئی ساتھی منتخب کیا جاتا ہے، تو ان سب باتوں کا لحاظ کرنا پڑتا ہے،

انجم :- میں تو نہیں کرتا ،

شائستہ یہ آپ آج کہہ رہے ہیں، لیکن کل محسوس کریں گے، ؟

انجم :- ہاں اگر میرا دماغ اُلٹ گیا ، اگر میں پاگل ہو گیا ۔

شائستہ :- نہیں نہیں، خدا کے لئے ایسا نہ کہئے -

انجم :- پھر تم ایسی دل آزار باتیں کیوں کرتی ہو ؟

شائستہ :- میں نے جان بوجھ کر کوئی دل دکھانے والی بات نہیں کہی،

انجم :- تم نے میرے دل کے ٹکڑے کر دیئے،

شائستہ :- کاش میں انہیں جوڑ سکتی،

انجم :- اگر انہیں کوئی جوڑ سکتا ہے تو صرف تم !

شائستہ :- نہیں ——— میں دوسروں کے کاموں میں مداخلت نہیں کرتی، یہ کام میرا نہیں،

انجم :- پھر کس کا ہے ؟

شائستہ :- رخسانہ کا،

انجم :- آپا کا دماغ خراب ہو گیا ہے، میں ہرگز رخسانہ سے شادی نہیں کر سکتا -

شائستہ :- اگر آپ رخسانہ سے شادی کا وعدہ کرلیں تو میں آپ کو بہت اہم بات بتاؤں گی،

انجم :- میں کوئی اہم بات نہیں سننا چاہتا،

شائستہ :- اسے سن کر آپ خوش ہو جائیں گے،

انجم :- یہ تمہاری غلط فہمی ہے،

شائستہ :- پھر میں آپ سے پیمانِ وفا باندھ لوں گی،

انجم :- تم مجھ سے پیمانِ وفا باندھ لوگی، اگر میں رخسانہ سے شادی

کا وعدہ کروں ؟

شائستہ :- ہاں ——— پھر میں اپنا دل کھول کر آپ کے سامنے رکھ دوں گی،

انجم :- شائستہ شائستہ تمہیں کیا ہوگیا ہے ؟ تم کیا کہہ رہی ہو ؟

شائستہ :- پھر میں آپ سے اپنی سچی، کھری، اور آخری سانس تک قائم رہنے والی محبت کا اقرار کروں گی،

انجم :- شائستہ شائستہ،

شائستہ :- پھر میں زندگی بھر کے لئے آپ کی ہو جاؤں گی،

انجم :- یا تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے یا میں پاگل ہو گیا ہوں،

شائستہ :- آپ کے دشمن پاگل ہوں،

انجم :- آخر میں رخسانہ سے کیوں شادی کروں ؟

شائستہ :- اس لئے کہ آپا یہ چاہتی ہیں !

انجم :- لیکن شادی تو مجھے کرنی ہے،

شائستہ :- جی ہاں، لیکن آپا کی مرضی سے ——— وہ جج صاحب کو راضی کر آئی ہیں، وہ ان سے وعدہ لے آئی ہیں، وہ شادی کی تیاریاں کر رہی ہیں، وہ بہت خوش ہیں، ان کی باچھیں کھلی جا رہی ہیں، وفورِ مسرت سے بات بات پر تبسم رو کے نہیں رکتا، وہ بڑے جوش و خروش کے ساتھ تیاریاں کر رہی ہیں،

انجم :- تو ——— ؟ اس سے کیا ہوتا ہے ؟

شائستہ :- بہت کچھ ہوتا ہے ——— ان کی ساری زندگی، غم والم میں گذری ہے، نوجوانی میں بیوہ ہوئیں، پھر آج تک خوشی کا منہ نہیں دیکھا، وہ اس دنیا میں سب سے زیادہ تنویر کو چاہتی ہیں اور آپ کو اس سے بھی زیادہ چاہتی ہیں، وہ آپ کی ہر شوخی کو، ہر شرارت کو، ہر غلطی کو اس محبت سے دیکھتی ہیں، اس محبت سے اس کا ذکر کرتی ہیں کہ ان کے منہ سے الفاظ نہیں نکلتے، دل کے ٹکڑے نکلتے ہیں، صاف معلوم ہوتا ہے، ان کی زبان نہیں بول رہی ہے، دل بول رہا ہے، وہ آپ کو بہت زیادہ اپنا مطیع و فرماں بردار بھی سمجھتی ہیں، اگر آپ نے انکار کر دیا، تو اُن کا دل پھٹ جائے گا، وہ مر جائیں گی،

انجم :- آہ، شائستہ ——— تم نے مجھے کس اُلجھن میں ڈال دیا ہے؟ ——— میں انہیں راضی کر لوں گا، انہیں مجھ پر چھوڑ دو،

شائستہ :- یہ آپ کی غلط فہمی ہے، وہ ہر معاملہ پر سمجھوتہ کر سکتی ہیں اس پر نہیں کر سکتیں، یہ اُن کی زندگی اور موت کا سوال ہے۔ بڑی مشکل سے انہوں نے جج صاحب کو راضی کیا ہے، بڑی مشکل سے انہوں نے ان سے وعدہ لیا ہے، اب اگر آپ رضامند نہ ہوئے، تو وہ کہیں کی نہ رہیں گی، صرف موت ہی ان کا ساتھ دے سکے گی۔

انجم :۔ لیکن سنو تو،

شائستہ :۔ کچھ بھی سننا بیکار ہے، آپ ایک اور بات بھی نہ بھولئے،

انجم :۔ فرمائیے، کون سی نئی بات یاد آئی سرکار کو؟

شائستہ :۔ آپا مجھے بھی چاہتی ہیں، اپنی سگی بہن کی طرح، اپنی لڑکی کی طرح اپنے کسی عزیز کی طرح، وہ مجھ پر بہت زیادہ اعتماد کرتی ہیں، انہوں نے اپنا سارا گھر مجھے سونپ دیا، مجھے مالک و مختار بنا کر، ایک گوشہ میں بیٹھ رہی ہیں، وہ مجھے جگمگاتا ہوا ہیرا سمجھتی ہیں، وہ مجھے خوش دیکھ خوش ہو جاتی ہیں، افسردہ دیکھ کر کمہلا جاتی ہیں، لیکن وہ اس کا تصور بھی نہیں کر سکتیں، کہ میں آپ کی رفیقۂ حیات بن سکتی ہوں، جب انہیں یہ بات معلوم ہوگی تو بم کے گولہ کی طرح ان کے سینہ پر گرے گی، اور ان کا دل ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا، میں اپنی خوشی کے لئے ہرگز یہ ستم نہیں برداشت کر سکتی۔ میں آپ کی خوشی کے لئے سب کچھ کر سکتی ہوں اور اب اس حقیقت کے اظہار میں کوئی حرج نہیں سمجھتی کہ آپ سے اس دن سے محبت کرتی ہوں، جب پہلے پہل آپ کو دیکھا تھا، تو ہاں آپ کی خوشی کے لئے سب کچھ کر سکتی ہوں

انجم :۔ شائستہ ——————

شائستہ :۔ میں اپنے ارمانوں کا گلا گھونٹ لوں گی، اپنی آرزوؤں کو کچل

دوں گی، اپنی حسرتوں کو پامال کر دوں گی، لیکن آپا کا دل نہیں دکھاؤں گی
زندگی میں پہلی بار انہیں خوشی مل رہی ہے، یہ خوشی میں ان سے
نہیں چھین سکتی، اسے اگر چھین لوں تو پھر مجھ سے بڑھ کر ظالم اور
کٹھور کون ہوگا،

انجم:۔ سنو تو شائستہ ———

شائستہ:۔ اور ایک بات اور بھی نہ بھولئے،

انجم:۔ میرا حافظہ بہت کمزور ہے، جو کچھ تم نے کہا ہے، سب بھول
چکا ہوں، جو کچھ کہو گی، اسے بھی فوراً بھول جاؤں گا،

شائستہ:۔ وہ یہ کہ اس گھر میں عزت بہت زیادہ ہے، ہر شخص میرا مان
رکھتا ہے، لحاظ کرتا ہے، میرے ایک اشارے پر دوڑتا ہے، لیکن
ان میں سے ہر شخص یہ بھی جانتا ہے کہ میں کیا تھی، کس حالت میں
یہاں آئی تھی، امی میرا رمز شناس ہے، سکینہ میرے حالِ زار سے
واقف ہے، مغلانی نے مجھے بے حال بنا دیکھا تھا، کل اگر میں مسز
انجم کی حیثیت سے ان کے سامنے آئی، تو جانتے ہیں آپ کیا ہوگا ؟

انجم:۔ فرمایئے، شاید ہائیڈروجن بم پھٹ پڑے گا۔ ؟

شائستہ:۔ مجھے اپنی عزت اور ذلت کی پروا نہیں، لیکن ان لوگوں کی نظر
میں آپ ذلیل ہو جائیں گے، یہ الگ بیٹھ کر میرا اور آپ کا مذاق
اڑائیں گے اور کہیں گے، شائستہ بیگم بھیک مانگتی آئی تھیں، رانی
بن گئیں ——— میں ان کی نظروں کی تاب نہ لاسکوں گی

آپ اسے احساس کمتری کہہ سکتے ہیں کہہ لیجئے لیکن بات یہی ہے ——— ——— لہٰذا ہر اعتبار سے مصلحت کا تقاضا یہی ہے کہ آپ مجھ سے شادی کا خیال دل سے نکال دیں، اور رخسانہ کو بیاہ لائیں ———

انجم:- محبت تم سے کروں اور شادی رخسانہ سے؟

شائستہ:- تو کیا ہوا؛ ——— محبت اور شادی الگ الگ چیزیں ہیں، میں بھی تو آپ سے محبت کرتی ہوں، ؟

انجم:- مجھ سے محبت کرتے ہوئے تم کس سے شادی کرو گی؟

شائستہ:- کسی سے نہیں،

انجم:- تو بس اس پر سمجھوتہ کر لیتے ہیں ہم دونوں میں سے کوئی شادی نہ کرے،

شائستہ:- یہ نہیں ہو سکتا، آپا کا دل نہ توڑئیے، آپ نے ان کا دل توڑا تو میں زہر کھا لوں گی، میں اس گھر سے بھاگ جاؤں گی، اور اگر آپ نے ان کا کہا مان لیا، تو پھر اسی گھر میں بیٹھ کر عہدِ وفا نباہ دوں گی، میرے دل کے آپ مالک ہیں اور زندگی کی آخری سانس تک رہیں گے ——— بس اس سے زیادہ کچھ نہ چاہیئے مان جائیے، مان لیجئے، میری بات، !

شائستہ نے یہ الفاظ کچھ ایسے گھگھیا کر کہے کہ انجم خاموش ہو گیا، اس نے کوئی جواب نہیں دیا، چپ چاپ کمرہ سے باہر نکل گیا۔

---

(۳۴)

جھگڑا

انجم نے شائستہ کو راہِ راست پر لانے کی بہت کوشش کی، لیکن وہ کامیاب نہ ہو سکا، اُس نے منتیں کیں، خوشامدیں کیں، لڑا، خفا ہوا، بگڑ گیا، لیکن شائستہ کے انکار کو اقرار سے نہ بدل سکا، وہ اتنے عرصہ میں شائستہ کے مزاج اور افتادِ طبیعت سے واقف ہو چکا تھا۔ جانتا تھا اُس کی رضامندی حاصل کئے بغیر اگر یہ بات رابعہ خانم کے کانوں تک پہنچی تو غضب ہو جائے گا، یہی وجہ تھی کہ گو، شائستہ سے بار بار بحث و مباحثہ کرتا تھا، لیکن رابعہ خانم سے اب تک ایک لفظ بھی اس بارے میں اُس نے نہیں کہا تھا گھر میں چہل پہل اور رونق بڑھتی جا رہی تھی شادی کی تیاریاں علانیہ ہو رہی تھیں، لیکن وہ ایک غیر جانبدار تماشائی کی طرح اس منظر کو دیکھ رہا تھا،

ایک روز شائستہ کے کمرہ میں پہنچا، وہ ایک خوبصورت سے دبے

میں لچکا ٹانک رہی تھی، شائستہ نے اُسے دیکھا اور دوپٹہ الگ رکھ دیا۔ انجم نے پوچھا،

"یہ کیا ہے ؟"

وہ مسکراتی ہوئی بولی،

"اسے دوپٹہ کہتے ہیں، عورتیں اوڑھا کرتی ہیں اسے ۔"

انجم :- اتنا تو میں بھی جانتا ہوں ————— کیا تمہارا ہے ؟

شائستہ :- جی نہیں ————— یہ ایک حقیر تحفہ ہے، میری طرف سے،

انجم :- کسی کو تحفہ میں دے رہی ہو ؟

شائستہ :جی ———— اب آپ نام بھی ضرور پوچھیں گے، تو سن لیجئے، یہ حقیر تحفہ رخسانہ بیگم کی خدمت میں پیش کیا جائے گا، !"

انجم نے دوپٹہ ہاتھ میں لیا دیکھا، اور پھاڑ کر تار تار کر دیا، یہ سب کچھ اس قدر جلد ہوا کہ شائستہ سمجھ بھی نہ سکی کیا ہو رہا ہے، جب بچے اور پھٹے ہوئے دوپٹہ پر نظر پڑی، تو اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے، اُس نے بڑی بے لسی اور برہمی کے ساتھ پوچھا،

"یہ آپ نے کیا کیا ؟"

انجم نے جواب دیا،

"یہ میرا کفن تھا، میں نے پھاڑ دیا، میں ابھی مرنا نہیں چاہتا،

شائستہ :- آپ نے مجھے گولی مار دی ہوتی، تو اتنا صدمہ نہ ہوتا، جتنا آپ کی اس حرکت سے ہوا ہے، !

انجم :- شائستہ کیوں میرے پیچھے ہاتھ دھو کے پڑی ہو ؟

شائستہ :- میں یا آپ ؟

انجم :- تم ———— صرف تم ، قیامت کے دن خدا کے سامنے دعویٰ کروں گا کہ میری قاتل شائستہ ہے ، اور تم کچھ جواب نہ دے سکو گی ،

شائستہ :- اللہ رحم کیجئے مجھ پر ،

انجم :- تمہیں شرم تو نہیں آتی ایسی باتیں کرتے ؛ رحم کی بھیک وہ مانگ رہا ہے ، جو خود اوّل درجہ کا سنگدل ہے ،

شائستہ :- آپ تو بس اپنی کہتے ہیں ، دوسرے کی نہیں سنتے ،

انجم :- سب کی سنتا ہوں ، مگر میری کوئی نہیں سنتا ———— خیر اس کا انجام اچھا نہ ہوگا کہے دیتا ہوں ،

شائستہ :- آخر ارادہ ہے کیا آپ کا ؟ کیا کہہ رہے ہیں آپ ؟

انجم :- تمہیں اس سے کیا ؟ ———— "تم سنوارا کرو بیٹھے ہوئے گیسو اپنا !"

شائستہ :- اس کے جواب اگر میں بھی یہ کہہ دوں کہ ———— "تم کو آشفتہ نصیبوں کی خبر سے کیا کام ؟" ———— تو ؟

انجم :- چھوڑو شائستہ ان باتوں کو مجھ سے غلطی ہوئی ، ابھی بازار سے دوسرا ایسا ہی دوپٹہ لا دوں گا ،

شائستہ :- وہ تو میں بھی منگا لوں گی ، بلکہ میرے پاس بالکل ایسا ہی دوسرا موجود ہے ،

دو دوپٹے لائی تھی، ایک اپنے لئے ایک رخسانہ کے لئے ۔

انجم :- تو وہ اپنا والا اب رخسانہ کو دے دو گی کیوں ؟

شائستہ :- ہاں پھر اور کیا کروں گی ؟

انجم :- لیکن اگر میں نے اسے رخسانہ کے پاس دیکھا تو جانتی ہو کیا کروں گا ؟ اسی دوپٹہ کے پھندے سے پھانسی دے دوں گا اسے

شائستہ :- (سہم کر) آخر آج آپ اتنے خفا کیوں ہیں ؟ آنکھیں بھی سرخ ہو رہی ہیں، معلوم ہوتا ہے رات بھر نیند نہیں آئی ،

انجم :- آجائے گی، نیند بھی آجائے گی، ایسی آئے گی کہ پھر وہی نیند خواب مرگ بن جائے گی، چند روز اور انتظار کر لو ،

شائستہ :- (روتے ہوئے) اگر آپ میری جان لینا چاہتے ہیں تو وہ حاضر ہے

انجم :- بے وقوفی کی باتیں نہ کرو، جب تمہیں نہ پا سکا تو تمہاری جان لے کر کیا کروں گا ؟

شائستہ :- میں آپ کی ہوں، صرف آپ کی، ہمیشہ کے لئے، زندگی بھر کے لئے، آپ کو مجھ سے کوئی نہیں چھین سکتا، مجھے آپ سے کوئی دور نہیں کر سکتا ،

انجم :- ماشاء اللہ، ماشاء اللہ، سبحان اللہ، خدا نظر بد سے بچائے، ڈائلاگ بڑے اچھے بول لیتی ہو، خوب، بہت خوب ،

شائستہ :- میری بے بسی کا جی بھر کے مذاق اڑا لیجئے، میری سچائی کو جی بھر کے جھٹلا لیجئے، میرے خلوص کو فوق سے ٹھکرا دیجئے، میری محبت کا ضرور

کا انکار کر دیجئے، مجھے اس کی کوئی پروا نہیں،

انجم:- ہاں تمہیں کیوں پروا ہونے لگی،

شائستہ:- اس لئے کہ میں اپنی محبت کا جواب نہیں چاہتی، صلہ نہیں چاہتی انعام نہیں چاہتی،

انجم:- کیا کہنا ہے آپ کا،

شائستہ:- میرے منہ پر میرا مذاق اڑانے کا آپ حق ضرور رکھتے ہیں، لیکن کیا اسی حق سے فائدہ اٹھانا کچھ ضروری ہے، ؟

انجم:- نہیں شائستہ میں کوئی حق نہیں رکھتا، میں آج کل دیوانوں کی سی باتیں کرنے لگا ہوں، معاف کر دو، تم تو بڑی عالی ظرف ہو،

انجم کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر شائستہ بھی روہانسی ہو گئی، ضبط کرنے کرتے بھی اس کی آنکھوں سے دو بڑے بڑے قطرے ٹپک ہی پڑے۔

انجم:- (بیتاب ہو کر) شائستہ تم رو کیوں رہی ہو؟

شائستہ:- (آنسو پونچھتے ہوئے) مذاق کر رہی ہوں نہیں ایکٹنگ، ابھی آپ نے میری تعریف کی تو تھی، ڈائلاگ بڑے اچھے بول لیتی ہوں،

انجم:- نہیں، میں ایسی بات نہیں کہہ سکتا، تمہیں غلط فہمی ہوتی ہے، تم نے غلط سنا ہے، میرے نزدیک تم سے بڑھ کر دنیا میں، سچا اور اچھا کوئی نہیں ہے۔!

شائستہ :- اسی لئے تو بار بار مجھے ذلیل کرتے ہیں،

انجم :- میری طرف دیکھو بھلا میں تمہیں ذلیل کر سکتا ہوں ؟ میں تم سے محبت کرتا ہوں، کیا کوئی محبت کرنے والا، اپنے محبوب کو ذلیل کرے گا ؟ یہ اندھیر مجھ سے نہیں ہو سکتا،

شائستہ :- بے شک آپ محبت کرتے ہیں، یہ مجھے تسلیم، مانتی ہوں اسے،

انجم :- پھر بھی مجھے ٹھکراتی ہو ؟ کچھ دن ہوئے ایک روز میں نے سُنا تھا تم اکیلی بیٹھی، غالب کا شعر گنگنا رہی تھیں،

ع ہم نے مانا کہ کچھ نہیں غالب
مفت ہاتھ آئے تو بُرا کیا ہے،

اور میں نے خیال کیا تھا، یہ تم میرے لئے کہہ رہی ہو، کتنی خوشی ہوئی تھی میرے دِل کو،

شائستہ :- یہ تو میں اپنے بارے میں کہہ رہی تھی، میری نگاہِ تصور کے سامنے اپنی پوری دل آویزی اور رعنائی کے ساتھ آپ کھڑے تھے، اور میں آپ ہی کو مخاطب کر کے کہہ رہی تھی، پھر مجھے کتنی خوشی ہوئی، جب میں نے اپنے کانوں سے اور آپ کی زبان سے یہ سُنا کہ آپ مجھ سے محبت کرتے ہیں، یہ کہہ کر آپ نے فقیر کے سر پر تاج شاہی رکھ دیا، وہ دولت دے دی جس کا اُسے سان و گمان بھی نہیں ہو سکتا تھا، !

انجم :- پھر تم اپنا اور میرا گلا کیوں کاٹ رہی ہو ؟

شائستہ:- نہیں یہ بات تو نہیں،

انجم:- پھر کیا بات ہے؟

شائستہ:- اپنی محبت کو بے لوث بنا رہی ہوں، اسے ایثار کا سبق دے رہی ہوں ——— آپ نہیں جانتے، آپا کی خوشی، بلکہ زندگی اب اسی معاملہ پر منحصر ہو کر رہ گئی ہے!

یکایک کمرے میں کوئی بھاگتا ہوا آیا ——— یہ تنویر تھی، تنویر نے انجم کی انگلی پکڑی اور حاکمانہ انداز میں کہا،

"چلئے امّی بلا رہی ہیں آپ کو،!"

---

(۳۵)

غشی کا دورہ

تنویر انگلی پکڑے پکڑے، انجم کو، رالبعہ خانم کے کمرے میں لائی، ان کے سامنے بھی بہت سے زرکار اور زرنگار ملبوسات کا ڈھیر لگا تھا، بے انتہا مسرور نظر آرہی تھیں، باچھیں کھلی ہوئی تھیں، وفورِ مسرّت میں انہوں نے انجم کے اُترے چہرے پر بھی غور نہیں کیا، خوشی کا جھولا جھولتی، کپڑوں کے ڈھیر کی طرف اشارہ کرتی ہوئی بولیں،

یہ کیا ہے؟

انجم نے بے پروائی سے کہا،

"کپڑے ہیں!!"

رالبعہ خانم:- کس کے؟ ——— یہ بھی معلوم ہے؟

انجم:- ہوں گے کسی کے ——— ممکن ہے آپ کے ہوں، ممکن ہے شائستہ کے ہوں، ممکن ہے کسی اور کے ہوں، بہرحال میرے نہیں

نہیں ہیں،

رابعہ خانم :۔ (ہنستے ہوئے) کسی وقت تو آدمی بن جایا کرو انجم، !

انجم :۔ میں تو اپنے آپ کو گدھا سمجھتا ہوں، پھر آدمی کس طرح بن جاؤں ؟

رابعہ خانم :۔ واقعی تو بہت بڑا گدھا ہے ،

انجم :۔ خیال تو میرا بھی یہی ہے ،

شائستہ :۔ (مسکرا کر) اچھا اب آدمی بن جاؤ ——— آج تمہیں جج صاحب کے ہاں شام کو چلنا ہے ،

انجم :۔ شام کو ——— کیا جج صاحب کی عدالت اب دن کے بجائے شام کو ہوتی ہے ؟

شائستہ :۔ (ہنستے ہوئے) پھر وہی گدھے پن کی باتیں شروع کر دیں تم نے ؟

انجم :۔ معاف کیجئے گا آدمیت کی باتیں آپ بھی نہیں کر رہی ہیں، بھلا جج صاحب شام کو مجھ سے کیوں ملیں گے ؟ اور وہ ملنا بھی چاہیں تو میں کیوں ملوں گا ؟ میری اُن کی ملاقات عدالت ہی میں ہو سکتی ہے، خواہ چھ مہینہ کی سزا دیں یا چھ سال کی ، ،

رابعہ خانم :۔ جی ہاں، اُن کی عدالت سے آج آپ کو سزا ملے گی اچھ مہینہ یا چھ سال بھر کی نہیں، عمر بھر کی، آ،یا

انجم :۔ بالکل نہیں، ایسی ناسمجھی کی باتیں کس طرح سمجھ میں آ سکتی ہیں ؟

رابعہ خانم :۔ آج تمہاری شادی کی تاریخ مقرر ہو گی رخسانہ سے، !

انجم :۔ یہ کھیل کیوں کھیل رہی ہیں آپ ؟

رابعہ خانم :۔ (غور سے انجم کے چہرے کو دیکھتے ہوئے) یہ کھیل ہے ؟

انجم :۔ اور کیا ، ——— وہ بھی اناڑی کا ،

رابعہ خانم :۔ یہ تو کیا کہہ رہا ہے ؟

انجم :۔ اور کیا آپا ؟ ——— بھلا میں شادی کے جنجال میں پھنس سکتا ہوں کہیں ؟ ——— میں کہاں اور یہ وبال کہاں ؟

رابعہ خانم :۔ کیا تو رخسانہ سے شادی نہیں کرے گا ؟

انجم :۔ فی الحال تو کسی سے بھی ارادہ نہیں ہے ،

رابعہ خانم :۔ اور میں وعدہ جو کر آئی ہوں ؟ کیا تو میرے منہ پر کالک لگوائے گا ؟ مجھے ذلیل کرے گا ؟

یہ کہتے کہتے رابعہ خانم کا چہرہ فرطِ الم سے سفید پڑ گیا ، ان کی آنکھیں نم آلود ہو گئیں ، وہ انجم کے مزاج سے واقف تھیں ان کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا ، وہ سوچنے لگیں اگر اس لڑکے نے شادی سے انکار کر دیا تو کیا ہو گا ؟ خاندان کی کتنی ذلت و رسوائی ہو گی ؟ انہوں نے انجم سے کہا ،

"شادی تجھے کرنی پڑے گی ، !"

اور پھر ان کا بدن تھر تھرانے لگا ، وہ تیورا کر گریں اور بے ہوش ہو گئیں ، پھر تو سارے گھر میں ہلچل مچ گئی ، تو چل میں آیا ، شائستہ ننگے پاؤں دوڑی ہوئی آئی ، اس نے اپنا سر پیٹتے ہوئے انجم سے اس طرح سوال کیا ، جیسے کوئی قاتل سے سوال کرتا ہے ،

"یہ آپ نے کیا کیا؟"

انجم خود بھی بہت گھبرا چکا تھا، اس کی سمجھ میں نہ آیا کیا کہے؟ کیا جواب دے؟ صرف اتنا کہہ سکا،

"میں کیا کرتا؟"

لیکن یہاں پہلے سے ایک جاسوس موجود تھا، تنویر نے ساری کہانی، شائستہ کو سُنا دی، اب انجم کے چہرے کی وہ کیفیت تھی، جو ایک مجرم کی ہوتی ہے، شائستہ رونے لگی، اور رابعہ خانم کے پاس بیٹھ کر پنکھا جھلنے لگی، ان کے دانت بیٹھ گئے تھے، آنکھیں بند تھیں، چہرے پر مُردنی چھائی تھی، انجم چپ چاپ ایک مجسّمہ کی طرح کھڑا تھا، اتنے میں حکیم صاحب آ گئے، ڈاکٹر صاحب تشریف لے آئے، نبض دیکھی، معائنہ کیا، اور دونوں نے فیصلہ سُنا دیا،

"کوئی خطرناک بات نہیں ہے، جلد ہی ہوش میں آ جائیں گی، لیکن کسی صدمہ کے سبب بے ہوش ہو گئی ہیں ——————!"

یہ کہہ کر، اور ہوش میں لانے کی تدبیر کر کے حکیم صاحب اور ڈاکٹر صاحب تشریف لے گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد رابعہ خانم کو ہوش آ گیا، انہوں نے کمرے پر ایک نظر ڈالی، پھر شائستہ کو دیکھا اور رونے لگیں، شائستہ بھی ان کے ساتھ رونے لگی،

"آپا آپ کیوں رو رہی ہیں، آپ بالکل اچھی ہیں!"

رابعہ خانم نے کمزور آواز میں ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا،

"نہیں شائستہ مجھے مرجانا چاہیئے، اس لڑکے (انجم) نے مجھے منہ دکھانے

کے قابل نہ رکھا، !"

یہ کہہ کر وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں، شائستہ برابر رو رہی تھی ان کا ساتھ دے رہی تھی، اب تنویر کی باری تھی، اس لئے جہاں اور شائستہ کو رونے دیکھا، تو وہ کیوں کسی سے پیچھے رہتی، اس نے بھی گراموفون کا سلسلہ شروع کر دیا، یہ عجیب دہشت انگیز اور ہولناک منظر تھا، انجم اب تک خاموش کھڑا تھا، جیسے ایک اقراری مجرم، شائستہ نے پلو سے آنسو پونچھتے ہوتے کہا،

"آپ نے کیوں خفا کر دیا آپا کو؟" انجم نے مسکرانے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے کہا،

"میں نے بالکل خفا نہیں کیا، !

پھر وہ بالکل قریب آکر رابعہ کے پاس بیٹھ گیا، اس نے بہن کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور بڑے محبت بھرے لہجہ میں کہا،

"آپا میں تو مذاق کر رہا تھا، آپ تو ہمیشہ میرے مذاق پر خوش ہوا کرتی تھیں، آج نہ جانے کیوں اتنا اثر لیا کہ بے ہوش تک ہو گئیں، !"

انجم کے الفاظ سے رابعہ خانم کو کسی حد تک تسلی ہوئی، انہوں نے مسکراتے ہوئے شائستہ کی طرف دیکھا، اور کہا،

"سن رہی ہو اس عمرو عیار کی باتیں ——————؟"

شائستہ مسکرانے لگی، اسے بات بنانے کا اچھا موقعہ مل گیا تھا، اس نے کہا۔

"آپا سچ کہہ رہے ہیں، واقعی مذاق کیا تھا انہوں نے؟"

رالعہ خانم :- تمہیں کیسے معلوم ؟

شائستہ :- آپ کے پاس آنے سے پہلے میرے پاس آئے تھے، میں رخسانہ کا دوپٹہ کاڑھ رہی تھی، دیکھ کر بہت خوش ہوئے، کہنے لگے، واقعی یہ رنگ رخسانہ پر خوب کھلے گا، بلکہ یہ بھی کہہ رہے تھے، یہ لچکا جو تم اس میں ٹانک رہی ہو، زیادہ اچھا نہیں ہے اس سے بڑھیا قسم کا ہونا چاہیئے میں نے کہا تو جایئے بازار، خود اپنی پسند کا خرید لایئے، کہنے لگے ہاں ابھی لاتا ہوں، بس یہ کہہ کر اٹھے ہی تھے کہ تنویر آکر بلا لے گئی

اگر خدانخواستہ ایسی ویسی کوئی بات ہوتی تو اس طرح کی باتیں کرتے بھلا؟ آپ ہی غور کیجئے!"

رالعہ خانم اب پورے طور پر مطمئن ہوگئیں، انہوں نے محبت بھری نظروں سے انجم کو دیکھا اور بولیں،

"خبردار آئندہ ایسی بات مذاق میں بھی نہ کرنا!"

انجم نے منہ بنا کر جواب دیا۔

"میری توبہ، اب کبھی مذاق ہی نہیں کروں گا ——— کبھی نہیں کبھی نہیں!!"

یہ بات اس نے کچھ ایسی سنجیدگی لیکن مزاحیہ پیرایہ میں کی کہ شائستہ رالعہ خانم اور تنویر سب کو ہنسی آگئی،

رالعہ خانم :- تو پھر اب تیار ہو جاؤ جج صاحب کے ہاں چلنے کے لئے!"

انجم :- تیاری میں کیا دیر لگتی ہے ——————— زمانہ کا انقلاب بھی کیا چیز ہے، جس شخص نے مجھے جیل بھیجا : آج وہ اپنی لڑکی کی شادی مجھ سے کر رہا ہے، لاحول ولاقوۃ، حد ہوگئی بے غیرتی کی، میں اگر جج صاحب ہوتا، تو ———————

رابعہ خانم :- ابھی جو عہد تم نے کیا تھا، اس پر ایک لمحہ بھی قائم نہ رہے، پھر شروع کر دیں، وہی شرارت اور مذاق کی باتیں ؛"

شائستہ :- (انجم سے) اچھا اب تشریف لے جائیے۔ بیہوشی کے اس مختصر سے دورہ نے آپا کو خاصا کمزور کر دیا ہے ——————— جائیے !

انجم :- جاتا ہوں ——————— تو کس وقت چلنا ہے آپا ؟

رابعہ خانم :- بس سہ پہر کو وہاں تک پہنچ جانا چاہیئے، کیا وقت ہے اب ؟

انجم :- وقت تو بہت ناوقت ہے ——————— اچھا اچھا تیار ہو کر ٹھیک ۴ بجے یہاں پہنچ جاؤں گا، !

انجم چلا گیا۔ جب تک اس کی پیٹھ نظر آتی رہی، رابعہ خانم اُسے بڑے چاؤ اور محبت سے دیکھتی رہیں، پھر مسکراتے ہوئے شائستہ سے کہا،

"میں تو ڈر گئی تھی شائستہ، اگر واقعی یہ لڑکا انکار کر بیٹھتا تو ذرا سوچو کیا ہوتا ؟"

شائستہ نے اطمینان بھرے لہجہ میں کہا،

"مجال تھی انکار کر دیتے ؟ ——————— رخسانہ صورت، سیرت ہر اعتبار سے گوہر یکتا ہے، اس کا انتخاب کر کے آپ نے انجم بھیا پر

احسان کیا ہے، میرا تو خیال ہے اگر کوئی بدصورت اور کالی کلوٹی لڑکی بھی آپ پسند کرتیں تو وہ انکار نہیں کر سکتے تھے، بہت چاہتے ہیں آپ کو،

رابعہ خانم :۔ ہاں چاہتا تو بہت ہے،

شائستہ :۔ جب تک آپ بیہوش رہیں ان کا ایک رنگ آرہا تھا، ایک جا رہا تھا، میں تو ڈر گئی، کہیں یہ خود بیہوش نہ ہو جائیں، وہ تو کہیئے خدا نے خیر کی، اور آپ جلدی سے ٹھیک ہو گئیں،

رابعہ خانم :۔ (اشتیاق سے) بہت پریشان تھا، میری حالت دیکھ کر؟ سچ؟

شائستہ :۔ بہت زیادہ، سارا چہرہ سفید پڑ گیا تھا بیچارے کا،!

رابعہ خانم :۔ شادی ۔۔ جلدی اس لئے کر رہی ہوں کہ شاید اسی طرح یہ لڑکا کچھ قابو میں آجائے، اور گھر کو گھر سمجھے، یہ آتے دن بھیلخانے کی عادت چھوڑ دے،

شائستہ :۔ (اطمینان دلاتے ہوئے) انشاءاللہ ایسا ہی ہوگا، زندگی کا جب نیا دَور شروع ہوتا ہے تو پُرانی باتیں خود بخود فراموش ہو جاتی ہیں اور میں تو ایسا محسوس کرتی ہوں، جیسے رخسانہ سے انہیں لگاؤ بھی ہے،!

---

(۳۶)

سمجھوتہ

جج صاحب کے ہاں سے رات کو بڑی دیر میں واپسی ہوئی، شائستہ اپنے کمرہ میں لیٹی جاگ رہی تھی، ایک کتاب سامنے رکھی تھی، لیکن نظر کتاب پر تھی، دل کہیں اور تھا، وہ سوچ رہی تھی، میں نے انجم کو چاہا کہ وہ چاہے جانے کے قابل تھا، پھر قدرت کا کرم یہ دیکھئے کہ میری محبت بے اثر نہ رہی انجم بھی مجھے چاہنے لگا، لیکن قسمت یہاں بھی ساتھ تھی، ہم دونوں ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں، لیکن ایک دوسرے کے قریب نہیں جا سکتے، ایک دوسرے کے رفیقِ زندگی نہیں بن سکتے، ایسا معلوم ہوتا ہے، غم مصیبت، اور بربادی کا ایک جال ہے، جس میں حالات نے مجھے جکڑ دیا ہے، جتنا جتنا اس سے نکلنے کی کوشش کرتی ہوں، اتنا ہی اتنا یہ اور زیادہ سخت ہوتا جاتا ہے، شاید میں دنیا میں آئی اس لئے ہوں کہ غموں اور صدموں کا انبار اپنے ساتھ لے کر مروں،

پھر وہ سوچنے لگی، اگر میں نے انجم کی محبت کا پیام قبول کر لیا ہوتا، تو آج کیا ہوتا؟ میں نے رابعہ خانم کے بارے میں جو کچھ سوچا تھا، وہ بالکل صحیح تھا، وہ تو کہیئے بات مذاق میں ٹل گئی ورنہ اگر آپا کو یہ احساس ہو جاتا، انجم اس شادی سے بیزار ہے، رخشانہ کو ناپسند کرتا ہے، اُسے اپنی رفیقۂ حیات نہیں بنانا چاہتا تو بے شک وہ اس سے تو کچھ نہ کہتیں، لیکن جس خاموشی سے بیہوش ہوئی تھیں اسی خاموشی سے مر بھی جاتیں، اور اگر کہیں انہیں میری اور انجم کی محبت کی سُن گُن ملجاتی تو واقعی ان کا دِل پھٹ جاتا —— کیا میں ان کا خون اپنے سر لے لیتی؟

—— اف، یہ کیسے ہو سکتا تھا، آپا کی ہستی وہ چیز ہے، جس کے لئے ایک مرتبہ نہیں، ہزار بار، زندگی کا ہر ارمان قربان کیا جا سکتا ہے زندگی قربان کی جا سکتی ہے۔

اسی طرح کی باتیں سوچ رہی تھی کہ کسی کے قدموں کی آہٹ محسوس ہوئی نظر اُٹھا کے دیکھا، تو انجم صاحب کھڑے فرما رہے تھے،

"ارے تم اب تک جاگ رہی ہو؟ سوئیں نہیں؟"

شائستہ اُٹھ بیٹھی،

"تو کون سی ایسی رات گئی ہے؛ صرف گیارہ ہی تو بجے ہیں!"

انجم:- روز تو اس وقت آپ کے خرّاٹے میری نیند اُچاٹ کر دیتے تھے،

شائستہ:- (زیر لب تبسم کے ساتھ) غلط —— میں خرّاٹے نہیں لیتی۔

انجم :- تو شاید خود اپنے خراٹوں سے میری آنکھ کھل جاتی ہو گی اور نیند اچاٹ ہو جاتی ہو گی ؛

شائستہ :- جی ہاں یہی بات ہے ——— کہیئے دعوت کیسی رہی ؛

انجم :- اچھی رہی ——— تم کیوں نہیں گئیں آپا کے ساتھ ؟

شائستہ :- پھر گھر میں کون رہتا ؛

انجم :- جب تم نہیں تھیں تب کون رہتا تھا ؟

شائستہ :- (مسکرا کر) شیطان ———

انجم :- وہ تو تمہارے سامنے کھڑا ہے۔

شائستہ :- کیوں ایسی جلی کٹی باتیں کیا کرتے ہیں آپ ؛ جیسے میں نے ہی سب کچھ کیا ہو ؛

انجم :- اور کس نے کیا ہے ؛ ——— تمہاری کمزوری نے میری زندگی غارت کر دے گی ،

شائستہ :- ایسا نہ کہیئے ——— رخسانہ آپ کی زندگی بنا دے گی ،

انجم :- میرے سامنے رخسانہ کا نام نہ لو ،

شائستہ :- واہ اچھی زبردستی ہے ،

انجم :- ابھی معاملہ ہاتھ سے نہیں گیا ہے ، تم چاہو تو اب بھی میری زندگی سنور سکتی ہے ، اب بھی میں رخسانہ سے نجات حاصل کر سکتا ہوں ،

شائستہ :- کتنے خود غرض ہیں آپ ،

انجم :- تم مجھے خود غرض کہہ رہی ہو ؛

شائستہ :- جی آپ کو ـــــــ اپنی آنکھوں سے آپا کا حال آج ہی دیکھ چکے ہیں، اور پھر ایسی باتیں کر رہے ہیں، معلوم ہوتا ہے آپ آپا کو بالکل نہیں چاہتے۔

انجم :- (ٹھنڈی سانس لے کر) آپا ـــــــ انہیں بہت چاہتا ہوں ـــــــ اگر وہ ذرا دیر اور ہوش میں نہ آتیں تو میری حرکت قلب بند ہو جاتی،

شائستہ :- مجھے یقین ہے ـــــــ لیکن اس کے باوجود ان کے ارمانوں کا خون کرنے پر بھی تلے ہیں آپ!

انجم :- نہیں نہیں ـــــــ میں رخشانہ سے شادی کروں گا، میں اسے دلہن بنا کر لاؤں گا، زندگی اس کے ساتھ نباہ دوں گا، گو، میرا دل ـــــــ

شائستہ :- بس یہ کافی ہے، زندگی اسی کے ساتھ بیتنی چاہیئے، یہ کہہ کر آپ نے بہت بڑا کانٹا میرے دل سے نکال دیا، وہ کھٹک دور ہو گئی جو آپ کی باتوں سے پیدا ہوئی تھی، کتنے اچھے ہیں آپ!

انجم :- بالکل اچھا نہیں ہوں ـــــــ دل کا جانا ٹھہر گیا ہے، صبح گیا یا شام گیا ـــــــ لیکن جب تک زندہ ہوں اسی راستہ پر چلوں گا، جو تم نے دکھایا ہے، آپا کی مرضی پر، ان کی خوشی پر اپنی زندگی قربان کر دوں گا، ان کا دل نہیں دکھاؤں گا، آج ان کی جو حالت میں نے دیکھی تھی، اس نے مجھے کمزور اور بزدل

بنادیا ہے، تم سچ کہتی ہو شائستہ، آپا اس صدمہ کو نہیں سہ سکیں گی، ان کا دل پھٹ جائے گا، وہ مر جائیں گی! آہ پھر میں کیا کروں گا؟

(۳۷)

کھٹ پٹ

رخسانہ دُلہن بن کر رابعہ خانم کے گھر میں رونق افروز ہو گئی، اور واقعی اس کے آتے ہی گھر کی رونق بڑھ گئی، چہل پہل میں اضافہ ہو گیا، اب تک یہ گھر ویران و سنسان تھا، اب آباد اور بارونق ہو گیا، رابعہ خانم تو اس کے سامنے بچھی جاتی تھیں، دُلہن دُلہن کہتے ان کا منہ خشک ہوتا تھا، بالکل یہی کیفیت شائستہ کی تھی، اُس نے رخسانہ کی وہ آؤ بھگت، خاطرداری، اور خدمت کی ہے کہ کیا سگی نند کرے گی، جب دیکھو، جب رخسانہ کے پاس بیٹھی ہے اس سے باتیں کر رہی ہے اُسے ہنسانے کی کوشش کر رہی ہے، لطیفے سُنا رہی ہے، کہانیاں کہہ رہی ہے، داستان سرائی کر رہی ہے، اپنے ہاتھ سے اس کی آرائش کرتی ہے، غازہ لگاتی، کنگھی چوٹی کرتی ہے، کپڑے پہناتی ہے، ذرا بھی اس کا دل نہیں میلا ہونے دیتی، ہر وقت اس کے اُوپر صدقے قربان ہو رہی ہے،

لیکن رخسانہ کا کیا عالم تھا ؟ ———— وہ اس محبت ، اس خدمت، اس نیاز مندی کا کس طرح جواب دے رہی تھی ؟

ممکن ہے دل میں وہ رابعہ خانم کی عقیدت مند اور شائستہ کی قدر شناس ہو، لیکن ظاہر کا جہاں تک تعلق ہے، اس کا برتاؤ کچھ عجیب سا تھا ، وہ ایک دن بھی خانم کے کمرہ میں نہیں گئی ، ان کے پاس نہیں بیٹھی، ان کی کسی بات کا ہنسکر اور مسکرا کر جواب نہیں دیا ، تیوریاں چڑھی ہوئی ہیں، مزاج بگڑا ہوا ہے ، کوئی بات پوچھی گئی ، تو مختصر سا جواب دے دیا ، ورنہ اپنے حجلۂ عروسی میں ناولوں کا مطالعہ کیا جا رہا ہے ، شائستہ گھنٹوں اور پہروں اس کے پاس بیٹھتی تھی، اور صرف اس لئے بیٹھتی تھی کہ اس کا دل بہلائے، اُسے خوش رکھے، اس کی خاطر کرے ، لیکن صاف معلوم ہوتا تھا ، رخسانہ کو یہ باتیں ناگوار گذر رہی ہیں، وہ نہیں چاہتی کہ شائستہ اس کے پاس اُٹھے بیٹھے ، شائستہ آگئی ، تو یہ نہیں کہا ، "بیٹھو" چلی گئی، تو یہ نہیں پوچھا کب آؤ گی ؟ حد یہ ہے کہ ننھی تنویر تک جو سارے گھر کی آنکھ کا تارا تھی ، جسے رابعہ خانم پوجتی تھیں ، انجم جس کی صورت دیکھ کر جیتا تھا ، شائستہ جس پر جان و دل سے قربان تھی ، رخسانہ کی نظر میں کوئی اہمیت اور وقعت نہیں رکھتی تھی ، وہ بڑی محبت سے اپنی ممانی جان کے پاس آتی تھی، اپنی گڑیاں دکھاتی تھی ، البم کا نظارہ کراتی تھی ، بلبل کی طرح چہکتی تھی ، لیکن کیا مجال ہے جو رخسانہ بیگم اس کی معصوم باتوں سے ذرا دلچسپی لے لیں ، چپ چاپ بیٹھی اس کی باتیں سُنا کرتی تھیں ، اگر وہ کسی بات پر خود ہی سوال جواب

شروع کرتی، تو پہلے ہوں ہاں کر کے ٹال دیتیں، پھر اوبے ہوئے لہجہ میں کہتیں،،

"بھئی تنویر تم نے تو دماغ چاٹ لیا، ہمارے سر میں درد ہونے لگا، اب جاؤ، اپنی اماں یا آپا کے پاس جا کر کھیلو!"

اور وہ بیچاری دل برداشتہ ہو کر چپ چاپ اُٹھ آتی، یہ طرزِ عمل اس کے لئے ایسا ان ہونا اور عجیب تھا کہ جب وہاں سے ہٹائی جاتی، تو اس کی آنکھیں پُرنم ہو جاتیں، وہ بڑی محبت سے رخسانہ کے پاس جاتی تھی، لیکن بڑی حقارت سے واپس کی جاتی تھی، لیکن نئی ممانی جان کی محبت کچھ اس طرح غالب تھی کہ اس کا عمل،

ع دے وہ جس قدر ذلت ہم ہنسی میں ٹالیں گے

پر تھا۔

ایک روز شائستہ رالعبہ خانم کے پاس بیٹھی حساب کتاب کر رہی تھی کہ تنویر آئی، رالعبہ خانم نے اُسے دیکھتے ہی بیقرار ہو کر پوچھا،

"کیا ہوا میری بچی، تو رو کیوں رہی ہے؟ ——————!

اب شائستہ نے بھی اس کی طرف توجہ کی اُسے گود میں بٹھا لیا، شائستہ کی گود میں پہنچ کر اس کی سسکیاں ہچکیاں بن گئیں، وہ اور زیادہ رونے لگی، شائستہ نے حواس باختہ ہو کر پوچھا۔

"تنویر، کیا ہوا؟ —————— کچھ تو بتاؤ کیا کسی نے مارا؟"

اس نے ہچکیاں لیتے لیتے اقرار میں گردن ہلا دی، شائستہ نے پیار کیا

دوپٹہ سے آنسو پونچھتے ہوئے بڑے پیار سے پوچھا،

"کس نے مارا، میری تنویر کو؟ —————— نام بتاؤ، دیکھنا، پھر کیسی خبر لیتی ہوں اس کی؛ —————— کیا اس گھر میں کوئی ایسا بھی ہے جو میری تنویر پر ہاتھ اٹھا سکے؟"

لیکن تنویر نے کوئی جواب نہیں دیا، رالعہ خانم نے ذرا بلند آواز سے پوچھا،

"تنویر بتاؤ، کس نے مارا ہے تمہیں؟"

اس کے منہ سے صرف ایک لفظ نکلا،

"ممانی، ——————

اس کے بعد ہچکیوں اور سسکیوں کے ہجوم میں وہ کچھ نہ کہہ سکی،

رالعہ خانم کو یہ سنکر ایک جھٹکا سا لگا، انہوں نے تنویر کے الفاظ دہرائے

"ممانی! —————— کیا رخشانہ نے تجھے مارا؟"

اس نے پھر اقرار میں گردن ہلادی شائستہ نے پوچھا،

"کیوں؟ —————— کیا کیا تھا تم نے؟

وہ روتی ہوئی بولی،

"کچھ نہیں —————— ریڈیو سن رہی تھی!

شائستہ نے دریافت کیا،

"پھر کیا ہوا،؟ تم ریڈیو سن رہی تھیں، اس کے بعد؟

اس نے بتایا،

"ممانی آئیں، انہوں نے ریڈیو بند کر دیا، میرا کان پکڑ کر اُٹھایا، اور گال پر طمانچہ مار باہر کر دیا ——— اب میں ان سے کبھی نہیں بولوں گی، اب میں کبھی ان کے پاس نہیں جاؤں گی!"

شائستہ نے اُسے گلے سے لگا لیا اور پیار کرتے ہوئے کہا،

ہاں کبھی نہ جانا! ——— تم تو بس میرے ہی پاس رہا کرو!"

تھوڑی دیر میں تنویر بہل گئی اور پھر اپنے کمرہ میں جا کر کتابوں اور تصویروں سے کھیلنے لگی، لیکن رابعہ خانم اب تک گپ چپ بیٹھی تھیں، شائستہ نے حساب کتاب کے اوراق سمیٹتے ہوئے کہا،

"آپا کیا سوچ رہی ہیں آپ؟"

وہ چونکتی ہوئی بولیں،

"کچھ بھی نہیں،!"

شائستہ نے بڑے ہمدرد لہجہ میں کہا،

"مجھ سے نہ چھپایئے، بتا دیجئے کیا بات ہے؟

وہ بہت غم انگیز لہجہ میں بولیں،

"اس نازک دماغی کے ساتھ کیونکر گزارہ ہوگا رخسانہ کے ساتھ؟ ——— یہی سوچ رہی ہوں، ویسے تو میں دلہن کی ہر بات گوارا کر لوں گی، لیکن تنویر کے ساتھ کسی طرح کی زیادتی برداشت کر لینا کس طرح بھی ممکن نہیں،!

شائستہ:- جی ہاں اور کیا ——— بلکہ میرا تو یہ خیال ہے انجم بھیا بھی بہت متاثر ہوں گے، اگر یہ واقعہ انہیں معلوم ہوا!"

رالبعہ خانم :- نہیں انجم سے کچھ کہنے سننے کی ضرورت نہیں ——— بس بات بڑھانا نہیں چاہتی ——— میں ایسا محسوس کرتی ہوں، اس شادی سے وہ کچھ زیادہ خوش نہیں ہے، پہلے سے معلوم ہوتا تو کیوں اس جنجال میں اُسے پھانستی، مجھے اپنی یا تنویر کی فکر نہیں ہے، بی بی روٹھیں گی، اپنا سہاگ لیں گی، بہت آسانی سے یہ ممکن ہے کہ میں دوسری کوٹھی میں چلی جاؤں، یا وہ اپنا نیا گھر بسالیں، لیکن سوچتی ہوں یہ نازک دماغی، انجم کے لئے کوئی گل نہ کھلائے، اس کی زندگی نہ تلخ ہو جائے،

شائستہ :- نہیں ایسا نہیں ہوگا آپا،

رالبعہ خانم :- تم کیا جانو، ابھی بچہ ہو، میرا تو دل ہول رہا ہے، مجھے ایسا نظر آتا ہے، جیسے رخسانہ اس گھر میں انتراق پیدا کر کے رہے گی، اب تک میں چپ تھی اور آئندہ بھی چپ ہی رہوں گی، لیکن آثار بہر طور بُرے ہیں، خدا خیر کرے،!

شائستہ :- خدا نہ کرے کوئی ایسی ویسی بات ہو،

رالبعہ خانم :- تم نے شاید نہیں محسوس کیا دلہن (رخسانہ) مجھ سے بھی کچھ الگ الگ سی رہتی ہیں، تم سے بھی حالانکہ اتنی ان کی خدمت کرتی ہو، کھچی کھچی رہتی ہیں، تنویر سے ان کا جو برتاؤ ہے آج وہ بھی معلوم ہو گیا آخر ان سب باتوں کا مطلب کیا ہے ؟

شائستہ :- میری سمجھ میں تو نہیں آتا آپا،

رالبعہ خانم :- یہ لڑکی (رخسانہ) مجھے اور انجم کو الگ کرنا چاہتی ہے،

گوشت کو ناخن سے جدا کر دے،

شائستہ:- ہو سکتا ہے ایسا ہو، لیکن کیا انجم یہاں بھی الگ ہو جائیں گے ؟

رابعہ خانم:- نہیں، وہ نہ مجھے چھوڑ سکتا ہے، نہ تنویر کو،

شائستہ:- یہی تو میں بھی کہتی ہوں، پھر آپ کیوں فکرمند ہیں ؟ آپ کو انجم بھیا سے مطلب ہے، رخسانہ سے کیا،

رابعہ خانم:- یہ تو سچ کہتی ہو، لیکن میں کنبے کو نباہنا چاہتی ہوں،!

شائستہ:- وہ تو ٹھیک ہے، خدا کرے دونوں میاں بیوی ہنسی خوشی زندگی بسر کریں،

رابعہ خانم:- تو پھر اس کی صورت ایک ہے،

شائستہ:- وہ کیا ؟

رابعہ خانم:- یہ کہ خوبی اور خوش اسلوبی کے ساتھ رخسانہ کا گھر الگ کر دیا جائے، وہ جانیں اور ان کا کام!

شائستہ:- یعنی ——————

رابعہ خانم:- یعنی یہ کہ ہمارا اُن کا انتظام الگ الگ ہو جانا چاہیئے —

شائستہ:- وہ کس طرح ہو گا ؟

رابعہ خانم:- انجم کا حساب تم الگ تو رکھتی ہی ہو،

شائستہ:- جی ہاں، ایک ایک پائی اُن کے حساب میں درج ہے، گاؤں سے جو اناج وغیرہ آتا ہے، اس کا بھی حساب الگ ہے،

رابعہ خانم:- بس تو پھر یہ رخسانہ کو سونپ دو

شائستہ :- تجویز تو بڑی معقول ہے، لیکن آپا بی کے گلے میں گھنٹی کون باندھے گا ؟

رابعہ خانم :- بلی کیسی ؟ گھنٹی کیسی ؟

شائستہ :- میرا مطلب یہ ہے کہ انجم بھیا کو کون راضی کرے گا ؟ —— کیا آپ سمجھتی ہیں ہنسی خوشی وہ اس انتظام کی اس تبدیلی پر رضامند ہو جائینگے؟ میرے خیال میں تو وہ قیامت تک اسے گوارا نہیں کریں گے ،

رابعہ خانم :- (کچھ سوچتے ہوئے) ہاں کہتی تو ٹھیک ہو، پھر ———— ؟

شائستہ :- یہ کام اس طرح ہونا چاہیئے کہ سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے ،

رابعہ خانم :- تو بتاؤ پھر وہ ترکیب ، ؟

شائستہ :- ذرا مہلت تو دیجئے، سوچ لوں پھر کچھ بتاؤں گی ،

یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ انجم مسکراتا ہوا کمرہ میں داخل ہوا، اُس نے آتے ہی کہا،

آپا وہ کہاں ہے، تنویر ا شیطان کی خالہ ، دیکھئے اس کے لئے، کتنی اچھی چیزیں لایا ہوں ———— تنویر، تنویر، تنویر،

تنویر دوڑتی ہوئی آئی ، اور انجم کے پاؤں سے لپٹ گئی ، انجم نے ، ایک بڑا سا بلندہ کھولا، اور بہت سی چیزیں ڈھیر کر دیں، گڑیا ، موٹر، لاری جیپ ، ہوائی جہاز اور نہ جانے کیا کیا، لیکا یک اس نے تنویر کو گود میں اُٹھا لیا اور اس کے گال پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا،

"یہ آنسو کے نشانات ؟ —— کیا ہوا تنویر تم روئی تھیں کسی بات پر ؟ چوٹ لگ گئی تھی یا کسی نے مارا پیٹا تھا ؟"

یہ کہتے کہتے اس کی آنکھوں سے شعلے نکلنے لگے ؛ اُس نے تنویر کو خوب پیار کیا ، پھر رالعہ خانم سے کہا ،

"آپا یہ نہیں ہو سکتا —— اس گھر میں تعلیم کے نام پر ، تربیت کے نام پر ، کسی نام پر بھی کوئی ایسی بات نہیں ہونی چاہیے ، جس سے تنویر کی آنکھیں پُرنم ہوں —— کیوں تنویر کیا ہوا تھا ؟ کیوں روئی تھیں تم ؟"

رالعہ خانم بیچ میں بول پڑیں ،

"ہوتا کیا ، گر پڑی تھی ، دوڑتی بھی تو ہو آ سے شرط باندھ کر ہے !"

ماں کے اس جھوٹ کی تنویر تردید نہ کر سکی ، لیکن اپنی حیرت بھی نہ چھپا سکی !

---

(۳۸)

مچلتا ہوا طوفان

انجم کے جانے کے بعد، تنویر اپنے تازہ بتازہ نو بنو کھیلوں میں منہمک ہو گئی، رالبعہ خانم نے پیار سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا،

"دیکھو بیٹی، انجم کو یہ نہ بتانا کہ رخسانہ نے تمہیں مارا تھا، اچھا؟ شاباش بڑی پیاری بیٹی ہے ہماری تنویر!

تنویر نے ماں کی بات مان لی، اور انجم سے رخسانہ کی بدسلوکی کا کوئی ذکر نہیں کیا، لیکن اب رخسانہ کی بدمزاجی رفتہ رفتہ بہت زیادہ بڑھ گئی تھی، اکثر وہ شائستہ کو جھڑک دیتی، رالبعہ خانم جس بات کی تاکید کرتیں رخسانہ اس کے خلاف کرتی، اور انہیں دکھا کر کرتی، انجم ان حالات سے قطعاً لاعلم تھا، اور اس کا لاعلم رہنا اچھا ہی تھا، بھلا وہ کس طرح گوارا کر سکتا تھا کہ شائستہ کو جھڑکا جانے

رابعہ خانم کی توہین کی جاتے، اور جان سے زیادہ پیاری تنویر کے کان اینٹھے جائیں اور طمانچے لگائے جائیں، ان میں سے ایک بات بھی اگر اس کے علم میں آجاتی، تو وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اس قضیہ کا فوراً تصفیہ کر دیتا،

خود رخسانہ اور انجم کے تعلقات کی بھی کچھ عجیب سی نوعیت تھی، ایک طرف رخسانہ تھی، جو ہمیشہ چڑھی ہوئی تیوری کے ساتھ اس سے مخاطب ہوتی تھی، ایسا معلوم ہوتا تھا وہ جج کی بیٹی نہیں خود جج ہے، اور انجم اس کا شوہر نہیں کوئی پرانا مجرم ہے، بہ حیثیت بیوی کے اس نے ایک دن بھی اپنے فرائض کی طرف توجہ نہیں کی، انجم کیا کھاتا ہے اور کب کھاتا ہے، رخسانہ کو اس سے کوئی سروکار نہ تھا، اسے کون سی چیزیں مرغوب ہیں اور کون سی ناپسند رخسانہ نے اس مسئلہ پر کبھی غور نہیں کیا اس کی طبیعت کیسی ہے؟ سر درد کر رہا ہے، بخار ہے، طبیعت بدمزہ اور بے کیف ہے، ہوا کرے رخسانہ کو ان باتوں سے کیا مطلب؟ وہ صرف یہ چاہتی تھی کہ اس کی پذیرائی ہوتی ہے، اس کی فرمائشیں پوری ہوتی رہیں، اس کے مصارف میں کسی طرح کا خلل نہ پڑے،

انجم ان باتوں کو دیکھتا تھا، محسوس کرتا تھا، متاثر بھی ہوتا تھا، اس کا دل کڑھتا تھا، غصہ آتا تھا، جھنجلاتا تھا، لیکن پیچ وتاب کھا کر رہ جاتا تھا، رابعہ کو وہ اپنے طرزِ عمل سے کسی طرح کا صدمہ نہیں پہنچانا چاہتا تھا، وہ جانتا تھا اگر اس نے رخسانہ کو ترکی بہ ترکی جواب دیا تو

رابعہ خانم کو صدمہ پہنچے گا، لہٰذا ہزار بلائیں، خاموشی سے ٹالتا تھا،
ایک روز، میاں بیوی دونوں ساتھ بیٹھے ناشتہ کر رہے تھے،
اتنے میں تنویر آ گئی، اب وہ رخسانہ کے پاس کبھی نہیں آتی تھی، نہ اس سے بات کرتی تھی، نہ اُسے اپنی چیزیں دکھاتی تھی، لیکن، انجم کی موجودگی میں ضرور آتی تھی، اور اس سے چہک چہک کر باتیں بھی کرتی تھی، وہ آتی اور نہایت بے تکلفی سے انجم کی گود میں بیٹھ گئی، اُسے دیکھتے ہی رخسانہ کی تیوریاں چڑھ گئیں، لیکن انجم نے محسوس نہیں کیا، اور تنویر نے پروا نہیں کی،

انجم نے پوچھا،

"تم نے ناشتہ کر لیا؟"

وہ بولی،

"نہیں کیا"

پھر ہنسی اور کہا،

"ہاں کر لیا ہا!"

انجم نے ایک سیب اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا،

"لو یہ کھاؤ!"

تنویر نے سیب لے کر نوش جان کرنا شروع کر دیا، تھوڑا سا کھا کر باقی حصّہ میز پر ڈال دیا، رخسانہ نے اُسے اُٹھا کر پھینک دیا، اور تیوری چڑھا کر کہا۔

"بڑی بدتمیز لڑکی ہے،!"

تنویر سہم کر چپ ہو گئی، انجم کے چہرے کا رنگ بدل گیا، تنویر انجم کی گود سے اتری اور خاموشی کے ساتھ کمرہ سے باہر چلی گئی، انجم نے کہا،

"تم نے بڑا کیا ——— بچوں کے ساتھ کہیں ایسا برتاؤ کیا جاتا ہے؟"

رخسانہ:- بچے ——— مجھے تو چڑ ہے بچوں سے، اور خاص کر اس فتنی سے،

انجم:- یعنی تنویر سے؟ ——— تنویر سے چڑتی ہو تم؟

رخسانہ:- ہاں بھئی، اپنی اپنی طبیعت ہے، بڑی بدتمیز لڑکی ہے!

انجم:- یہ تو بالکل نئی بات سن رہا ہوں، تنویر اور بدتمیز ——— حیرت ہے،

رخسانہ:- تو میں جھوٹ کہہ رہی ہوں کچھ؟

انجم:- میں نہیں جانتا، لیکن تنویر کے ساتھ یہ سلوک میرے لئے ناقابل برداشت ہے، اس وقت تم نے اسے نہیں جھڑکا، میرے منہ پر طمانچہ لگایا ہے میرے سینے پر گھونسہ مارا ہے،!

رخسانہ:- یہ بھی اچھی رہی ——— تنویر نہ ہوئی گھر کی روح رواں ہو گئی، جو ہے اس کا کلمہ پڑھ رہا ہے،

انجم:- ہاں یہی بات ہے،

رخسانہ:- ہو گی، ہم کسی کے ذلیل نہیں ہیں، ہمارے کمرہ میں وہ نہ آئے

باقی سارے گھر میں ہڑ دنگے مچاتی پھرے،

انجم :- وہ بادِ سحر کا ایک جھونکا ہے، اُسے آنے سے کون روک سکتا ہے؟

رخسانہ :- ہم روکیں گے،

انجم :- کل تم مجھ سے بھی اسی طرح چڑ جاؤ گی اور پابندی لگا دوں گی کہ نہ آیا کروں،

رخسانہ :- یہ آپ جانئے،

انجم :- (قدرے تلخی کے ساتھ) خیر اس موضوع کو چھوڑو، کچھ اور باتیں کرو،

رخسانہ :- میں نے آپ سے گھڑی کو کہا تھا لائے؟

انجم :- (سمر کھجاتے ہوئے) ابھی تو نہیں لایا،

رخسانہ :- کیا میں پوچھ سکتی ہوں کیوں؟

انجم :- آپا نے تمہارا جیب خرچ جو مقرر کیا ہے، اسی میں سے لے آؤ، پھر مجھ سے لے لینا،

رخسانہ :- وہ تو خرچ ہو گیا،

انجم :- اچھا، دیکھو شائستہ سے کہتا ہوں،

رخسانہ :- شائستہ سے کیا کہیں گے آپ؟

انجم :- کچھ روپے قرض لوں گا، پھر اپنے حساب میں منہا کرا دوں گا،

رخسانہ :- میں پوچھتی ہوں اس گھر میں آپ کی حیثیت کیا ہے؟

انجم :- وہی جو ہونا چاہیئے،

رخسانہ :یعنی ایک بے زبان تابعدار اور محکوم کی ؛ بغیر آپا کی مرضی کے آپ پتہ نہیں ہلا سکتے، جب تک شائستہ نہ دے، آپ کی جیب خالی رہے گی،

انجم :- تو اس سے کیا ہوتا ہے ؟

رخسانہ :- یہ بھی کوئی زندگی ہے ؟

انجم :- پھر کس طرح کی زندگی ہونی چاہیئے ؟

رخسانہ :- آزادانہ اور خودمختارانہ ————— سچ کہتی ہوں، یہاں کے طور طریقے دیکھ کر تو مجھے وحشت ہو جائے گی،

انجم :- یہ کیوں ؟

رخسانہ :- اس گھر میں نہ آپ کی کچھ حیثیت ہے نہ میری، آپ بھی آپا اور شائستہ کے دست نگر ہیں، اور میں بھی انسان شادی اس لئے تو نہیں کرتا کہ بھیک منگوں کی طرح، ہر وقت آپا اور شائستہ کے سامنے ہاتھ پھیلائے وہ رحم کھا کر کچھ جھولی میں ڈال دیں تو کام چلے، ورنہ پھر روزہ،

انجم :- پھر کیا ہونا چاہیئے، پھر کیا چاہتی ہو تم ؟

رخسانہ :- ہم کسی کے دستِ نگر اور ذلیل بن کر نہیں رہ سکتے، ہمارا گھر الگ ہونا چاہیئے، ہمارا روپیہ پیسہ الگ ہونا چاہیئے، ہمارے نوکر چاکر الگ ہونے چاہئیں، ہمارا حساب کتاب الگ ہونا چاہیئے، ہمارے کسی معاملہ میں نہ آپا کو دخل دینے کی ضرورت ہے، نہ شائستہ کو

———— میں تو آج اپنے گھر جا رہی ہوں ،

انجم :- تم اپنے گھر جا رہی ہو ؟

رخسانہ :- ہاں ———— یہ قید قفس میرے لئے ناقابل برداشت ہے ، اس سے زیادہ آزادی تو مجھے اپنے گھر میں تھی ،

انجم :- لیکن یہاں تم پر کیا پابندی ہے ؟ اپنی نیند سوتی ہو ، اپنی بھوک کھاتی ہو ، پانچ سو روپیہ مہینہ میں خرچ کا پانی ہو ، اتنا ہی مجھے بھی آپا دیتی ہیں ، گھر کے کسی خرچ سے ہمیں مطلب نہیں پھر اور چاہئے کیا ؟

رخسانہ :- سب کچھ چاہیئے ، آپا کون ہوتی ہیں ہمیں ہاتھ اٹھا کر دینے والی ؟ وہ ہمیں کیوں دیں ؟ ہم کیوں نہ اُن کی مدد کریں ؟

انجم :- وہ کسی کی مدد کی محتاج نہیں ہیں ،

رخسانہ :- تو پھر سب سے اچھا ہے ، وہ اپنے گھر خوش ہم اپنے گھر خوش ،

انجم :- آپا تو تمہاری بڑی تعریفیں کیا کرتی تھیں ،

رخسانہ :- تو میں ان کی کون سی برائیاں کر رہی ہوں ،

انجم :- تو تمہاری یہ پختہ رائے ہے کہ ہمیں الگ ہو جانا چاہیئے ، ؟

رخسانہ :- جی ہاں پختہ ، اور ناقابل مفاہمت ، اس بات کے علاوہ کسی اور بات پر سمجھوتہ نہیں ہو سکتا !

انجم اٹھ کر کھڑا ہوا ، اُس نے باہر جاتے جاتے کہا ،

"غور کر لو ، ———— اور سوچ لو اچھی طرح !"

اور پھر جواب کا انتظار کئے بغیر باہر نکل گیا۔ دروازہ پر تنویر کھڑی تھی۔ اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کی برکھا ہو رہی تھی۔ اتنی ہی دیر میں سرخ ہو گئی تھیں اس کی آنکھیں۔ انجم نے اُسے گود میں اٹھا لیا۔ بہت سا پیار کیا۔ اور پھر اُسے لئے ہوئے اپنے کمرہ میں چلا گیا۔ خود اس کی آنکھیں بھی پُرنم ہو رہی تھیں، وہ اپنے آنسو ضبط کر رہا تھا۔ اس کا بس چلتا تو شاید وُہ بھی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگتا۔ اس کی یہ حالت دیکھ کر تنویر گھبرا گئی۔ اس نے بڑی معصومیت کے ساتھ پیارے پیارے، ننھے ننھے ہاتھوں سے انجم کے آنسو پونچھے۔ انجم نے اُسے پھر گلے سے لگا لیا۔ پھر پیار کیا، اور پوچھا۔

"تم چلی کیوں گئی تھیں ہمارے پاس سے؟ اور پھر رونے کیوں لگیں؟

بڑی سادگی کے ساتھ تنویر نے جواب دیا۔

"ممانی جان جو خفا ہو رہی تھیں۔"

انجم نے کہا۔

"تم اُن کی خفگی کی پرواہ کیوں کرتی ہو؟"

وہ بولی۔

"پھر وہ مارنے جو لگتی ہیں۔"

انجم کو ایسے معلوم ہوا جیسے بجلی کا شاک لگا ہے۔ اس نے کہا۔

"مارنے لگتی ہیں ہ——— جھوٹی کہیں کی۔!"

تنویر نے جواب دیا۔

"ہاں مارتی بھی تو ہیں ، !"

پھر اس نے سوتے ہوئے ، اپنی پٹائی کی وہ داستان سنا دی ، جو کسی دن ہونے شائستہ اور رابعہ خانم کو سنا چکی تھی ۔

انجم

" پھر تم نے اپنی ممانی جان کی شکایت نہیں کی آپا سے ؟"

وہ بولی ۔

"کی تو تھی !"

انجم نے پوچھا ۔

" پھر انہوں نے کیا کہا ؟ ——— خوب مارا ہوگا انہیں ۔ ؟

کہنے لگی ۔

" نہیں انہیں تو کچھ نہیں کہا مجھے کہا ، اپنے ماموں کو نہ بتانا ۔ ؟"

انجم : اس لئے تم نے مجھ سے بھی چھپائی یہ بات ؟

تنویر : جی ہاں ،

انجم : اور شائستہ آپا نے کیا کہا ۔ ؟

تنویر : انہوں نے بھی آپ کو بتانے سے منع کیا تھا ۔

انجم : کیوں ؟ بھلا منع کرنے کی وجہ کیا تھی ؟

تنویر : وہ کہہ رہی تھیں کہ اگر انہیں بتاؤ گی تو ماموں اور ممانی میں لڑائی ہو گی ، اگر ان میں لڑائی ہوئی تو آپا بیمار پڑ جائیں گی ۔ !

انجم : اُفوہ ، اتنی ساری باتیں کہہ ڈالیں انہوں نے ؟

تنویر : ہاں ——— اور کہہ رہی تھیں، ممانی جو بات کہا کریں مان لیا کرو!
یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ شائستہ تنویر ہی کو ڈھونڈتی ہوئی اُدھر آ گئی۔
اُسے یہاں پاکر کہنے لگی۔
"ارے میں کہاں کہاں ڈھونڈ آئی" تم یہاں براجمان ہو۔؟
تنویر انجم کی گود سے اُتر کر شائستہ کے پاس جا کر کھڑی ہو گئی۔ انجم کا اُترا
ہوا چہرہ دیکھ کر شائستہ نے ہمدردی کے ساتھ پوچھا۔
"آپ اس وقت کچھ پریشان نظر آ رہے ہیں"!

انجم : ممکن ہے۔

شائستہ : لیکن کوئی وجہ بھی تو ہو گی، بتائیے کیا بات ہے۔؟

انجم : یہ اپنے گریبان میں منہ ڈال کر اپنے دل سے پوچھو۔

شائستہ : آپ بتا دینگے، تو کون سا غضب ہو جائے گا۔؟

انجم : شائستہ! مجھے چپ رہنے دو، مجھے بولنے پر مجبور نہ کرو، ورنہ واقعی
غضب ہو جائے گا"

شائستہ : کچھ بھی ہو، میں تو پوچھ کر رہوں گی۔ مجھ سے آپ کا اُترا ہوا
چہرہ نہیں دیکھا جاتا، بتائیے، ورنہ میرا طوفانِ اشک بھی برسنے
کے لئے مچل رہا ہے۔

انجم : برس جانے دو اسے بھی، اب نہ تمہارا طوفانِ اشک کچھ کر سکتا ہے،
نہ میرا، جو ہونا تھا ہو چکا، ایک آدمی کی زندگی، ایک عورت کی پر
غارت ہونا تھی سو ہو گئی۔

شائستہ : آپ کچھ بتائیں گے نہیں، خواہ مخواہ کی جلی کٹی باتیں کئے جائینگے ۔

انجم : اس وقت میرے دل میں شورش برپا ہے ۔ مجھے میرے حال پر چھوڑ دو ۔"

شائستہ : واہ، یہ کیسے ہو سکتا ہے؟

انجم : ہاں، تم تو یہ چاہتی ہو کہ زخم لگاؤ، پھر اس پر نمک چھڑکو، پھر رقص کا تماشا دیکھو، سو وہ تو دیکھ رہی ہو کئی مہینہ سے ۔

شائستہ : پھر وہی، طنز و تعریض ۔

انجم : ہاں شائستہ، اس کے سوا میرے پاس کچھ نہیں ہے ۔

شائستہ : خدا کے لئے بتا دیجئے، کیا بات ہوئی ——— کیا رخسانہ سے لڑائی ہوئی ہے ۔

انجم : میں نے بہت ضبط سے کام لیا اس لئے نہیں ہوئی، لیکن ضرور ہو گی، اور شاید فیصلہ کن اور بہت جلد،

شائستہ : (بے انتہا پریشان ہو کر) خدا کے لئے یہ نہ کہیئے، میاں، بیوی میں لڑائی ہو ہی جاتی ہے، دو برتن جب پاس ہوتے ہیں تو کھڑک ہی جاتے ہیں ۔ اس کے یہ معنی تو نہیں ———"

انجم : تم اپنی نصیحت رہنے دو اپنے پاس، ایسی باتیں بہت سن چکا ہوں ۔ ہٹو، مجھے راستہ دو، میں باہر جا رہا ہوں، اور یہ کہتا جاتا ہوں کہ اگر رخسانہ اپنے گھر جانا چاہیں تو ہرگز انہیں روکنے کی کوشش نہ کی جائے، اگر کچھ پوچھنا ہے تو تنویر سے پوچھ لو ۔" یہ کہہ کر وہ تیزی سے باہر نکل گیا، شائستہ اس کا منہ دیکھتی رہ گئی ؛

(۳۹)

نہیں !

دوپہر کا وقت تھا شائستہ اپنے کمرہ میں تنویر کے کپڑے سی رہی تھی، رابعہ خانم قیلولہ کر رہی تھیں، انجم کہیں باہر گیا ہوا تھا، رخسانہ نے کار منگائی، اور اپنے گھر چلی گئی، اس واقعہ پر بڑی ہلچل گھر میں مچ گئی، لیکن اب تیر کمان سے نکل چکا تھا، رابعہ خانم کو جب اس واقعہ کی اطلاع ہوئی، انہوں نے شائستہ سے پوچھا،

"کیا رخسانہ تم سے کہہ کر گئی ہے!"

وہ بولی،

نہیں تو مجھے خود ابھی معلوم ہوا ہے،

رابعہ خانم :- کیا انجم سے کچھ کھٹ پٹ ہو گئی ہے ؛

شائستہ :- مجھے تو پتہ نہیں،

رابعہ خانم :- ضرور کچھ دال میں کالا ہے ،

شائستہ :- معلوم تو ایسا ہی ہوتا ہے ،

رابعہ خانم :- کار نکلواؤ ، میں خود جاتی ہوں اپنے ساتھ لے کر آؤں گی
اے لو بڑی عمر انجم آ گیا ———— کیوں انجم ، رخسانہ اپنے
گھر کیوں گئی ہے ؟

انجم :- بڑے لوگوں کی بڑی باتیں ،

رابعہ خانم :- کیا تم اس سے لڑے ہو ؟

انجم :- لاحول ولا قوۃ ———— کیا آپ نے مجھے اتنا ذلیل سمجھ لیا ہے
کہ میں رخسانہ جیسی عورت سے لڑوں گا ؟

رابعہ خانم :- (مسکراتے ہوئے) یعنی وہ اس قابل بھی نہیں ہے کہ تم اس سے
لڑو ؟

انجم :- جی بے شک ،

رابعہ خانم :- نہ بتاؤ میں خود جاتی ہوں ، اور اسے منا کر لے آؤں گی ،

انجم :- اگر آپ گئیں تو پھر کبھی میرا منہ نہیں دیکھیں گی آپ ، !

رابعہ خانم :- واہ رے لڑکے کچھ دیوانہ ہوا ہے ؟ ———— یہ
کیوں ؟

انجم :- میں آپ کی توہین نہیں برداشت کر سکتا ، یہ آپ کی توہین ہے کہ
آپ رخسانہ کو منانے جائیں ، جب کہ کوئی بات بھی ہماری طرف سے
ایسی نہیں ہوئی جو شکایت کا سبب ہو ،

رابعہ خانم :- کچھ نہ کچھ تو ضرور ہوا ہے -

انجم :- ہاں ان کا دماغ خراب ہو گیا ہے ،

رالعبہ خانم :- یہ تو نے کیسے جانا ؟

انجم :- اس لئے کہ بہکی بہکی باتیں دیوانے اور پاگل ہی کرتے ہیں ،

رالعبہ خانم :- وہی تو پوچھ رہی ہوں بات کیا ہوئی ، یہ تو بتاؤ "

انجم :- بے بات کی بات ،

رالعبہ خانم :- آخر کچھ تو ؟ ـــــــ مان لیا تم نہیں لڑے وہ لڑی ہو گی ،

انجم :- ایسا ہی سمجھ لیجئے ـــــــ آپا آپ نے رخسانہ کو اس گھر میں لا کر بہت بڑی غلطی کی ، میرا تو کچھ نہیں ہے ، آپ کی مسرت اور مرضی پر بڑی خوشی سے اپنی زندگی قربان کر سکتا ہوں ، اور کر ہی دی رخسانہ سے شادی کر کے ، لیکن ، اگر بیگم صاحبہ نے یہ سمجھا ہے کہ وہ ہم بھائی بہن میں تفرقہ ڈلوا دیں گی تو یہ اُن کی غلطی ہے ، منہ دھو رکھیں ، ایسا نہیں ہو سکتا ، یہ اجازت کسی کو نہیں دی جا سکتی ،

رالعبہ خانم :- چل جھوٹا ـــــــ وہ مزاج کی تیز ضرور ہے ، لیکن میں نے اس کا کیا بگاڑا ہے جو مجھ سے جلے گی ؟

انجم :- مجھ سے نہ پوچھئے ، بلی خود ہی بوریہ سے باہر آ جاتی گی دو چار دن میں ،

رالعبہ خانم :- دیکھو انجم مجھے ہول ہو رہا ہے ان باتوں سے ، صاف صاف کہو کیا ماجرا ہے ،

انجم :- کیا انہوں نے تنویر کی گوشمالی نہیں کی ؟ کیا انہوں نے اس کے پھول

سے گال پر طمانچہ نہیں مارا ؟ کیا انہوں نے اس سے ٹیڑھی بیڑھی باتیں نہیں کیں ؟ کیا یہ سلوک میں برداشت کر سکتا ہوں، صرف آپ کا خیال تھا جو چپ رہا، ورنہ گلا گھونٹ دیتا، آپ کی رخسانہ بیگم کا — دنیا میں تنویر سے زیادہ مجھے کوئی عزیز نہیں ہے ———

آپ بھی نہیں، !

یہ کہتے کہتے انجم کی آواز بھرا گئی، اس کی آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگے، اس نے غصّہ اور برہمی کے لہجہ میں کہا،

"پھر اس پر بس نہیں، رخسانہ بیگم کو اس پر بھی اعتراض ہے کہ آپ اس گھر کی مالک و مختار کیوں ہیں ؟ روپے آپ کے پاس کیوں رہتے ہیں؟ آپ ہاتھ اٹھا کر مجھے اور انہیں جیب خرچ کیوں دیتی ہیں ؟ ان کا، ان کا یہ مطالبہ بھی ہے کہ اس گھر میں یا آپ رہیں یا وہ ؟ یہ باتیں میں نے سنیں اور خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا، صرف آپ کے خیال سے، صرف آپ کے لحاظ سے،

رالعبہ خانم :۔ مجھے تم سے یہی امید تھی،

انجم :۔ لیکن میں بھی آدمی ہوں، اتنی امیدیں نہ لگائیے کہ پوری نہ ہو سکیں،

رالعبہ خانم :۔ لیکن اس نے کوئی ناواجب مطالبہ تو نہیں کیا، میں تو خود اس مبارک گھڑی کے دن گنا کرتی تھی کہ تمہاری دلہن آئے اور اپنا گھر سنبھال لے، میں رخسانہ کے پاس جاؤں گی، اور گھر کی کنجیاں اس کے حوالہ کر دوں گی،

انجم نے چیخ کر کہا،

"نہیں۔——————

اور باہر چلا گیا، اس کا چہرہ تمتمایا ہوا تھا، آنکھیں سُرخ ہو رہی تھیں، ہونٹ کانپ رہے تھے، اور سارا بدن لرز رہا تھا، !

---

(۴۰)

رات کی بات

انجم کے جانے کے بعد، رابعہ خانم کو چپ لگ گئی ان کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا، یہ کیا ہو گیا؟ یہ کیا ہو رہا ہے؟ شائستہ نے بات کا پہلو بدلتے ہوئے کہا،

"آپا، تنویر، اپنی گڑیا کی شادی کرنے کو کہہ رہی ہے!"

رابعہ خانم نے بے دلی سے کہا،

"ہو گا جی، مجھے اس وقت کچھ اچھا نہیں لگتا، سوچتی ہوں، ان باتوں کا انجام کیا ہو گا؟ انجم مجھے وہاں جانے سے روک رہا ہے، اور رخسانہ کے واپس آئے بغیر معاملات نازک صورت اختیار کر لیں گے، مجھے وہاں جانا ہی چاہیئے،

شائستہ نے تاکید کرتے ہوئے کہا،

"ہاں آپا، ضرور جایئے، بلکہ میں بھی ساتھ چلوں گی، لیکن آج نہیں —— ——!

رابعہ خانم نے تیوری پر بل ڈال کر پوچھا،

"کیوں آج کیوں نہیں؛ آج نہیں تو پھر کب؟

شائستہ نے کہا،

"دو چار دن کے بعد، ذرا انجم بھیا کا غصّہ کم ہو لینے دیجئے، ضد تم ضدّا میں معاملہ اور زیادہ پیچیدہ اور نازک ہو جائے گا، بلکہ میں تو اس فکر میں ہوں کہ ہم لوگوں کے بجائے خود انجم بھیا جائیں اور رخسانہ کو لے آئیں،

بات رابعہ خانم کی سمجھ میں آ گئی،

وہ بولیں،

یہ ہو سکے تو کیا کہنا، بہرحال یہ کام ہونا ضرور چاہیئے، مجھے یقین ہے اگر تم انجم کو سمجھاؤ گی، مان جائے گا، وہ تمہاری بات زیادہ مانتا ہے!"

"وہ تمہاری بات زیادہ مانتا ہے!"

یہ سنکر شائستہ کا رنگ رخ بدل گیا اس کے گلابی گالوں پر سُرخی دوڑ گئی لیکن بہت جلد اپنی اس کیفیت پر وہ غالب آ گئی، اس نے کہا،

"ہاں آپا، میں انجم بھیا کو راہ راست پر لانے کی کوشش کروں گی،!"

رات کو انجم بہت دیر میں واپس آیا، سارا گھر سو چکا تھا، لیکن شائستہ جاگ رہی تھی، وہ اپنے کمرہ میں آ کر کوٹ اُتارنے کے بعد، سگریٹ سلگا رہا تھا کہ شائستہ پہنچ گئی، انجم نے اُسے دیکھا، ایک کش لگایا اور کہا،

"اس وقت کیسے آ گئیں؟"

شائستہ:- کچھ باتیں کرنا ہیں آپ سے،

انجم :- زہے قسمت ———— فرمایئے

شائستہ :- آپ غصّہ ور بہت ہو گئے ہیں اب آخر اس کی وجہ ؟

انجم :- میری مرضی ،

شائستہ :- آپ کو میری مرضی پر چلنا پڑے گا ،

انجم :- حضور کی مرضی کیا ہے ؟

شائستہ :- غصّہ کرنا چھوڑ دیجئے ، آپا کے سامنے بھی غصّہ آ گیا آپ کو ؟ بھی بری بات ، آپ کیسے ہوتے جا رہے ہیں آپ ؟

انجم :- بہت بُرا ، اچھا تو کبھی نہیں تھا ، اب بہت بُرا ہو گیا ہوں ،

شائستہ :- نہیں اچھے آدمی کبھی بُرے نہیں ہوتے ، ہمیشہ اچھے رہتے ہیں ،

انجم :- آخر اس خوشامد کا مطلب کیا ہے ؟

شائستہ :- رخسانہ کو منا کر لے آیئے ،

انجم :- اور اگر میں انکار کر دوں تو کیا ہو گا ؟

شائستہ :- تو میں خفا ہو جاؤں گی ، ؟

انجم :- خفا ہو کر کیا کرو گی ؟ ———— خوش ہو کر کیا دے دیا جو خفا ہو کر چھین دگی ؟ ایسی بے اثر دھمکی سے فائدہ ؟

شائستہ :- یہ دھمکی نہیں ہے التجا کرتی ہوں ، مان جایئے ،

انجم :- تم بے وقوف ہو ، میں تم سے زیادہ احمق ہوں ، تم نے ایک احمقانہ مشورہ دیا ، اور میں نے اسے قبول کر لیا ، اب اس کا تلخ نتیجہ میرے سامنے بھی ہے ، تمہارے سامنے بھی ، اور آپا کے

سامنے بھی، اور یہ تو ابھی ابتدا ہے،
آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا،

شائستہ :- کچھ نہیں ہوگا، آپ تو غصہ میں خواہ مخواہ انتہا پسند ہو جاتے ہیں،

انجم :- میں نے کہا تو بہت برا ہوں، بہت بے ہودہ ہوں، مجھے میرے حال پر چھوڑ دو، آخر میرے پیچھے میں کب تک ٹانگ اڑاتی رہو گی؟ کیا واقعی تمہارا مقصد یہ ہے کہ میں پاگل ہو جاؤں، یا خودکشی کر لوں؟

شائستہ :- (با دیدہ پرنم) کیا میرا یہ مقصد ہو سکتا ہے؛ کیا واقعی آپ کا یہی خیال ہے میرے بارے میں؟

انجم :- یہی تو مصیبت ہے کہ میں اپنا خیال بھی نہیں ظاہر کر سکتا، اس کی اجازت بھی نہیں ہے،

شائستہ :- پوچھ تو رہی ہوں،

انجم :- رو بھی تو رہی ہو،

شائستہ :- (آنسو پونچھتے ہوئے) اچھا اب نہیں روتی، کہئے،

انجم :- موڈ بگڑ گیا، اب کچھ نہیں کہتا، رات زیادہ آگئی ہے، جاؤ سو رہو پھر باتیں ہوں گی!

شائستہ :- میری نیند تو آپ کی باتوں نے اڑا دی ہے،

انجم :- نہ آئے تو مجھے یاد کر لینا، میری اختر شماری کو یاد کر لینا، میری شب بیداری کو یاد کر لینا، میری رات بھی کروٹیں بدلتے ہی کٹتی ہے؛———— روز، ہر روز! لیکن تم سے کبھی نہیں کہتا

تمہی نے درد دیا ہے تمہی دوا دینا، !

آج بھی زخم دل پر نمک چھڑک رہی ہو، لیکن میری زبان پر نہ شکوہ ہے نہ شکایت ——————— !

شائستہ سر جھکائے ہوئے اپنے کمرہ میں واپس چلی گئی !

(۱۳۱)

موت

رابعہ خانم، کئی دن سے بیمار تھیں، پہلے انفلوئنزا ہوا، پھر اس نے نمونیہ کی صورت اختیار کرلی، بہن کو بیمار دیکھ کر، انجم کے اوسان جاتے رہے، وہ اس قدر جلد بیمار ہوئیں، اور بیماری نے اس قدر جلد نازک اور خطرناک صورت اختیار کی کہ شائستہ کے بھی آتے کئے حواس جاتے رہے، بار بار ڈاکٹر بدلے جاتے تھے، علاج میں تبدیلی ہوتی تھی، لیکن مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی والا معاملہ تھا، تنویر کی حالت سب سے زیادہ قابل رحم تھی، انجم اسے لاکھ لاکھ بہلاتا تھا، شائستہ اسے ہر طرح سے تسلی دیتی تھی، لیکن وہ اس طرح ماں کی پٹی سے لگی بیٹھی تھی جیسے کوئی اسے چھین لے جائے گا، وہیں بیٹھے بیٹھے اونگھ جاتی، اور گردن ڈال دیتی، پھر شائستہ بستر پر لٹا دیتی، انجم اور شائستہ نے تیمار داری

ہیں اپنے آپ کو ہلکان کر دیا تھا، ان دونوں میں سے کسی کو نہ کھانے کا ہوش تھا، نہ پینے کا، نہ آرام کا، نہ کسی اور کام کا، دونوں کی آنکھیں ہر وقت پر نم رہتیں، انجام کے خیال سے دونوں کا دل دھڑک رہا تھا، کیونکہ ڈاکٹر نے کہہ دیا تھا آنے والے ۲۴ گھنٹے نہایت خطرناک ہیں، اس عرصہ میں اگر بچ گئیں تو سنبھل جانے کی اُمید کی جا سکتی ہے، ورنہ پھر تمت بالخیر،

رابعہ خانم کا یہ حال تھا کہ سانس مشکل سے آتی تھی، ہر وقت نیم بیہوشی کی سی کیفیت رہتی تھی، بخار بھی بہت چڑھا ہوا تھا، کبھی کبھی وقت ہوش میں آ کر آنکھیں کھول دیتیں، اِدھر اُدھر دیکھتیں، شائستہ اور انجم اور تنویر پر محبت بھری نظر ڈالتیں، کبھی کبھی کوئی بات کہتیں، پھر سانس پھول جاتا، پھر حالت غیر ہو جاتی، پھر وہ غوطہ میں چلی جاتیں۔

ایک روز حسبِ معمول انجم اور شائستہ ان کے پاس بیٹھے تھے، انہوں نے آنکھ کھولی، آہستہ سے رُک رُک کر شائستہ سے پوچھا،

"رخسانہ ابھی نہیں آئی؟"

اور پھر جواب کا انتظار کئے بغیر غوطہ میں چلی گئیں، شائستہ نے روتے ہوئے انجم سے کہا۔

"جا بیٹے جس طرح بھی ہو سکے رخسانہ کو لے آیئے آپا کی زندگی کا خدا حافظ ہے، اس وقت بھی، اگر کوئی فکر دامن گیر ہے تو رخسانہ کی!"

انجم آنسو پونچھتا ہوا اٹھا اس نے کہا۔

"کئی مرتبہ آدمی بھیج چکا ہوں، لیکن وہ نہیں آئیں، اب خود جاتا ہوں،

خدا کرے آجائیں، !"

شائستہ بولی

آپ جائیں گے، تو کیسے نہیں آئیں گی، ضرور آئیں گی، !"

وہ جاتے ہوئے گویا ہوا،

"اچھا جاتا ہوں، ڈاکٹر صاحب نے تاکید کر دی تھی، ۳، ۳، گھنٹہ کے بعد دوا دی جائے، پندرہ منٹ بعد فوراً دوا دینا !"

شائستہ نے اطمینان دلایا،

"فکر نہ کیجئے، دوا دے دی جائے گی، لیکن ان کی سب سے بڑی دوا اس وقت رخسانہ ہے، اسے لائیے !"

انجم نے کوئی جواب نہیں دیا، کار میں بیٹھا اور سیدھا سسرال پہنچا، جج صاحب شہر سے باہر گئے ہوئے تھے، ساس منوّر بیگم موجود ملیں، شکایت آمیز لہجہ میں بولیں،

"بیٹا تم تو عید کے چاند ہو گئے ہو کبھی نظر ہی نہیں آتے، !"

انجم نے کہا،

"بہت نادم ہوں، آپا کی علالت کی وجہ سے اور زیادہ مصروفیت بڑھ گئی ہے، انشاء اللہ اب آیا کروں گا —————— رخسانہ کہاں ہیں"

منوّر بیگم نے ایک کمرہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"وہاں بیٹھی اپنی قسمت کو رو رہی ہوگی، وہ تو جب سے تمہارے ہاں سے آئی ہے، ہر وقت کھوئی کھوئی سی رہتی ہے، نہ جانے کیا ہوگیا

ہے اُسے ــــــــــــ خدا میری بچی کو سلامت رکھے ، !

انجم نے کوئی جواب نہیں دیا، تیر کی طرح سیدھا، رخسانہ کے کمرہ میں پہنچا وہاں رخسانہ کھڑی آئینہ کے سامنے اپنی آرائش دیکھ رہی تھی، اس طرح لیس کھڑی تھی، جیسے کہیں باہر جا رہی ہو، انجم کو دیکھ کر چونکی، اور ٹھٹھک کر ہو گئی، انجم نے کہا،

"رخسانہ میں تمہیں لینے آیا ہوں !"

وہ بے رخی سے بولی،

"میں نہیں جاؤں گی، !"

انجم :- تمہیں چلنا پڑے گا، آپا کی طبیعت خراب ہے !"

رخسانہ :- ان کی ناسازیٔ مزاج کا حال سن چکی ہوں،

انجم :- پھر بھی نہیں چلو گی ؟

رخسانہ :- جا کر کیا کروں گی ؟ میں نہ حکیم، نہ ڈاکٹر، نہ نرس،

انجم :- وہ تمہیں دیکھنا چاہتی ہیں، تمہیں یاد کرتی ہیں، بار بار تمہی کو پوچھتی رہتی ہیں، جب ہوش میں آتی ہیں، پہلا سوال تمہارے بارے میں کرتی ہیں، !

رخسانہ :- اچھا آپ جائیے میں شام تک آ جاؤں گی، !

انجم :- شام تک کیوں ؟ ابھی اور اسی وقت کیوں نہیں ؟

رخسانہ :- اس وقت تو میں ریحانہ کے ہاں جا رہی ہوں، ؟

انجم :- (جل کر) کیا وہاں کوئی تماشہ ہے ؟

رخسانہ :- نہیں ———— وہاں سے ہم دونوں تماشہ دیکھنے جائیں گے
شائستہ ناظم کا آدمی، ہماری سیٹیں ریزرو ہو چکی ہیں ! !

انجم :- اتنی بے درد نہ بنو، یہ تماشہ دیکھنے کا وقت ہے ؟

رخسانہ :- اس میں بے دردی کی کیا بات ہے ؟ میں وعدہ کر چکی ہوں
وہ بیچاری انتظار کر رہی ہو گی میرا، وعدہ کرتی ہوں، وہاں سے
واپسی میں آجاؤں گی ! !

انجم :- تو میں چلا جاؤں ناکام و نامراد، میرے ساتھ نہیں چلو گی ؟

رخسانہ :- ساتھ تو نہیں چلوں گی، البتہ آجاؤں گی،

انجم :- انہوں نے پوچھا، تو پھر میں جواب کیا دوں گی ؟

شائستہ :- وہی کہہ دیجئے گا، جو میں نے بتایا ہے،

انجم :- ان باتوں کا انجام جانتی ہو کیا ہو گا ؟

رخسانہ :- میں انجام سے نہیں ڈرتی، مجھے دھمکی نہ دیجئے ———— کیا آپ
لڑنے آئے ہیں ؟

انجم :- نہیں ———— میں تم سے لڑ نہیں سکتا، دھمکی نہیں دے سکتا، تمہیں
مجھے معاف کر دو، مجھ پر رحم کرو، میرے ساتھ چلو، شاید تمہیں نہیں
معلوم آپا کی حالت بہت نازک ہے، وہ گھڑی دو گھڑی کی مہمان ہیں

رخسانہ نے کوئی جواب نہیں دیا تھا کہ منور بیگم، پہنچ گئیں، انہوں نے
انجم سے بگڑے ہوئے تیور سے تلخ لب و لہجہ میں کہا،

"بیٹے کیا تم لڑنے آئے ہو اپنی بیوی سے ؟ اس غریب، کو، اپنے گھر میں چین نہیں ملے گا؛

انجم :- جی نہیں، لڑنے نہیں آیا، خوشامد کرنے آیا ہوں،

منور بیگم :- بس رہنے دو، باتیں نہ بناؤ، یہ خوشامد کریں گے، تمہیں، اپنی آپا جان کی خوشامد سے کب فرصت ہے جو کسی اور کی خوشامد کرو گے ؟ تمہیں تنویر کی محبت سے کب مہلت ملتی ہے، جو کسی اور کے ہو گے ؟ تمہیں شائستہ ———

انجم :- یقین کیجئے، خوشامد کرنے آیا ہوں، معافی مانگنے آیا ہوں، التجا کرنے آیا ہوں، آپا کی حالت بہت نازک ہے، وہ شاید ہی بچیں، ڈاکٹر کہہ گیا ہے، آنے والے ۲۴ گھنٹے بہت نازک ہیں، اس حالت میں بھی بار بار آنکھ کھول کر وہ صرف ایک ہی بات پوچھتی ہیں، "رخسانہ نہ آئی" ؟ آپ ہی بتایئے اگر میں یونہی چلا گیا، تو انہیں کیا جواب دوں گا ؟ یہ (رخسانہ) مجھے جتنی چاہیں سزا دے لیں، لیکن آپا پر "رحم کریں" ان کا دل تو نہ دکھائیں، وہ بھی ایسے نازک وقت پر،

منور بیگم :- بیٹی رخسانہ، ہمارے ساتھ کوئی چاہے جیسا برتاؤ کرے، ہمیں اپنی شرافت کا بہرحال ثبوت دینا چاہیئے، جاؤ، چلی جاؤ، انجم کے ساتھ،!

رخسانہ :- لیکن ریحانہ میرا انتظار کر رہی ہو گی! کہہ تو دیا "آدمی" دیکھ کر آ جاؤں گی،

منور بیگم :- نہیں بیٹی آدمی وادمی کا ذکر نہ کرو، ریحانہ سے میں کہلا دونگی
تم تو انجم کے ساتھ خیر سے سدھارو،

رخسانہ :- اچھی زبردستی ہے،

منور بیگم :- یہی سہی، اگر رابعہ خانم کی طبیعت ٹھیک دیکھنا تو واپس آجانا، ورنہ
رہ جانا آج کے آج، کل چلی آنا،

رخسانہ اسی طرح بنی ٹھنی آگے بڑھی، اور انجم سے بولی،

"آیئے ـــــ چلئے"!

انجم اس کے پیچھے پیچھے ایک مجرم کی طرح چل پڑا، ذرا دیر میں گھر آگیا
رخسانہ کو دیکھتے ہی، رابعہ خانم کے چہرے پر رونق آگئی، ان کا سانس قابو
میں نہیں تھا، پھر بھی اسے اشارہ سے پاس بلایا اور کہا،

"بیٹی تو آگئی"!

رخسانہ نے کوئی جواب نہیں دیا، چپ چاپ گردن جھکا کر بیٹھ گئی، تھوڑی
دیر تک رابعہ خانم، اپنا سانس قابو میں لانے کی کوشش کرتی رہیں، پھر
انہوں نے انجم سے کہا،

"میرے پاس آجاؤ انجم"!

وہ پاس آکر بیٹھ گیا،

رابعہ خانم نے کہا،

"میرا آخر وقت قریب آپہنچا ہے ـــــــ

انجم چیخ کر رونے لگا،

"نہیں آپا، آپ زندہ رہیں گی، آپ نہیں مر سکتیں، آپ اچھی نہ ہوئیں تو میں ڈاکٹر کو مار ڈالوں گا،

رابعہ خانم نے انجم کے سر پر ہاتھ پھیرا اور درد انگیز لہجہ میں کہا،

"ایسی باتیں نہیں کرتے انجم، دنیا میں کون ہمیشہ زندہ رہا ہے؟ زندگی اور موت ڈاکٹر کے ہاتھ میں نہیں، خدا کے ہاتھ میں ہے!"

یہ الفاظ انہوں نے بڑی مشکل سے رک رک کر ادا کئے تھے، سانس پھر پھول گیا، ذرا دیر کے بعد گویا ہوئیں،

"میں نے اپنی حالت محسوس کر لی ہے، بس اب چل چلاؤ کا وقت آ گیا ہے، اگر تم چاہتے ہو کہ میں اس دنیا سے خوش خوش جاؤں تو رخسانہ کو منالو، وہ اس گھر کی عزت ہے، وہ اس خاندان کی لاج ہے یہ جھگڑے زیب نہیں دیتے، ہاتھ بڑھاؤ تم دونوں ——————

وہ پھر رک گئیں، سانس بہت زور زور سے آ رہا تھا،

شائستہ نے رخسانہ اور انجم کے ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر اس طرح ملا دیئے، جیسے مصافحہ کیا جاتا ہے، پھر رابعہ سے کہا،

"دیکھئے آپا، دونوں نے صلح کر لی، میل ہو گیا دونوں میں، اب تو آپ خوش ہوئیں!"

رابعہ خانم اتنی تھک چکی تھیں کہ منہ سے جواب نہ دے سکیں، گردن کے اشارہ سے اقرار کیا،

تھوڑی دیر کے بعد، پھر انہوں نے اپنے اکھڑے ہوئے سانس

پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا،

"انجم، اب ایک وصیت سن لو میری !"

انجم کی آنکھوں سے برابر آنسو بہہ رہے تھے، اس نے گریہ آلود آواز میں کہا،

"سن رہا ہوں آپا کہئے، !"

رابعہ خانم نے کہا

"میری ایک لڑکی نہیں دو لڑکیاں ہیں، تنویر اور شائستہ، اگر میں اچانک بیمار پڑ کر، میں بے بس نہ ہو جاتی، تو اپنے ارادہ کے مطابق شائستہ کے لئے بھی وہ سب کچھ کرتی، جو تنویر کے لئے کر چکی ہوں، پھر بھی یاد رکھو ! میری ہر چیز اس کی ہے اس سے کبھی باز پرس نہ کرنا، جھگڑا نہ کرنا اس کے معاملہ میں دخل نہ دینا، میرے سارے روپے پیسے، دولت، جائیداد ہر چیز کی وہ نگران، محافظ اور منتظم ہے، ہاں تم اپنا حساب کتاب الگ کر لو اور رخسانہ کے حوالہ کر دو ——————"

پھر وہ ہانپتی ہوئی شائستہ کی طرف متوجہ ہوئیں،

"تنویر کو میں تمہاری سپردگی میں دیتی ہوں، جب تک وہ بڑی نہ ہو جائے، اس کا ساتھ نہ چھوڑنا، وہ بڑی نازک مزاج ہے اگر کسی نے اسے ستایا تو قبر میں بھی مجھے آرام نہ ملے گا، میں جانتی ہوں، تم اس سے کتنی محبت کرتی ہو، میرے بعد تمہاری محبت میں کمی نہ آنے پائے، میری نظر میں تم اور تنویر برابر ہو!"

شائستہ نے روتے روتے کہا،

"آپا آپ اچھی ہو جائیں گی!"

رابعہ خانم کا سانس اکھڑ چکا تھا، اُنہوں نے بڑی مشکل سے رُک رُک کر کہا،

"نہیں میرا وقت آ گیا، ——— ذرا تنویر کو بلاؤ!"

انجم دوڑا دوڑا گیا اور تنویر کو گود میں لئے ہوئے آ گیا اور ان کے پاس بٹھاتے ہوئے کہا،

"آپا تنویر آ گئی،!"

رابعہ خانم غوطہ میں چلی گئی تھیں، انجم نے پھر پکار کر یہی الفاظ دہرائے اُنہوں نے آنکھ کھولی مسکرانے کی کوشش کی، اس کے سر پر ہاتھ پھیرا، گال پر ہاتھ پھیرا، پھر کانپتی ہوئی آواز میں کہا،

"میری بچی،!"

پھر ان کی آنکھ کے گوشہ پر آنسو کا ایک بڑا قطرہ موتی کی طرح جگمگانے لگا، ان کی یہ کیفیت دیکھ کر تنویر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی، انجم نے اُسے گود میں اُٹھایا اور پیار کرتا ہوا اور خود روتا ہوا باہر چلا گیا، جیسے ہی وہ تنویر کو لے کر باہر گیا، رابعہ خانم نے شائستہ سے پوچھا،

"کیا تنویر گئی،!"

وہ بولی،

وہ رونے لگی تھی آپ کی حالت دیکھ کر انجم میاں بہلانے کے لئے

لے گئے ہیں ،!"

رابعہ خانم نے رُکتے رُکتے ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں کہا،

"اچھا کیا ——— دیکھو شائستہ رخسانہ کا بھی خیال رکھنا ذرا تنک مزاج لڑکی ہے، اس کی باتوں کا بُرا نہ ماننا!"

شائستہ نے رابعہ کو تسلّی دیتے ہوئے کہا،

"آپا فکر نہ کیجئے، رخسانہ کو میں اپنی بہن سمجھتی ہوں،!"

دفعتہً سینہ پر ہاتھ رکھ کر بڑے گھبرائے ہوئے انداز میں اُنہوں نے کہا۔

انجم ———

انجم تنویر کو منلانی کے پاس چھوڑ کر خود ہی آگیا تھا، بہن کی پٹی کے پاس زمین پر اکڑوں بیٹھتا ہوا بولا،

میں آگیا آپا،!"

رابعہ نے اس کی طرف دیکھا، کچھ کہنا چاہا لیکن کہہ نہ سکیں، اُنہوں نے انجم کا ہاتھ پکڑ لیا، اُسے دبایا اور "اللہ" مشکل سے کہہ پائی تھیں کہ آنکھوں کی پتلیاں اُلٹ گئیں، ناک کا بانسہ پھر گیا، اور انہوں نے گردن ڈال دی،

شائستہ زور سے چیخی،

آپا، ———

اور پھر وہ کچھ نہ کہہ سکی، بے ہوش ہو کر گر پڑی، یہ حالت دیکھ کر انجم اور زیادہ گھبرا گیا، اُس نے رخسانہ سے کہا،

"تم نشالستہ کی خبر لو، میں ڈاکٹر کو بلا لاؤں!"

ڈاکٹر صاحب کو پہلے ہی اطلاع مل چکی تھی، دروازہ میں ان کی اور انجم کی مڈبھیڑ ہوئی، ڈاکٹر نے پوچھا،

"کیا حال ہے خانم صاحبہ کا؟"

انجم نے کہا،

"بیہوش ہوگئی ہیں آیئے جلدی آیئے!"

دونوں فوراً رابعہ کے کمرہ میں پہنچ گئے، نشالستہ اب تک بیہوش پڑی تھی، رخسانہ خاموش اور گم صم بیٹھی تھی، ڈاکٹر نے رابعہ خانم کی نبض دیکھی اور کہا،

"خدا کی مرضی پوری ہوئی!"

انجم نے بے قرار ہو کر پوچھا،

"کیا کہا آپ نے؟ ——— کیا مطلب ہے آپ کا؟"

ڈاکٹر نے شفقت سے انجم کی پیٹھ پر ہاتھ رکھا اور کہا،

"میرے عزیز، خانم صاحبہ اس دنیا سے رخصت ہوگئیں، یہ وقت ایک دن سب کو پیش آنا ہے، صبر کرو، اب تمہاری ذمہ داریاں بہت بڑھ گئی ہیں، تم بہت بڑی نعمت سے محروم ہو گئے ———"

پھر وہ نشالستہ کی طرف لپکے،

"انہیں کیا ہو گیا؟"

نبض دیکھی، انجکشن لگایا اور کہا،

"انہیں بہت زیادہ صدمہ پہنچا ہے، بیہوش ہوگئی ہیں، آرام سے کسی

ہموار جگہ پر لٹا دو، یہاں کی گھٹن ان کے لئے خطرناک ہے!

رابعہ خانم کی خبرِ وفات نے سارے گھر میں تہلکہ مچا دیا تھا، مغلانی تنویر کو لے کر جج صاحب کے ہاں چلی گئیں، سکینہ اور مغلانی نے جلدی سے شائستہ کو اس کے کمرے میں پہنچایا، انجم تجہیز و تکفین کا انتظام کرنے لگا۔

---

(۴۶)

نیا نقشہ، نیا دور

وہی گھر ہے، وہی اس کی آرائش و زیبائش، وہی اس کی شان و شکوہ، وہی اس کے مکین و متعلقین، وہی نوکر چاکر، وہی آنے والے اور جانے والے، لیکن رابعہ خانم کے نہ ہونے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک ایسا چمن ہے، جس کی بہار لُوٹ لی گئی، جس کی رونق چھین لی گئی، جس کی چہل پہل رخصت ہو گئی۔

شائستہ کے آنسو کسی وقت نہیں تھمتے، وہ رابعہ خانم کی ایک ایک چیز کو گھنٹوں اور پہروں دیکھا کرتی، اور آنسو بہایا کرتی ہے، وہ ہنسنا اور مسکرانا بھول گئی ہے۔ کھانا اس کے سامنے آتا ہے، لیکن دو لقمے بھی نہیں کھا پاتی تھی۔ تنویر کا حال اس سے بدتر ہے۔ ماں کی جدائی نے اُسے ادھ مؤا کر دیا ہے، وہ اپنا سارا وقت شائستہ کے پاس صرف کرتی ہے، کبھی ماں کی یاد کر کے رونے لگتی ہے، کبھی

شوق اور اشتیاق کے ساتھ کرید کرید کر، اُن کی باتیں اور داستانیں سُنا کرتی ہے۔ کبھی اُن کی تصویر سے باتیں کرنے لگتی ہے کبھی شائستہ سے اقرار اور تمنّا کے ساتھ پوچھتی ہے۔

"کیا امّاں واپس آئیں گی۔؟"

اور شائستہ آنکھوں میں آنسو بھر کر جواب دیتی ہے۔

"ہاں آئینگی۔!"

پھر وہ جرح کرتی ہے۔

کب آئیں گی؟

شائستہ جواب دیتی ہے۔

"بہت جلد آئیں گی"

وہ کچھ مطمئن سی ہو جاتی ہے، پھر گڑیوں سے، تصویروں سے، ریڈیو سے، گراموفون سے، ممانی کی کتابوں سے دل بہلانے کی کوشش کرنے لگتی ہے۔ انجم کی سوگواری بھی دیکھی نہیں جاتی۔ اس نے بڑے ضبط سے کام لیا۔ لیکن رابعہ خانم قبر میں رکھی گئیں تو اس کے ضبط کا بند ٹوٹ گیا، اور وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ جب سے اب تک چھپ چھپ کر نہ جانے وہ کتنی دفعہ رو چکا ہے۔ شائستہ اور تنویر کے سامنے وہ اپنے غم اور اپنے آنسو ضبط کرنے کی بڑی کوشش کرتا ہے۔ لیکن یہ چوری کبھی کبھی پکڑ بھی لی جاتی ہے۔

رخسانہ نے اگرچہ رابعہ خانم کی یاد میں شوہر کے سامنے، کئی بار آنسو

بہائے۔ لیکن دل کی کیفیت چھپائے نہیں چھپتی، یہ واقعہ ہے کہ اس کا اگر بس چلتا تو خانم کی وفات پر دوگانہ شکر ادا کرتی، وہ فقیروں کو کھانا ـــــ محض ثواب کے لئے نہیں کھلاتی ہے، اس خوشی میں کھلاتی ہیں کہ خانم مر گئیں، راستہ کا سب سے بڑا پتھر ہٹ گیا۔ اب وہ آزاد ہے، خود مختار ہے۔ اپنے شوہر اور اس کے گھر کی مالک ہے۔ اب وہ کسی کی دست نگر نہیں، تابعدار نہیں، نہیں، اب وہ جو چاہے گی کرے گی۔ جس طرح چاہے گی رہے گی، گھر کی کنجی اس کے ہاتھ میں ہو گی۔ ملازموں کو تنخواہ وہ دے گی، نکالنے اور مقرر کرنے کا اختیار اسے ہو گا۔ اس کی یہ قلبی کیفیت چہرے پر نمایاں ہے۔ اور ہر سمجھ دار شخص آسانی سے محسوس کر سکتا ہے، کہ آج کل، اس غم انگیز سانحہ کے باوجود، وہ کتنے اطمینان اور ذہنی سکون کی زندگی بسر کر رہی ہے۔ پہلے وہ انجم کی راحت و آسایش کا کوئی خیال نہیں رکھتی تھی، اس کے کھانے اور ناشتہ سے کوئی سروکار نہ تھا اسے۔ لیکن اب، وہ اس کا خیال رکھنے لگی ہے۔ جب تک وہ نہ آجاتا، کھانا نہیں کھاتی، جب وہ آجاتا ہے تو اسے کھانا کھلاتی ہے، باتیں کرتی ہے۔ اس کا دل بہلانے کی کوشش کرتی ہے، لیکن شائستہ اور تنویر کے ساتھ اس کے طرز عمل میں کوئی فرق نہیں آیا ہے۔ وہ اب بھی شائستہ کو منہ نہیں لگاتی، اس سے بات نہیں کرتی، تنویر کی ایک دن بھی اس نے دل جوئی نہیں کی۔

کبھی اپنے ساتھ سیر و تفریح کو نہیں لے گئی۔ اور تنویر کو خود بھی تو اس سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ بلکہ وہ تو اس کے سایہ سے بھڑکتی ہے۔ بے شک رابعہ خانم کی یاد اُس کے مٹنے سے دل میں محو نہیں ہوئی ہے؛ لیکن شائستہ کا دامن اس کے لئے نشاط و مسرت کا گہوارہ ہے۔ یہاں آکر وہ سب کچھ بھول جاتی ہے۔ شائستہ بھی اُسے دیکھ کر اپنا غم فراموش کر دیتی ہے، اس کا دل بہلانے، اسے ہنسانے اور خوش کرنے میں ہمہ تن متوجہ ہو جاتی ہے، انجم رخسانہ کی توجہ اور التفات خاص کے باوجود کچھ کھویا کھویا سا رہتا ہے۔ شائستہ سے آنکھیں چار کرتا ہوا ڈرتا ہے۔ وہ اُس کی غم انگیز کیفیت دیکھنے کی قدرت نہیں رکھتا اُسے اندیشہ ہے، آمنا سامنا ہونے پر کہیں، دو طوفان مل کر قیامت نہ بن جائیں، تنویر کو وہ بے انتہا چاہتا ہے، لیکن اس سے بھی آنکھیں چرا جاتا ہے۔ وہ طرح طرح سوالات خانم کے بارے میں کرتی ہے، اس کی معصومیت اور بدقسمتی پر اشک و آہ کا ضبط کرنا اس کے لئے ناممکن ہو جاتا ہے گا، پھر وہ یہ بھی دیکھ رہا ہے کہ رخسانہ کے طرزِ عمل میں جہاں تک تنویر کا تعلق ہے کوئی فرق نہیں آیا ہے، اور بہن کے مرتے ہی وہ گھر میں کسی طرح کی ہنگامہ آرائی اور لڑائی جھگڑے سے گریز کرتا ہے۔ شائستہ سے کبھی کبھار کچھ باتیں ہو جاتی ہیں، لیکن رسمی سی، شائستہ اُسے دیکھ کر اپنے آنسو ضبط کرنے کی کوشش کرتی ہے، اور وہ اُسے دیکھ کر آنسو ضبط کرنے کی

کوشش کرتی ہے۔ اور وہ اُسے دیکھ کر اپنے دل کی کیفیت چھپانے کی ناکام کوشش کرنے لگتا ہے۔ دونوں نے اپنی اپنی جگہ پر یہی فیصلہ کر لیا ہے کہ فی الحال ہمیں ایک دوسرے سے الگ ہی رہنا چاہئے ملاقات اور گفت گو سے حتی الامکان گریز کرنا چاہیئے۔

دن گزرتے دیر نہیں لگتی۔ کل تک رابعہ خانم اس گھر کی رُوحِ رواں تھیں آج اُن کا چالیسواں ہو رہا ہے۔ اس دُنیا سے رخصت ہوئے انہیں چالیس دن گزر گئے۔

چالیسویں کے خاتمہ میں جتنے عزیز، رشتہ دار، دوست، احباب تھے، سب شریک ہوئے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے کوئی تقریب ہے۔ جس میں بڑھ چڑھ کر لوگ حصہ لے رہے ہیں۔ لیکن چالیسویں کے بعد گھر کی رونق، پھر افسردگی اور غم سے بدل گئی، وہی گھٹا گھٹا سا ماحول، وہی آہوں اور سسکیوں سے بھری ہوئی فضا، ایک دن رخسانہ نے انجم سے کہا۔

"اب تو چالیسواں ہو گیا آپا کا"

انجم کہیں جا رہا تھا، بیٹھ گیا، ایک آہ سرد کے ساتھ گویا ہوا۔

"ہاں ہو گیا"

رخسانہ: آخر آپ کب تک سوگ مناتے رہیں گے "اُن کا"؟

انجم: زندگی بھر ———— جب تک زندہ ہوں، یہ غم ساتھ نہیں چھوڑے گا۔

رخسانہ : بس ہو بھی چکا غم، لوگوں کے ماں، باپ مرتے ہیں، لیکن وہ اتنا غم نہیں مناتے، آپ تو بہن کے غم میں سوکھے جا رہے ہیں!

انجم : تم نہیں جانتیں رخسانہ، آپا صرف بہن ہی نہیں تھیں، وہ ماں بھی تھیں، باپ بھی، دوست بھی، ساتھی اور شریکِ کار بھی!

رخسانہ : ہاں معلوم ہے۔

انجم : انہیں میں کبھی نہیں بھول سکوں گا، وہ ہمیشہ یاد رہینگی۔

رخسانہ : تو میں کب کہتی ہوں کہ انہیں بھول جایئے، فراموش کر دیں، مگر اس غم میں اپنا جی تو ہلکان نہ کیجئے۔ جی ہے تو جہان ہے۔

انجم : یہ تو ٹھیک کہتی ہو تم لیکن جی ہے کہاں کہ اس کا خیال کروں؟ وہ تو کب کا مر چکا، رخصت ہو چکا۔

رخسانہ : ایسی باتیں نہ کیجئے، آپ تنہا نہیں ہیں، آپ کے ساتھ کسی اور کی زندگی بھی تو وابستہ ہے۔

انجم : تمہاری ——————؟

رخسانہ نے ذرا جھینپتے ہوئے سر جھکا لیا۔ پھر بولی۔

"کیا آپ نہیں جانتے؟"

انجم : جانتا ہوں۔

رخسانہ : پھر اتنے انجان کیوں بن جاتے ہیں آپ؟

انجم : نہیں یہ بات تو نہیں ہے۔

رخسانہ : بہر حال کوئی بات بھی ہو، آپ کو اپنی زندگی بدلنا پڑے گی۔

انجم : وہ کس طرح، کیونکر؟

رخسانہ: ہنسیے، بولیے، آدمی بنیے، زندگی کا ثبوت دیجیے، زندگی کی رونقوں میں حصّہ لیجیے۔

انجم : لیکن میرا دل جو ہر وقت روتا رہتا ہے؟

رخسانہ: میں اُسے ہنسنا سکھا دوں گی۔

انجم : (مسکرا کر) پھر میں حصّہ بھی لینے لگوں گا۔

رخسانہ: آج ہم نے سینما کا پروگرام بنایا ہے۔ ریحانہ آتی ہو گی تھوڑی دیر میں، کوثر اور ثریا کو بھی فون کر دیا ہے۔ وہ بھی آئیں گی، پھر سب یہاں سے چائے پی کر سینما چلیں گے۔ آپ ہمارے قافلہ سالار ہوں گے۔

انجم : نہیں رخسانہ تم جاؤ، میں نہیں جا سکوں گا۔

رخسانہ: آپ تو بھولے سے بھی ——— کی نہیں آتے۔ میری بات نہیں مانتے، آپا کے انتقال کے بعد سے دیکھیے میں نے اپنے آپ کو کتنا بدل لیا ہے۔ نہ لڑتی ہوں، نہ جھگڑتی ہوں، ہر وقت آپ ہی کے سکھ اور خوشی کی باتیں سوچا کرتی ہوں، مگر آپ میرے ایثار کی قدر نہیں کرتے۔ انہی باتوں سے صدمہ ہوتا ہے، اور حرفِ شکایت آ جاتا ہے، زبان تک!

انجم : سچ کہتی ہو رخسانہ، واقعی میں خطاوار ہوں۔

رخسانہ: (مسکرا کر) ایسی جذباتی باتیں کر کے میرا منہ بند کرنے کی کوشش

نہ کیجئے۔

انجم : پھر کیا کروں ؟

رخسانہ : ہمارے ساتھ چلئے، میری سہیلیاں کتنی بدظن ہوں گی، اگر آپ ساتھ نہ گئے۔

انجم : بدظن کیوں ہونگی ؟

رخسانہ : سوچیں گی نہیں ان کے شوہر الگ کیوں رہتے ہیں۔ ؟

انجم : نہیں مانتی ہو تو چلا چلوں گا۔

رخسانہ : (بے انتہا مسرور ہو کر) شکریہ !

انجم : لیکن یہ تو بتاؤ، شائستہ اور تنویر سے بھی کہہ دیا ہے۔ ؟

رخسانہ : ان سے کیا کہتی۔ ؟

انجم : سینما چلنے کے لئے ؟

رخسانہ : (تیور چڑھا کر) اُن سے کیوں کہتی۔ ؟

انجم : اُن کے غم کا بوجھ بھی ہلکا ہو جاتا۔

رخسانہ : نہیں، میں نے نہیں کہا ہے، نہ اُن کے ساتھ جا سکتی ہوں، ایسا ہی ہے تو کسی دن ان کے ساتھ چلے جائینگے یہ لوگ۔

انجم : واقعی تم میں اب خاصی تبدیلی میں دیکھ رہا ہوں، اور اس سے مجھے خوشی بھی ہے، لیکن رحم اور مروّت کا چلن بھی سیکھ لو، یہ بھی بڑی اچھی اور ضروری چیز ہے۔

رخسانہ : آپ کو تو یہ فن آتا ہے، بس اتنا کافی ہے۔

انجم : مجھے اُن لوگوں کو چھوڑ کر جاتے ہوئے بُرا معلوم ہوتا ہے۔

رخسانہ : بُرا کیوں معلوم ہوتا ہے؟ میں تو آپ کی بیوی ہوں، لیکن شائستہ آپ کی کون ہے؟ مجھے حق ہے کہ آپ سے اقرار کروں، میرے ساتھ چلئے، لیکن آپ کس حق سے میرے ساتھ اُسے نتھی کر رہے ہیں۔؟

انجم : لیکن تنویر؟

رخسانہ : وہ ابھی بچی ہے۔ اس کا وہاں جی نہیں لگے گا۔ خود بھی بور ہوگی ہمیں بھی بور کرے گی ——— کہہ تو رہی ہوں مغلانی سے کہہ دیجئے، وہ دکھلائیں گی، تنویر اور شائستہ کو کوئی کھیل!

اتنے میں دروازہ کھلا اور کئی خوب صورت سی تتلیاں، ہنستی، قہقہے لگاتیں اندر گھس آئیں، یہ تھیں ریحانہ، کوثر اور ثریا!

---

(۴۳)

روٹھی رانی

انجم، جانا نہیں چاہتا، لیکن گیا، وہ بہن کی وصیت پر عمل کرنا چاہتا تھا۔ یہی وجہ تھی، کہ رخسانہ سے زیادہ وہ خود بدل گیا تھا۔ پہلے ذرا ذراسی بات پر اس کی تیوری چڑھ جاتی تھی، اب اشتعال انگیز باتوں پر بھی خاموشی اختیار کر لیتا تھا، اپنا غصہ وہ رخسانہ پر نہیں خود اپنے آپ پر اُتارتا تھا۔ رخسانہ کے انکار سے اُسے بہت غصہ آیا، لیکن پی گیا، پھر کوثر، ثریا اور ریحانہ آگئیں۔ اُن کے سامنے کچھ مزید بحث مناسب نہ تھی، ان لڑکیوں نے رخسانہ سے تعلق اور دوستی کی بناء پر، انجم سے کچھ بھی تکلف نہیں برتا۔ ہنسی اور کھلکھلاتی رہیں۔ کوثر نے تو دو، ایک فقرے بھی سر کئے۔ لیکن انجم نے کوئی جواب نہیں دیا۔

سنیما سے کوئی دس بجے رات کو واپسی ہوئی، میاں، بیوی نے

ساتھ ساتھ کھانا کھایا۔ رخسانہ ہنس ہنس کر انجم سے باتیں کرتی، اور اُسے خوش کرنے کی کوشش کرتی رہی۔ کہنے لگی۔

"سچ کہیئے گا فلم کیسی ہے؟"

انجم عالم خیال سے چونک پڑا۔

ایں ——— ؟ ہاں اچھی تھی، بہت اچھی!

رخسانہ : کس کا کام آپ کو زیادہ پسند آیا۔؟

انجم : کسی کا نہیں۔

رخسانہ : اور گانا؟

انجم : وہ بھی مہمل تھا۔

رخسانہ : پھر کیا چیز پسند آئی آپ کو؟

انجم : کہانی ——— واقعی بہت عمدہ تھی، اگر کوئی عمدہ ڈائرکٹر ہوتا تو آسمان پر پہنچا دیتا اسٹوری کو،

رخسانہ : (مسکراتے ہوئے) آپ تو ہر وقت زمین پر بیٹھ کر آسمان کی باتیں کیا کرتے ہو،

انجم : (زیر لب تبسم کے ساتھ) یعنی اپنا اپنا مزاج اور مذاق ہے۔

رخسانہ : گویا آپ مجھے پست مذاق اور بد مزاج سمجھتے ہیں۔؟

انجم : نہیں ——— یہ خیال کیوں آیا تمہارے دل میں۔؟

رخسانہ : (مسکرا کر) یونہی آگیا تھا، لیکن میں نے نکال دیا اُسے دھکے

دے کر۔

انجم : شکریہ!

اتنے میں سکینہ برتن اٹھانے آگئی، انجم نے اس سے پوچھا۔

"تنویر نے کھانا کھایا یا نہیں؟

وہ بولی۔

آج تو نہیں کھایا بٹیا نے،

انجم پریشان ہو گیا۔

"کیوں؟ کیوں نہیں کھایا؟

سکینہ نے جواب دیا۔

"مچلی ہوئی تھیں کسی بات پر، چھوٹی بیگم (شائستہ) نے لاکھ لاکھ خوشامد کی، پیار کیا، مگر وہ تو جب ضد یا جائیں، کسی کی سنتی نہیں؟

انجم : لیکن بات کیا تھی۔؟

سکینہ : میں کیا جانوں میاں؟

انجم : کیا سو گئی وہ؟

سکینہ : میاں کی بھی باتیں، گیارہ بج رہے ہیں، اب تک کیسے جاگتی ہوں گی؟ ــــــــ کب کی سو گئیں۔

سکینہ چلی گئی، رخسانہ نے کہا۔

"اب ایک نئی فکر مول لے لی آپ نے" تنویر نے کھانا کیوں نہیں کھایا؟ وہ سوئی یا نہیں؟ اس طرح تو آپ اپنی صحت خراب

کئے لے رہے ہیں۔!

انجم نے جواب دیا۔

"کیا کروں رخسانہ؟ میں تنویر کی بے کلی نہیں دیکھ سکتا۔

رخسانہ: میں جانتی ہوں، لیکن بچوں پر محبت ظاہر نہیں کرنی چاہیئے، پھر وہ شوخ اور گستاخ ہو جاتے ہیں۔

تھوڑی دیر تک اس طرح کی باتیں ہوتی رہیں، پھر دونوں اپنے اپنے بستر پر سو گئے جا کر، رخسانہ تو واقعی سو گئی، لیکن انجم بڑی دیر تک کروٹیں بدلتا رہا، اس کی آنکھوں سے نیند غائب تھی۔

صبح ناشتہ کے بعد انجم شائستہ کے کمرے کی طرف گیا۔ کان میں شائستہ کے گانے کی آواز آئی۔ دروازے کے پاس ٹھٹک کر کھڑا ہو گیا، وہ آہستہ آہستہ کوئی فلمی گیت گا رہی تھی اور تنویر بڑی توجہ اور دلچسپی سے سن رہی تھی، جب گیت ختم کر چکی، تو اس سے پوچھا۔

"پسند آیا؟"

اُس نے مسکراتے ہوئے اقرار میں گردن ہلا دی۔

شائستہ: "اب تو خفا نہیں ہو؟"

تنویر: (مسکراتے ہوئے) نہیں ———— آپ سے تو میں خفا بھی نہیں تھی، میں تو ماموں سے خفا تھی، وہ مجھے اپنے ساتھ سینما کیوں نہیں لے گئے۔؟

شائستہ : ہمارا سینما دیکھ کر بھی نہیں؟

تنویر : آپ نے سینما کہاں دکھایا۔ خالی گانا سُنایا۔

شائستہ : واہ بھائی واہ، سینما میں گانے کے سوا اور ہوتا کیا ہے ؟

تنویر : گانا ہوتا ہے، ناچ ہوتا ہے، تصویریں باتیں کرتی ہیں۔

شائستہ : اچھا کسی دن سینما بھی دکھا دینگے۔

تنویر : آپ کے ساتھ جاؤں گی ؟

شائستہ : ہاں ہاں، میرے ساتھ چلنا، اکیلے جانے کو کب کہتی ہوں۔

تنویر : ماموں کو اپنے ساتھ نہ لے چلیئے گا۔

شائستہ : (ہنستے ہوئے) بڑی کمینہ تو نہ ہو، اتنیک معاف نہیں کیا بیچارے کو،

تنویر : نہیں، نہیں، نہیں۔

شائستہ : اچھا بھائی تمہیں لے چلیں گے، تمہارے ماموں جان کو نہیں، بس؟ —————— لیکن اگر اُنہوں نے ضد کی، تو کیا کروگی ؟

تنویر : تب بھی نہیں لے جاؤں گی۔

شائستہ : اگر وہ رونے لگے تو ؟

تنویر : بڑے آدمی بھی کہیں روتے ہیں ؟

شائستہ : ہاں کبھی کبھی رونے لگتے ہیں۔

تنویر : اگر رونے لگیں، تو لے چلیئے گا، لیکن کہہ دیجئے گا، مجھ سے بات نہ کریں۔

یکا یک دروازہ کھلا، اور انجم سامنے آ کر کھڑا ہو گیا اور گویا ہوا۔

"میں نے سکینہ سے سُنا ہے رات سے ہماری تنویر خانم ہنگر اسٹرائک کئے ہوئے ہیں، کیوں شائستہ؟

شائستہ: وہ آپ سے بہت خفا ہے۔ اس سے بات نہ کیجئے۔

انجم: (تنویر سے) کیوں بھئی خفا ہو ہم سے؟

تنویر نے کوئی جواب نہیں دیا، انجم نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف کھینچا۔ لیکن اس نے جھٹک دیا۔ انجم نے کہا۔

"سنو تو تنویر، کیوں خفا ہو ہم سے؟

وہ بولی۔

آپا سے پوچھ لیجئے، مجھ سے بات نہ کیجئے۔

شائستہ نے ساری رام کہانی سُنا دی۔

انجم نے کہا۔

"اچھا غلطی ہوئی معاف کر دو، اب کبھی ایسا جرم سرزد نہیں ہوگا"

یہ کہہ کر انجم نے اُسے گود میں لے لیا، خوب پیار کیا اور پوچھا۔

"خوش ہو گئیں تم؟"

وہ مسکرانے لگی۔

انجم نے گدگدایا۔

بتاؤ، ——————

وہ ہنسنے لگی۔

انجم نے پھر گدگدانے کے لیئے ہاتھ بڑھایا، وہ بولی۔

"خوش ہو گئی۔!"

انجم اُسے گود میں لے کر ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ شائستہ نے کہا۔

"بچّہ ہے بھُول گئی، لیکن اسے صدمہ بہت ہؤا تھا، آپ سے کتنی مانوس ہے، آپ پر کتنا غزور اور دعوے ہے، اِسے آپ جانتے ہیں، پھر بھئی، اسے لئے بغیر کیسے چلے گئے۔؟"

انجم نے ندامت آمیز لہجہ میں کہا۔

"کیا کہوں شائستہ، خدا آپا کو غریق رحمت کرے اور تمہیں خوش رکھے، تم دونوں نے میرے پاؤں ہیں جو زنجیر ڈال دی ہے، اُسے کیونکر توڑ دوں؟

زنجیر سے انجم کا کیا مطلب ہے؟ شائستہ سمجھ گئی، اس نے تیوری چڑھا کر کہا۔

"ایسی بات نہ کہا کیجیے۔"

انجم نے بڑی بے بسی اور بے کسی کے ساتھ پوچھا۔

"پھر کیا کروں؟

؎ نہ تڑپنے کی اجازت ہے نہ فریاد کی ہے۔
گھٹ کے مر جاؤں یہ مرضی مرے صیاد کی ہے

آخر تم چاہتی کیا ہو؟ کب تک ضبط سے کام لوں۔؟

شائستہ: زندگی بھر، ———— شریف لوگ اپنے وعدہ کو

نبھاہتے ہیں، آپ آپا سے وعدہ کر چکے ہیں! اُن کی وصیّت کی تعمیل آپ کا فرض ہے!

انجم: (باہر جاتے ہوئے) اور کچھ؟

شائستہ: بس اور کچھ نہیں؟

انجم: میں چاہتا ہوں، تم فرائض کی ایک فہرست بنا کر میرے حوالہ کر دو، تاکہ مجھ سے کبھی غلطی نہ ہو، آنکھ بند کر کے اس پر عمل کرتا رہوں،

شائستہ: طعن و تشنیع سے کام نہ لیجیے، بات سمجھنے کی کوشش کیجیے،

اتنے میں سکینہ آئی اور اس نے کہا۔

"میاں باہر مختار صاحب آپ کو بلا رہے ہیں، کئی دفعہ پوچھ چکے ہیں۔!

انجم نے اُٹھتے ہوئے کہا۔

"چلو میں آیا۔!

(۴۴)

نیا حکم

انجم باہر پہنچا تو منشی ثابت علی اس کے انتظار میں چشم براہ بیٹھے تھے۔ منشی صاحب، رابعہ خانم اور کے مختار عالم تھے، ہر قسم کی تحصیل وصولی انہی کے ذمہ تھی، پھر جب رابعہ خانم نے اپنے حقوق و اختیارات شائستہ کو سونپے تو اس کی پیشی سے منسلک ہو گئے، انجم سے انہیں بھی واسطہ نہ رہا تھا۔ آج کی طلبی نے خود بخود انجم کے دل میں یہ خیال پیدا کیا، کیا بات ہے۔ کیوں بلایا ہے۔؟ انجم کو دیکھتے ہی مختار صاحب سرو قد تعظیم کے لئے کھڑے ہو گئے۔ یہ بھی نئی بات تھی، اب سے پہلے تک تو وہ انجم سے کسی طرح کی رسم و راہ ہی نہیں رکھتے تھے، انجم کرسی پر بیٹھ گیا، لیکن مختار صاحب قطب مینار کی طرح کھڑے رہے، انجم نے کہا۔

"کھڑے کیوں ہیں؟ بیٹھئے، تشریف رکھیئے۔!"

مختار صاحب نہایت ادب سے آنکھیں نیچی کر کے بیٹھ گئے۔

انجم : کہئے کیوں یاد فرمایا تھا آپ نے اس خاکسار کو۔؟

مختار صاحب : بھیا کی یہی باتیں، میں آپ کو یاد کراؤں گا، میری تو ساتٹ پشتیں اس گھر کی غلامی کرتی آئی ہیں۔

انجم : اچھا، اپنے الفاظ واپس لیتا ہوں، بتائیے کیا بات ہے؟

مختار صاحب نے سو سو روپے کے نوٹوں کے کئی بڑے بڑے اور موٹے موٹے بنڈل انجم کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"یہ حاضر ہیں؟"

انجم : یہ کیسا روپیہ ہے؟

مختار صاحب : زمینداری سے وصول کر کے لایا ہوں۔

انجم : تو پھر مجھے کیوں دے رہے ہیں آپ؟

مختار صاحب : مالک و مختار آپ ٹھہرے، پھر اور کسے دوں۔؟

انجم : اب تک کسے دیا کرتے تھے؟

مختار صاحب : چھوٹی بیگم (شائستہ) کو،

انجم : پھر اُن کے بجائے مجھے کیوں دے رہے ہیں۔؟

مختار صاحب : بہو بیگم (رخسانہ) کا حکم کیا تھا، کہ چالیسویں کے بعد بلڈنگوں کے کرایہ کی، اور زمینداری کی جتنی رقم وصول ہو، وہ اب چھوٹی بیگم کو نہ دی جائے، آپ کو دی جائے، یا گھر میں اُن کے پاس بھیج دی جائے۔

انجم : (برہم ہو کر) یہ آپ سے کس نے کہا تھا۔؟ کیا خود چھوٹی بیگم نے؟

مختار صاحب : توبہ توبہ گردن کاٹ لیجئے، مگر کیا مجال جو جھوٹ بول جاؤں۔

انجم : کیا آپ کا دماغ چل گیا ہے یا سٹھیا گئے ہیں آپ؟

مختار صاحب : نہیں یہ بات تو نہیں ہے۔

انجم : پھر کیا بات ہے؟

مختار صاحب : میں تو حکم کا بندہ ہوں، جو حکم ملے گا، اس کی تعمیل کر دوں گا۔

انجم : لیکن اپنے آقا بدلنے ہیں کہاں حاصل ہے آپ کو، کل تک چھوٹی بیگم سب کچھ تھیں، اب بہو بیگم کے سامنے سجدہ میں سر جھکا دیا۔

مختار صاحب : "حکم ——————"

انجم : (بگڑ کر غصہ میں اُٹھتے ہوئے) حکم وکم کوئی چیز نہیں ہے کسی قاعدہ میں، اصول میں تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ جو کچھ ہمیشہ سے ہوتا آیا ہے وہی اب بھی ہوگا۔

مختار صاحب : تو پھر یہ رقم ——————"

انجم : اگر آپ نے فوراً یہ رقم نہ اُٹھائی تو ٹھوکر مار کر آپ کے نوٹوں کا یہ بنڈل بکھیر دوں گا، کوئی کم ہوا یا گم ہوا، تو یاد رکھیئے، چھوٹی بیگم ویسی بڑی سیدھی اور رحمدل ہیں، لیکن حساب کتاب کے معاملہ میں کسی کی رو رعایت نہیں کرتیں۔!

مختار صاحب نے گڑگڑاتے ہوئے کہا۔

"جی ہاں، یہ تو میں چاہتا ہوں حساب کتاب میں بڑے سخت ہیں وہ! ——— لیکن بڑے اصولی ہیں، ایک دفعہ حساب میں ڈیڑھ سو روپیہ کم پڑے، لاکھ لاکھ میں نے سوچا۔ مگر خرچ یاد نہ آیا، فوراً میری تنخواہ سے کاٹ لئے، دوسرے دن اپنے پاس سے یہ رقم دے دی، تیسرے دن مجھے خرچ یاد آگیا، میں نے بتایا تو مسکرائیں، اور کہا۔

"وہ روپے آپ کے ہو گئے۔ واپس نہ کیجئے۔!"

یہ کہہ کر وہ مسکرانے لگے، لیکن انجم داد دیئے بغیر کمرہ سے نکلا اور کہیں باہر چلا گیا۔؛

---

(۴۵)

خاموش!

انجم کے جانے کے بعد منشی جی نے نوٹ سنبھالے، حساب کتاب درست کیا، رجسٹر بغل میں دبایا، اور شائستہ کے کمرہ میں پہنچے، اُسے حساب سمجھایا، روپے حوالے کئے، اور کندھے ہلاتے ہوئے اپنے نشیمن کی طرف چلے۔ راستہ میں رخسانہ مل گئی اس نے پوچھا۔

"کہاں گئے تھے آپ؟ ادھر آئیے۔"

مختار صاحب سٹ پٹا گئے اور ایک معمول کی طرح مجرم بنے ہوئے سامنے آکر کھڑے ہو گئے۔ رخسانہ نے تیور چڑھا کر کہا۔

"میں نے آپ سے کچھ پوچھا تھا۔"

مختار صاحب: جی ——— ذرا چھوٹی بیگم کے کمرہ تک گیا تھا۔:

رخسانہ: (جل کر) چھوٹی بیگم ——— کیوں گئے تھے آپ وہاں؟

کیا انہیں بڑی بیگم بنانے کا منصوبہ بن رہا ہے۔؟
مختار صاحب کے کاٹو تو لہو نہیں بدن میں گڑبڑا کر عرض پیرا ہوئے۔

"استغفر اللہ" ——————

رخسانہ: ان باتوں سے کام نہیں چلے گا۔ سوال کا جواب دیجئے۔ کیوں گئے تھے وہاں۔؟

مختار صاحب: حساب دینے۔

رخسانہ: بلڈنگوں کا کرایہ ملا؟ زمینداری کی رقم وصول ہوئی۔؟

مختار صاحب: بے شک ——— بھلا مجھے بھی کوئی ٹال بالے بتا سکتا ہے؟ سر پر چڑھ کر وصول کی ہے میں نے یہ رقم۔

رخسانہ: کتنی رقم وصول کی آپ نے؟

مختار صاحب: ۲۲ ہزار وصول کر چکا ہوں، اس سے کچھ زیادہ ہی چند دن میں اور وصول ہو جائے گی،

رخسانہ: اچھی بات، لائیے وہ رقم مجھے دے دیجئے،

مختار صاحب: (حواس باختہ ہو کر) وہ رقم آپ کو دوں؟

رخسانہ: ہاں، ————— میں نے کہا نہیں تھا آپ سے۔

مختار صاحب: جی کہا تو تھا، بے شک کہا تھا۔

رخسانہ: پھر کہاں ہے وہ رقم؟ ————— کیا ریس میں ہار آئے؟ جوا کھیل ڈالا؟ گر پڑی؟ چوری ہو گئی، یہ گھبراہٹ کیوں ہے؟

مختار صاحب : بیٹی میں نے ریس کا صرف نام سنا ہے۔ دیکھی کبھی نہیں، قسم لے لو مجھ سے، ہاں خدا غریق رحمت کرے، والد مرحوم کو بڑا شوق تھا۔ :

رخسانہ : ادھر ادھر کی باتیں مت کیجئے، میں آپ سے رقم مانگ رہی ہوں، آپ ٹال رہے ہیں،

مختار صاحب : لیکن بیٹا وہ رقم تو میں چھوٹی بیگم کو دے آیا ؟

رخسانہ : میری ممانعت کے باوجود ؟

مختار صاحب : کیا کرتا پھر؟ انجم میاں کا حکم بھی تو ٹالا نہیں جا سکتا۔

رخسانہ : انہوں نے کیا حکم دیا تھا آپ کو ؟

مختار صاحب : میں تو ساری رقم لے کر آپ کے پاس آ رہا تھا، بیچ میں وہ ٹپک پڑے، پھر اپنے آگے سنتے کس کی ہیں، بہت بگڑے۔ بہت خفا ہوئے بہت ڈانٹا، جھنجھلا ئے اور فوراً مجھے کہہ دیا جاؤ، ساری رقم چھوٹی بیگم کو دے کر آؤ، میں ٹھہرا حکم کا بندہ، پھر آخر کیا کرتا ؟

رخسانہ : اچھا تو یہ بات ہے ۔؟ یہ گل کھل رہے ہیں ؟

مختار صاحب : جی اور کیا ۔ ورنہ میں بھلا حکم عدولی کر سکتا تھا ؟ میری نظر میں آپ کا حکم خدا کا قلم ہے، آپ ٹھہریں، اصل مالک، چھوٹی بیگم سے ہمارا کیا ناتا، ؟ ——— مانو تو بت، نہیں تو پتھر۔

رخسانہ : گویا اس گھر میں بدستور چھوٹی بیگم کا سکہ چلتا رہے گا ؟

مختار صاحب : معلوم تو ایسا ہی ہوتا ہے ——— لیکن کہوں گا ایمان

کی، یہ بات ہے بہت بری، ابھی تو لوگوں کی نگاہیں اُٹھ رہی ہیں، پھر انگلیاں اُٹھیں گی"۔ —— لیکن میں ٹھہرا غلام، مجال ہے کچھ بول سکوں، نوکری بھی جائے اور عزت بھی۔

رخسانہ: (زیرِ لب) "ابھی تو لوگوں کی نگاہیں اُٹھ رہی ہیں، پھر انگلیاں اُٹھیں گی"۔

مختار صاحب: ہاں بیٹی، کچھ جھوٹ کہتا ہوں؟

رخسانہ: نظریں کس پر اٹھ رہی ہیں؟ انگلیاں کس پر اُٹھیں گی؟

مختار صاحب: (پریشان ہو کر مصنوعی تبسم سے) بٹیا کی باتیں، تم پر جو نظر اُٹھائے اس کی آنکھیں پھوڑ دوں، جو انگلیاں اُٹھائے اس کی انگلیاں، اپنے قلم تراش چاقو سے کاٹ دوں گا۔ میرا نام ثابت علی ہے ثابت علی۔!

رخسانہ: (غصہ سے) بکواس بند کیجئے۔

مختار صاحب: میں تو چپ چاپ کھڑا ہوں بیٹی!

رخسانہ: میں یہ باتیں نہیں برداشت کر سکتی کسی طرح،

مختار صاحب: کوئی بھی نہیں برداشت کر سکتی ایسی باتیں۔

رخسانہ: یہ صورتِ حال ختم ہونی چاہیے جلد از جلد،

مختار صاحب: یہی تو میں بھی چاہتا ہوں لیکن بیٹی کیا کیا جائے؟ اپنا سونا کھوٹا تو پرکھنے والے کا کیا دوش، انجم میاں جب تک دھر مائل ہیں کیا کیا جا سکتا ہے!

رخسانہ: (برہمی کے ساتھ) انجم میاں کو اپنی روش بدلنا پڑے گی۔

مختار صاحب: ورنہ جج صاحب وہ مزا چکھائیں گے کہ یاد کریں گے عمر بھر، ایک دفعہ تو بھگت ہی چکے ہیں چھ مہینہ کی قید، !

رخسانہ: (بگڑ کر) خاموش، —— چلے جایئے آپ یہاں سے فوراً!

(۴۶)

بُرے پھنسے!

مختار صاحب، جیسے ہی رخسانہ کے کمرہ سے نکل کر اپنے کمرہ میں پہنچے، تو دروازہ پر سراپا مجسم ان کے استقبال کے لئے کھڑا تھا، انجم کو دیکھ کر ان کے ہاتھ پاؤں کانپنے لگے، آئے گئے حواس غائب ہوگئے، جی رونے کا چاہ رہا تھا، لیکن مسکرانے پر مجبور تھے، انجم نے پوچھا،

"کہاں سے آ رہی ہے سواری حضور کی؟"

"انہوں نے بےبسی کے ساتھ رخسانہ کمرہ کی طرف انگلی اٹھا دی،

انجم نے پھر سوال کیا،

"کیا آپ رخسانہ کے پاس گئے تھے؟

انکار کیسے کرتے؟

"جی ہاں، انہوں نے بلایا تھا مجھے!"

انجم نے بڑی سنجیدگی سے پوچھا،

"کیا باتیں ہوئیں ؟"

مختار صاحب اور زیادہ گھبرا گئے ،

"جی کچھ نہیں ، میرا مطلب یہ ہے کوئی خاص بات تو نہیں ہوئی ،

انجم :- انہوں نے پوچھا ہوگا ، موسم کیسا ہے ؟ آپ نے جواب دیا ہوگا - آج گھن گرج کے ساتھ بارش کا امکان ہے !"

مختار صاحب :- نہیں تو ——————

انجم :- (تحکم کے انداز میں) آپ کو بتانا پڑے گا ، وہاں کیوں گئے تھے ؟ رخسانہ نے کیوں بلایا تھا آپ کو ؟ آپ دونوں کے مابین کیا باتیں ہوئیں ! ؟

مختار صاحب :- اب میں کیا کہوں ؟

انجم :- وہ سب کچھ جو معلوم ہے آپ کو ،

مختار صاحب :- عورت ذات ہیں ——————

انجم :- یہ تو آپ نے کوئی نئی بات نہیں کہی ، کسی کا بھی یہ خیال نہیں ہے ، کہ وہ مرد ہیں ،

مختار صاحب نے ہنسی روکنے کے لئے ہونٹ دانتوں تلے داب لئے ،

انجم :- بتایئے —————— کیا گل کھلا کر آئے ہیں آپ ؟

مختار صاحب : ہیں ؟ —————— بیٹے ، مجھے تم کیا سمجھتے ہو ؟

انجم : جو کچھ آپ ہیں ، اس کے علاوہ کچھ نہیں ،

مختار صاحب :- واہ ری قسمت ، جو ہے وہ بدگمان ، جو ہے وہ مخالف ، مغلانی سیدھے منہ بات نہیں کرتیں ، سکینہ ہمیشہ منہ پھلا کر بات کریگی ، باؤں

کی جُوتی اور یہ ہمت، چھوٹی بیگم ہمیشہ اس طرح حساب لیں گی، جیسا میرا موروثی پیشہ چوری اور ڈکیتی ہے، بہو بیگم، اس طرح بات کریں گی، جیسے سات پشتوں سے غلام چلا آ رہا ہوں، آپ ہیں کہ ہمیشہ مشکوک نظروں سے دیکھتے ہیں، خدا بخشے جب سے بڑی بیگم (رابعہ خانم) اس دُنیا سے سدھاری ہیں، ہر کوئی مجھے ذلیل کر رہا ہے!

انجم:- ان باتوں سے کام نہیں چلے گا،

مختار صاحب:- پھر آخر اور کیا کہوں؟

انجم:- بتائیے، رخسانہ سے کیا باتیں ہوئیں؟ وہاں آپ کیوں گئے تھے؟

مختار صاحب:- مجھے کیا پڑی ہے کہ جھوٹ بولوں، میں تو ایک ایک بات بتا دوں گا،

انجم:- وہی تو پوچھ رہا ہوں بتائیے،

مختار صاحب:- انہوں نے بلایا میں گیا،

انجم:- پھر کیا ہوا؟ کیا باتیں ہوئیں؟

مختار صاحب:- بہت بگڑیں، بہت خفا ہوئیں، تم نے شائستہ کو روپے کیوں دیئے؟ میں نے کہا، حکم کا بندہ ہوں، کہنے لگیں، ہمارا حکم بڑا اس ہے؟ میں نے کہا آپ بھی مالک ہیں، کہنے لگیں، مجھے تو کچھ دال میں کالا نظر آتا ہے، آج نظریں اُٹھ رہی ہیں، کل اُنگلیاں اُٹھیں گی، میں یہ باتیں برداشت نہیں کر سکتی، تم بوڑھے ہو گئے، لیکن دلالی کرتے شرم نہیں آتی؟ یہ سفید داڑھی، اور یہ حرکتیں، تُف ہے تم پر، تُف اس

زور سے کہا کہ بان کی پیک ٹپک پڑی ان کے منہ سے اگر میں دور نہ ہٹ جاؤں تو سرخ رو ہو گیا تھا،

انجم:- ان باتوں میں مبالغہ کتنا ہے؛ اور حقیقت کتنی؛

مختار صاحب:- مبالغہ؛ ———— میں مبالغہ سے کام لوں گا؛

انجم:- تو آئیے چلئے میرے ساتھ، رخسانہ کے سامنے یہ ساری باتیں دوہرانا پڑیں گی آپ کو، میں قضیۂ زمین بر سر زمین کا قائل ہوں، ابھی فیصلہ ہونا چاہیئے، ان باتوں کا ———— آپ سوچ کیا رہے ہیں آپ؛

مختار صاحب:- چلئے ———— لیکن ذرا کفن کا بندوبست تو کر لوں؛

انجم:- کیوں کفن کی کیا ضرورت پیش آ گئی ہے آپ کو؛

مختار صاحب:- وہاں سے زندہ تو نہیں واپس آسکوں گا،

انجم:- کیا وہ پستول لئے بیٹھی ہیں؛

مختار صاحب:- حضور پستول آپ نکالیئے، اور میرا یہیں خاتمہ کر دیجئے، مگر میں وہاں نہیں جانے کا، چاہے کچھ ہو جائے،

انجم:- آپ میرا حکم نہیں مانیں گے،

مختار صاحب:- اپنی گردن کاٹ کر پھینک دوں گا، آپ کے ایک اشارہ پر مگر ——

انجم:- مگر رخسانہ کا سامنا نہیں کریں گے،

مختار صاحب:- جو سمجھ لیجئے ———— اچھا یہی سمجھ لیجئے، میں نے جھوٹ کہا تھا، بہو بیگم نے نہیں میں نے کہا تھا، اب ناک میں آ کھڑ رہا ہیں، پھر انگلیاں اٹھیں گی، چلئے اب تو جھگڑا ختم ہوا، بس خدا کیلئے معاف کر دو بیٹے مجھے! کچھ تو سفید داڑھی کی لاج رکھو!

انجم نے کوئی جواب نہیں دیا، خاموشی سے گھر کے اندر چلا گیا،!

(۴۷)

خیرات؟

انجم غصّہ میں بھرا ہوا، رخسانہ کے کمرہ میں پہنچا، وہ بھی منہ پھلائے بیٹھی تھی، گویا زبانِ حال سے کہہ رہی تھی،

چھیڑ نا مت کہ بھرے بیٹھے ہیں،!

لیکن، انجم خود بھی تو بھرا ہوا پہنچا تھا، آتے ہی اُس نے طنز و تعریض کے لہجہ میں کہا،

"سنا ہے آج مختار صاحب سے خوب گھُل مل کر باتیں ہوئیں؟

رخسانہ نے بھی اس لب و لہجہ میں جواب دیا۔

"جی ہاں ان کی باتوں نے تو میری آنکھیں اور وہ عقدے کھولے ہیں آج انہوں نے آپ کی شخصیت اور سیرت کے متعلق کہ میں تو دنگ رہ گئی،!

انجم:۔ میری سیرت اور شخصیت کے بارے میں کسی کو لب کشائی کا حق نہیں؛

رخسانہ:۔ مانتی ہوں کسی کو آپ پر نکتہ چینی یا انگشت نمائی کا حق نہیں، لیکن مجھے

تو ہے ؟

انجم :- نہیں کیوں ہے ؟

رخسانہ :- اس لئے کہ میں آپ کی رفیقہ حیات ہوں، آپ کا بننا میرا بننا اور آپ کا بگڑنا میرا بگڑنا ہے، میری زندگی آپ سے وابستہ ہے، اور آپ کی میرے دامن سے، ہم دونوں ایک دوسرے سے کتنے ہی لڑیں، جھگڑیں، لیکن ایک ہیں اور ایک رہیں گے، بقول مختار صاحب کے، پاؤں کی جوتی کو یہ مجال کہ میرے مقابلہ میں آئے، ؟

انجم :- پاؤں کی جوتی کِسے کہہ رہے تھے مختار صاحب ؟

رخسانہ :- جو ہے ــــــــــ کیا آپ نہیں جانتے اسے ؟ اتنا معصوم تو میں نہیں سمجھتی آپ کو، غضب خدا کا، ــــــــ جانے نہ جانے گل ہی باغ تو سارا جانے ہے، !"

انجم :- یہ بیہودہ باتیں ہیں،

رخسانہ :- لیکن بدقسمتی سے یہی بیہودہ باتیں میرے لئے زندگی اور موت کا مسئلہ ہیں،

انجم :- آج نہ جانے تمہیں کیا ہو گیا ہے ؟

رخسانہ :- اور تو کچھ نہیں ہوا ہے، ذرا زبان کھل گئی ہے میری، ــــــــــ اب تک میں خاموش تھی، لیکن جب اپنے دل کے خطرات دوسروں کی زبان سے سُن لئے تو پھر چُپ کیوں رہوں ؟

انجم :- کون ہیں وہ دوسرے لوگ ؟

رخسانہ :- مختار صاحب کو میں بے وقوف آدمی سمجھتی تھی، لیکن آج میں نے

مان لیا، بڑے تیز نظر آدمی ہیں،

انجم:- کیا کیا انہوں نے؟

رخسانہ:- کتنی نفسیاتی اور فلسفیانہ بات کہی ہے، آج نظریں اُٹھ رہی ہیں کل انگلیاں اُٹھیں گی،!"

انجم:- وہ سٹھیا گیا ہے، بڈھا کھوسٹ،

رخسانہ:- لیکن دیوانے بھی کبھی کبھی پتہ کی بات کہہ جاتے ہیں ——— ویسے میں نے آپ کی عزت اور وقار کا اتنا پاس رکھا کہ اُنہیں منہ نہیں لگایا، ان کی باتیں توجہ سے نہیں سنیں، انہیں کھڑے کھڑے اس کمرہ سے نکال دیا، لیکن اب سوچتی ہوں تو محسوس کرتی ہوں، اُنہوں نے کچھ غلط تو نہیں کہا،

انجم:- وہ منافق ہے، فریبی ہے، دغاباز ہے، وہ اس گھر میں تفرقہ پیدا کرنا چاہتا ہے،

رخسانہ:- سچ ہوگا یہ سب کچھ، لیکن سوال یہ ہے کہ ہم اس کے آلۂ کار کیوں بنیں؟ میرا مطلب یہ ہے کہ کیوں ایسی باتیں کریں، جن سے اُسے کھل کھیلنے کا موقع ملے؟

انجم:- میں ابھی نکال دوں گا اسے؛

رخسانہ:- یہ تو بہت بُرا کریں گے آپ، اب تک جو بات صرف اس کی زبان پر ہے، پھر وہ زبانِ خلق اور نقارۂ خدا بن جائے گی،

انجم:- میں دُنیا کی اور دُنیا والوں کی پروا نہیں کرتا،

رخسانہ:- ہر اچھے آدمی میں اتنی ہمت ہونی چاہیئے تو وہ خلق اور زبانِ خلق سے بے نیاز ہونے کا حوصلہ رکھتا ہو، لیکن کسی اچھی بات کے لئے، بُری بات کے لئے نہیں،

انجم:- میں نے کوئی بُری بات نہیں کی،

رخسانہ:- یہ نہ کہیئے،

انجم:- کیا جھوٹ کہہ رہا ہوں ؟

رخسانہ:- سچ بھی نہیں ہے،

انجم:- کیا بات دیکھی تم نے میری ؟

رخسانہ:- صرف میری ہی آنکھیں مجرم نہیں ہیں، مختار صاحب بھی اس جرم میں برابر کے شریک ہیں اور کل تک شاید کچھ اور لوگ بھی ہو جائیں، کیونکہ آپ نے انہیں خفا کر دیا ہے اور وہ دل کی بھڑاس نکالنے پر مجبور ہوں گے،

انجم:- وہ احمق ہیں

رخسانہ:- یہ تو بہت دنوں سے جانتی ہوں،

انجم:- بہرحال میں اس طرح کی باتیں پسند نہیں کرتا،

رخسانہ:- آپ تو صرف ناپسند کرتے ہیں، لیکن اس طرح کی باتیں میرے دل و جگر پر کیسے چرکے لگاتی ہیں، مجھے کتنی روحانی اور ذہنی اذیت اور کوفت ہوتی ہے، کاش اس کا اندازہ لگا سکتے آپ ؛

انجم:- وہم کا علاج لقمان کے پاس بھی نہیں ہے،

رخسانہ :۔ لیکن آپ کے پاس ہے ،

انجم :۔ وہ کس طرح ؟

رخسانہ :۔ ایسی باتیں چھوڑ دیجئے ، جن سے دوسروں کو وہم پیدا ہوتا ہے ،

انجم :۔ میں کسی کا غلام نہیں ہوں ،

رخسانہ :۔ میں بھی کسی کی لونڈی نہیں ہوں ،

انجم :۔ میں نے کب کہا کہ تم لونڈی ہو ؟

رخسانہ :۔ میں نے بھی کبھی نہیں کہا کہ آپ غلام ہیں ، لیکن ہم دونوں ایک دوسرے کے پابند ہیں ، میں آپ کی لونڈی نہیں ہوں ، لیکن میرا یہ فرض ہے کہ کوئی ایسی بات نہ کروں ، جو آپ کے لئے تکلیف دہ ، یا ناگواری ، یا بدگمانی کا سبب ہو ، اس لئے کہ آپ کے سکھ میں میرا سکھ ہے آپ میرے غلام نہیں ، لیکن اخلاق ، شرافت ، انسانیت ، قانون ، مذہب ، سب نے آپ پر یہ پابندی عائد کر رکھی ہے کہ میرے احساسات کا احترام کریں میرے جذبات کا پاس کریں اور کوئی ایسی بات نہ کریں ، جو میرے دل کو صدمہ پہنچائے ، اس لئے کہ میری خوشی آپ کی خوشی ہے ——— خفا ہونے کی سند نہیں ، جو کچھ کہہ رہی ہوں اس پر غور کیجئے ،

انجم :۔ یہ تو عجیب قسم کی باتیں لے کر بیٹھ گئیں تم ؛

رخسانہ :۔ عجیب قسم کی تو ضرور معلوم ہوں گی آپ کو لیکن غلط نہیں ہیں ،

انجم :۔ میں تو انہیں غلط بھی سمجھتا ہوں ،

رخسانہ :۔ سفید کو سیاہ لاکھ بار کہیئے ، لیکن جو سفید ہے وہ سفید رہے گا ، جو

سیاہ ہے وہ سیاہ رہے گا،

انجم :- آخر تم چاہتی کیا ہو ؟

رخسانہ :- میری دعا ہے تری آرزو بدل جائے،

انجم :- رخسانہ ایسی باتیں نہ کرو، ورنہ میں پاگل ہو جاؤں گا،

رخسانہ :- لیکن اگر آپ کی آرزو نہ بدلی تو میں مر جاؤں گی،

انجم :- میری کسی آرزو پر اعتراض ہے تمہیں ؟

رخسانہ :- آپ میرا مطلب سمجھ رہے ہیں اس سے زیادہ وضاحت کر کے آپ کو مشتعل کرنا نہیں چاہتی،

انجم :- پہیلیوں میں باتیں کر رہی ہو لیکن خوش فہمی یہ ہے کہ سب کچھ میں سمجھ رہا ہوں، یہ سادگی کی انتہا ہے۔

رخسانہ :- سادگی کی نہیں، محبت کی ——— ایک بیوی اپنے شوہر کے سوا کسی سے محبت نہیں کر سکتی! آپ صرف میرے ہیں! کسی قیمت پر بھی مجھ سے چھینے نہیں جا سکتے،

انجم :- لیکن کون چھین رہا ہے مجھے تم سے ؟

رخسانہ :- جو آپ کے دل پر حکمران ہے، جو اس گھر پر حکمران ہے! جس کے قبضہ میں اس گھر کی ہر چیز ہے،

انجم :- شاید تم شائستہ کا ذکر کر رہی ہو ؟

رخسانہ :- جی ہاں اسی کا،

انجم :- لیکن تم غلط فہمی میں مبتلا ہو! میں ہرگز شادی نہ کرتا، وہ شائستہ تھی

جس نے یہ شادی کرائی، میرے تمہارے درمیان جتنی لڑائیاں ہوئیں،
وہ صلح پر ختم ہوئیں، لیکن کس کی وجہ سے؟

رخسانہ:۔ شائستہ کی وجہ سے؟

انجم:۔ ہاں اسی کی وجہ سے،

رخسانہ:۔ لیکن کسی کی سفارش اور کوشش سے میں آپ کو نہیں حاصل کرنا چاہتی مجھے مر جانے میں وہ اذیت نہیں ہوگی، جو دوسروں کی دی ہوئی زندگی سے ہوتی ہے، دوزخ کی آگ، جنت کی اس بادِ نسیم سے میرے لئے بہتر ہے، جو کسی دوسرے کے سہارے میسّر ہو ——— (تیوری چڑھا کر) شائستہ کون ہوتی ہے میری یا آپ کی؟ وہ ہمارے درمیان کیوں آتی ہے؟ اسے کیا حق ہے کہ وہ ہمارے جھگڑے فیصل کرائے؟ کیا میں شائستہ کے رحم وکرم پر ہوں؟ اس نے خیرات کے طور پر آپ کو میری جھولی میں پھینکا ہے؟——— ——— اگر یہ بات ہے تو میں اس خیرات کو قبول کرنے سے انکار کرتی ہوں ——— نہایت حقارت کے ساتھ، میں بھکاری بن کر اس گھر میں نہیں رہ سکتی، میں آپ سے محبت کرتی ہوں، لیکن اس محبت پر اپنی آن اور خودداری نہیں قربان کر سکتی، آپ صرف میرے ہیں، بلاشرکت غیرے، اگر اس طرح آپ میرے بن سکتے ہیں تو خیر ورنہ میں آپ سے دستبردار ہونا اس ذلیل زندگی کے مقابلہ میں گوارا کروں گی!!

انجم :- ممکن ہے پہلے میں کسی اور کا ہوں، لیکن اب تو صرف تمہارا ہوں، تم اس کے علاوہ کچھ اور سمجھتی کیوں ہو؟

رخسانہ :- بقول مختار صاحب کے اس لئے کہ عورت ذات ہوں،

انجم :- کیا تم میری اور ان کی باتیں سن رہی تھیں؟

رخسانہ :- ایک ایک بات!

انجم :- کیا تم نے جاسوسی کا فن بھی سیکھا ہے؟

رخسانہ :- محبت اور جنگ میں سب کچھ جائز ہے،

انجم :- میں تمہارے جذبات کی قدر کرتا ہوں، لیکن، حدِ اعتدال سے قدم باہر نہ نکالو، ثالثہ کے بارے میں، تم نے جو رائے قائم کی ہے، وہ صرف غصہ اور بدگمانی پر مبنی ہے،

رخسانہ :- لیکن یہ تو آپ کے اختیار میں ہے کہ اس غصہ کو دور کر دیں، اس بدگمانی کو ختم کر دیں،!

انجم :- تمہیں مطمئن کرنے کے لئے وہ سب کچھ کرنے کو تیار ہوں۔ جو میرے بس میں ہو ——— دیکھو وہ آرہی مس فلورنس سینٹ بری اسکول کی پرنسپل شائستہ کی اور شاید تمہاری بھی، کیونکہ وہ یہی کہہ رہی تھی، رائے ہے کہ تنویر کو بورڈنگ میں داخل کر دیا جائے، تاکہ تعلیم بھی ٹھیک ہو، اور بورڈنگ کی زندگی سے بھی وہ لطف اندوز ہو سکے، اس طرح اس کی طبیعت کھلے گی، ذہن پر جلا ہوگی، زندگی بسر کرنے کے طور طریقے آئیں گے ——— آیئے مس فلورنس، تشریف لایئے میں آپ ہی کا انتظار کر رہا تھا!

(۴۸)

آخری سلام

انجم اور رخسانہ میں ہر روز ایک جھڑپ قد سیہ کی آڑ میں ہو جاتی تھی۔ انجم کو مرنے والی بہن کی وصیت یاد تھی۔ وہ اپنے غصّہ کو پی جاتا تھا۔ رخسانہ کے راستہ سے ہر کانٹا رابعہ خانم کی موت کے بعد ہٹ چکا تھا۔ وہ اب ہر قیمت پر انجم کو اپنا لینے کی فکر میں تھی ——— لیکن ایک کانٹا ابھی باقی تھا۔ شائستہ، یہی وجہ نزاع تھی۔ جس پہ اکثر ہلکی پھلکی لڑائیاں میاں بیوی میں ہوتی رہتی تھیں۔ لیکن آج کی لڑائی کافی سخت تھی۔ رخسانہ نے کہا۔

"آج میں فیصلہ کر لینا چاہتی ہوں!"

انجم باہر جاتے جاتے رُک گیا۔

"ضرور ہو جانا چاہیئے فیصلہ ——— میں بھی یہی چاہتا ہوں!"

رخسانہ: میرا مطالبہ بالکل صاف اور دو ٹوک ہے۔ ایک میان میں دو

تلواریں نہیں رہ سکتیں۔ یا میں رہوں گی یا شائستہ۔!

انجم :۔ میرا جواب بھی صاف اور دو ٹوک ہے۔ شائستہ کو نکالا نہیں جا سکتا۔

رخسانہ : تو پھر میں اپنے گھر جاتی ہوں۔ اور اب زندگی بھر یہاں قدم نہیں رکھوں گی۔

انجم : میں تو یہ نہیں چاہتا۔ لیکن کسی پر جبر بھی نہیں کر سکتا۔

رخسانہ : گویا آپ کی مرضی ہے کہ میں چلی جاؤں۔؟

انجم : میری مرضی تو یہ ہے کہ رہو، تمہاری ہر بات مانوں گا۔ سوا ناسمجھی باتوں کے۔

رخسانہ : میں ناسمجھی کی باتیں کر رہی ہوں ؟

انجم : اور کیا، بالکل بچوں کی سی۔

رخسانہ : آخر شائستہ اس گھر میں کیوں ہے ؟

انجم : اس لئے کہ یہ گھر اُس کا ہے۔

رخسانہ : آپ کس کے ہیں ؟

انجم : کسی کا نہیں۔

جو کسی کے کام نہ آسکے ہیں وہ ایک ——— ہوں۔

رخسانہ : اُسے یہاں سے جانا پڑے گا،

انجم : یہ اَن ہونی بات ہے۔

رخسانہ : نہ وہ آپ کی کوئی لگتی ہے، نہ میری، پھر یہاں کیوں رہتی ہے ؟

انجم : وہ میری مرحوم بہن رالعہ خانم کی محبوبہ ہے ۔میری نظر میں اس کی عزت و وقعت ہے ۔ وہ تنویر کی گارجین ہے اور میں تنویر سے بے حد محبت کرتا ہوں ۔آپا اس کے لئے وصیت کر گئی ہیں، کہ اسے کسی طرح کی تکلیف نہ ہو۔اور میں اس وصیت کی تعمیل پر مجبور ہوں ۔

رخسانہ : ذرا ٹھنڈے دل سے سوچئے ———— آپا اس دُنیا سے گزر گئیں، تنویر بورڈنگ میں داخل ہو گئی، وہاں وہ آرام سے ہے، خوش ہے، جی لگ گیا ہے اس کا ۔

انجم : ہاں تو پھر؟

رخسانہ : تو پھر یہ کہ اب شائستہ بیگم کو رخصت ہو جانا چاہیئے ۔اس گھر سے،

انجم : کس خطا پر ؟ کس جرم میں ؟

رخسانہ : اس لئے کہ اب ہمیں اُن کی ضرورت نہیں ہے ۔

انجم : یہ تو خود غرضی کی انتہا ہے ۔

رخسانہ : اچھا مانے لیتی ہوں کہ وہ یہاں رہیں لیکن اس طرح جیسے رہنا چاہیئے ۔

انجم : وہ کون سا طریقہ ہے رہنے کا ؟

رخسانہ : مالک و مختار بن کر انہیں رہنے کا کیا حق ہے ۔ ؟

انجم : آپا کے زمانے میں جو کچھ ہوتا تھا، اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی ۔

رخسانہ : گویا وہ ہمیشہ میری چھاتی پر مونگ دلتی رہے گی ۔ ؟

انجم : شائستہ جیسی عورت کسی کی چھاتی پر مونگ نہیں دل سکتی ۔

رخسانہ: مطلب اس ساری بحث کا یہ ہوا کہ پرنالہ جہاں بہتا تھا وہیں بہے گا شائستہ کے اقتدار اور اختیار میں کوئی فرق نہیں آ سکتا۔؟

انجم: کافی ذہین معلوم ہوتی ہو ——— میرا جواب ہے، ہاں،!

رخسانہ: تو پھر میرا جواب بھی آپ کو معلوم ہونا چاہیئے ——— آخری سلام

انجم: رخسانہ عقل کے ناخن لو، میری اور اپنی زندگی غارت نہ کرو میں تمہارے لئے کچھ زندہ رہنا چاہتا ہوں۔ لیکن تم کچھ عرصہ کے لئے بھی مجھے زندہ رہنے نہیں دینا چاہتیں؟ میں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے۔ تمہاری ہر طرح کی تلخ ذرزش باتیں سنتا ہوں۔ اس طرح کا نازیبا طرز عمل برداشت کرتا ہوں، تمہارے کسی معاملہ میں مداخلت نہیں کرتا پھر بھی نہ چین سے بیٹھتی ہو، نہ بیٹھنے دیتی ہو۔ ——— یہ کتنا بڑا ظلم ہے۔!

رخسانہ نے کوئی جواب نہیں دیا کمرہ سے باہر چلی گئی۔!

---

(۴۹)

آداب عرض

رخسانہ سے اس تند و تیز گفت گو کے بعد انجم باہر چلا گیا مختلف جگہوں سے گھومتا گھامتا کوئی گیارہ بجے رات کو واپس آیا، رخسانہ کے کمرہ کی بتی گل ہو چکی تھی۔ اس کے معنی یہ تھے۔ کہ وہ سو چکی تھی۔ شائستہ کے کمرہ میں روشنی ہو رہی تھی۔ انجم سیدھا اسی طرف چلا گیا۔ دروازے پر ہاتھ لگایا تو وہ کھل گیا۔ شائستہ کوئی کتاب پڑھ رہی تھی۔ اسے دیکھ کر دوپٹہ سنبھالتی ہوئی کھڑی ہو گئی، پوچھا۔

"اس وقت کیسے آ گئے آپ"؟

انجم نے کہا۔

آ گیا ——— کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں تم سے۔!

شائستہ: تو بیٹھیے، کھڑے کیوں ہیں؟

انجم: (کرسی پر بیٹھتے ہوئے) کیا کر رہی تھیں؟

شائستہ : کچھ نہیں، نیند بلانے کی کوشش کر رہی تھی۔

انجم : کتاب پڑھ کر ——— میری نیند تو اس طرح اچٹا جاتی ہے۔

رخسانہ : اپنی اپنی طبیعت ہے۔

انجم : خیر، یہ باتیں تو پھر ہوتی رہیں گی۔ میں اس وقت اپنی زندگی کے بہت بڑے اور انقلابی فیصلہ کی اطلاع دینے یہیں آیا ہوں۔!

شائستہ : میں نہیں سمجھی۔

انجم : میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ رخسانہ کو طلاق دے دوں۔!

شائستہ : (گھبرا کر) یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔؟

انجم : ہاں شائستہ! یہ میرا آخری اور قطعی فیصلہ ہے۔

شائستہ : میری سمجھ میں نہیں آتا اس فیصلہ سے کیا تعلق ہے۔؟

انجم : بہت زیادہ ——— ہجر و فراق کا دور اب ختم ہو رہا ہے۔ اب ہماری نئی زندگی شروع ہو گی۔

شائستہ : وہ کس طرح؟

انجم : تکلف برطرف ——— اگر الفاظ میں سننا چاہتی ہو تو سن لو، تم میری رفیقۂ حیات بنو گی۔ ——— شائستہ، اب تک میں نے بہت دکھ جھیلے ہیں، میرا دل زخمی ہے، تم ہی میرے زخم کا پھاہا بن سکتی ہو، تم ہی میری بے قرار روح کو تسلی دے سکتی ہو، تم اگر میری بن جاؤ، تو مجھے زندہ رہنے میں لطف آنے گا۔ ورنہ یہ زندگی تو میرے لئے

اب وبال اور جنجال بن چکی ہے ۔ــــــــــ بتاؤ کیا کہتی ہو تم ؟

شائستہ : میں کیا کہہ سکتی ہوں ۔؟

انجم : کیا فیصلہ ہے تمہارا ۔؟

شائستہ : فیصلہ تو مجھے بہرحال کرنا پڑے گا لیکن ،

انجم : جلد کہو ۔ لیکن کیا ؟

شائستہ : لیکن سوچ سمجھ کر ــــــــــ میرا خیال ہے کہ اب معاملہ گومگو میں نہیں رہنا چاہیئے ۔صاف ہو جانا چاہیئے ، طے ہو جانی چاہیئے ایک بات ۔

انجم : بالکل ٹھیک ، یہی میں بھی چاہتا ہوں ۔

شائستہ : تو پھر مجھے غور کر لینے دیجئے ذرا ،

انجم : نہیں غور نہ کرو ، ابھی فیصلہ کر لو !

شائستہ : یہ کیسے ہو سکتا ہے ؟

انجم : کیوں ؟ آخر رکاوٹ کیا ہے ۔؟

شائستہ : رکاوٹ نہ ہو ، تو بھی زندگی کا فیصلہ کوئی ہنسی کھیل تو نہیں ہے اب تک میں ایک خاص قسم کی زندگی بسر کرتی ہوں ، اب نئی اور دوسری زندگی بسر کرنا پڑے گی ۔ آدمی جب کبھی کوئی انقلابی فیصلہ کرتا ہے ۔ اُسے بار بار سوچنا پڑتا ہے ۔ مختلف پہلوؤں پر غور کرنا پڑتا ہے ۔ مجھے تھوڑی سی مہلت دیجئے ۔

انجم : لے لو مہلت ، لیکن کتنی ؟

شائستہ : آپ کتنی مہلت دے سکتے ہیں مجھے ؟

انجم : کل تک فیصلہ کر لو۔

شائستہ : اس قدر جلد ؟ ——— نہیں چند دن صبر کیجیئے۔

انجم : اچھا منظور، ——— لیکن صاف صاف بتاؤ، کتنے دن چاہتی ہو تم ؟

شائستہ : زیادہ نہیں، صرف ایک ہفتہ ——— دیکھئے اب نہ مچل جایئے گا۔

انجم : اچھی بات، ٹھیک آج ہی کے دن تمہارا فیصلہ مجھے معلوم ہو جائے گا۔ آج جمعہ ہے،

شائستہ : ہاں ! ——— لیکن جب تک میں کوئی فیصلہ نہ کر دوں، رخسانہ کو جانے نہ دیں۔

انجم : اس میں کیا مصلحت ہے۔ ؟

شائستہ : بہت بڑی مصلحت ہے۔ ——— ہر بات کی کرید اور جستجو نہ کیجیئے، کوئی بات مان بھی لیا کیجئے۔

انجم : بہت خوب ——— ہمیں تو خوشی ہے۔ کہ جو کچھ کہو، بجا کہیئے ! ——— آداب عرض، !

---

(۵۰)

ایک ہفتہ کے دن انجم اپنے دیہات گیا ہوا تھا۔ کسانوں کی دو پارٹیوں میں جھگڑا ہو گیا تھا۔ اسے طے کرنا تھا۔ بعض پرانے باقی داروں سے معاملہ سلجھانا تھا، رقم وصول کرنی تھی۔ ٹھیک ہفتہ بھر بعد جمعہ کے دن صبح نو بجے کے قریب وہ واپس آیا اور سیدھا مختار صاحب کے کمرے میں پہنچا، تاکہ دیہات سے وہ بات کی جو فرولایا تھا، اس کی تصدیق کرے۔ وہ ایک تخت پر گاؤ تکیہ سے ہیٹھ لگائے حقہ کا کش لیتے جاتے تھے۔ سامنے بہی کھاتہ پڑا تھا۔ اس کے ورق اُلٹ پلٹ رہے تھے انجم کو دیکھ کر گھبرا کر اٹھ بیٹھے۔ حقہ اُنڈ وہ گیا۔ چلم اُلٹ گئی۔ بہی کھاتہ کے اوراق منتشر ہو گئے۔ تخت پر اس طرح کھڑے تھے کہ عوج بن عنق، ایک تو ویسے ہی لمبے قد کے تھے، تخت پر کھڑے ہو کر تو قطب مینار سے ٹکر لینے لگے کوئی اور وقت ہوتا تو انجم

اُن کی یہ ہیئت کذائی دیکھ کر ضرور ہنس پڑتا، لیکن آج وہ کچھ کھویا کھویا سا تھا ——— شائستہ نے آخری اور قطعی فیصلہ کے لئے آج ہی کا دن تو معین کیا تھا۔ زندگی کا سب سے زیادہ اہم اور انقلاب انگیز فیصلہ کسی ایک کے لئے نہیں، دونوں کے لئے۔

مختار صاحب سے انجم نے کہا۔

آپ کھڑے کیوں ہیں؛ ——— یہ کیا مذاق ہے، بیٹھیے!

وُہ بیٹھ گئے۔ انجم نے سوال کیا۔

"میں جاتے وقت کہہ گیا تھا، فردِ حسابات مکمل کر لیجئے گا"!

مختار صاحب نے جواب دیا۔

"وہ تو اُسی دن مکمل ہو گئی تھی۔ دیکھ لیجئے۔ اس پر دستخط بھی کرا لیجئے، بڑا کام تھا۔ ابھی ابھی فارغ ہوا ہوں۔"

فرد پر، شائستہ کے بجائے، رخسانہ کے دستخط تھے۔ یہ دستخط دیکھ کر وُہ چونکا۔ اس نے گھور کر مختار صاحب کو دیکھا۔ پھر غضبناک لہجہ میں کہا۔

"یہ کس کے دستخط ہیں۔؟"

مختار صاحب نے سر کھجاتے ہوئے جواب دیا۔

"بہو بیگم کے ہیں، اور کس کے ہوتے؟"

انجم نے سوال کیا۔

"لیکن میں نے آپ کو کیا حکم دیا تھا۔؟"

مختار صاحب: چھوٹی بیگم کا حکم بجالاؤں۔

انجم: پھر ——————؟

مختار صاحب: انہی کے حکم کی تعمیل کی ہے میں نے!

انجم: شائستہ نے یہ کہا تھا؟

مختار صاحب: (داڑھی پر ہاتھ پھیرتے ہوئے) جی۔

انجم نے فردِ حسابات وہیں چھوڑ دی، اور سیدھا شائستہ کے کمرہ میں پہنچا، لیکن وہ وہاں نہیں تھی۔ سکینہ سے پوچھا، اس نے کہا، میں نہیں جانتی مغلانی کئی دن سے تپ و لرزہ میں مبتلا تھی، اُسے کچھ پوچھنا بیکار تھا، پھر وہ رخسانہ کے کمرہ میں پہونچا، وہ رو رہی تھی ہسکیوں اور ہچکیوں پر قابو پانا مشکل ہو رہا تھا، انجم نے ایک نظر اس پر ڈالی اور کہا۔

"خیر تو ہے؟ —————— یہ کس کے ماتم میں سینہ کوبی ہو رہی ہے"!

رخسانہ نے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔

"میں نہیں جانتی کچھ، جس طرح ہو سکے شائستہ آپا کو لا دیجئے ڈھونڈ کر"!

انجم نے بے تابی کے ساتھ پوچھا۔

"شائستہ کہاں گم گئیں؟ کیا وہ سوئی تھیں کہ گر پڑیں اور نہیں ملتیں؟ —— بتاؤ تو بات کیا ہے —————— ضرور تم لڑی ہو، اُس سے۔"!

رخسانہ نے روتے ہوئے کہا۔

"خدا کی قسم غلط !"

انجم نے پوچھا۔

پھر کیا بات ہوئی ؟

رخسانہ نے دو خط اس کی طرف بڑھا دیئے۔ دونوں شائستہ کے لکھے ہوئے تھے، پہلا خط، ایک بند لفافہ تھا جس پر لاکھ کی مہر اور مہر پر شائستہ کی انگشتری کا نشان تھا۔ پتہ پر اس کا نام لکھا تھا، دوسرا خط، کھلا ہوا تھا، یہ رخسانہ کے نام تھا۔ اس نے پہلے اپنے نام کا لفافہ چاک کیا۔

انجم : تمہیں آج "آپ" کے بجائے "تم" سے مخاطب کر رہی ہوں. کیا کروں قلم "آپ" کے لفظ پر چلتا ہی نہیں۔ بغاوت کر رہا ہے"

میں نے تم سے ایک ہفتہ کی مہلت لی تھی، صبح ہفتہ پورا ہو جائے گا، میں نے اپنی زندگی کا انقلابی فیصلہ کر لیا. میں اس گھر سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رخصت ہو رہی ہوں، بظاہر میں یکہ و تنہا جا رہی ہوں، لیکن تم میرے ساتھ ہو، اور زندگی کی آخری سانس تک ساتھ رہو گے، کیا پھر بھی اپنے آپ کو میں تنہا سمجھوں؟ نہیں اتنی بیوقوف تو نہیں ہوں.

تم نے مجھ سے محبت کی، میں نے تمہیں چاہا، لیکن نہ تم نے سوچا، نہ میں نے غور کیا، کہ ہماری محبت پروان

نہیں چڑھ سکتی۔ اتنی بڑی دیوار ہمارے بیچ میں حائل تھی، جسے پھلانگنا ناممکن تھا۔ جسے توڑنا اس سے زیادہ ناممکن تھا——
آہ میری پیاری آپا، ان کے احسانات میں نہیں بھول سکتی، زندگی بھر نہیں، مجھے نہیں یاد پڑتا کہ میں نے انہیں کوئی دُکھ دیا ہو، پھر مرنے کے بعد اُن کی رُوح کو صدمہ کس طرح پہنچا سکتی ہوں۔؟

انجم تم بڑے جذباتی آدمی ہو، تم محبت پر قناعت نہ کر سکے تم نے محبت کا پھل بھی لینا چاہا، تم اسے شیریں سمجھتے تھے۔ لیکن وہ محبت کڑوا تھا، میں نے محبت پھل کے لئے نہیں کی تھی، محبت کے لئے کی تھی، تمہاری محبت مٹ سکتی ہے میری محبت امر ہے۔

میں چاہتی تھی، اس گھر سے مر کر نکلوں، تمہیں ایک نظر دیکھ لینا میری ساری کلفتوں کا علاج تھا، لیکن تم ایسے ضدی بچہ کی طرح مچل گئے، جو کھلونا دیکھ کر قابو میں نہیں رہتا، تم نے میرا سکون چھین لیا، تم ایک خطرناک اقدام پر آمادہ ہو گئے، تم رخسانہ کو طلاق دینے پر آمادہ ہو گئے۔ تم یہ بھول گئے کہ آپا کی وصیت کیا تھی، لیکن میں نہیں بھول سکتی، تم نے رخسانہ سے قطع تعلق کر کے مجھ سے شادی کرنا چاہی، لیکن یہ نہ یاد رکھا۔ کہ میں بھی عورت ہوں، اور میں اس کا تصور بھی نہیں کر سکتی، کہ

کوئی عورت، کسی عورت کا سہاگ چھین سکتی ہے کسی عورت کے سکہ پر ڈاکہ ڈال سکتی ہے۔ میں رخسانہ کو محبت کی طرح سمجھتی ہوں، کیا اس کے لئے اتنا ایثار بھی نہیں کر سکتی کہ راستہ سے ہٹ جاؤں۔؟ میں نے کتنے چاؤ سے اُسے دلہن بنایا تھا۔ کتنی محبت سے اس کی خدمت کی تھی؟ کتنے خلوص سے آپا کو آمادہ کیا۔ تھا کہ اُسے بہو بنا کر لائیں، کتنی سچائی سے تمہیں بار بار، اس سے نباہ پر مجبور کیا تھا ——— کیا تم سمجھتے تھے کہ یہ چیز ناچیز نہ ہے؟ کیا تمہارا خیال تھا، میں جھوٹ موٹ ایسا کر رہی ہوں۔؟ نہیں انجم یہ بات نہیں تھی، میں تم سے محبت کرتی ہوں، لیکن میری محبت اتنی سفاک نہیں ہے، کہ ایک بے خطا اور بے قصور عورت کی آرزوؤں۔ اور تمناؤں کی لاش پہ اپنے محل بنائے، ہاں ایک اور بات ——— رخسانہ ضدی اور چنچل ضرور ہے۔ لیکن میں محسوس کرتی ہوں، کہ اسے تم سے محبت ضرور ہے۔ پھر کیا اس سے بڑھ کر کوئی ظلم ہو سکتا ہے، کہ اس کی محبت پر میں چھاپہ ماروں؟ —— چھی چھی ایسا سوچنا بھی پاپ ہے۔

اگر واقعی تم مجھ سے محبت کرتے ہو، تو رخسانہ کے روپ میں میرا روپ دیکھو، اگر یہ نہیں کر سکتے تو تمہاری،

محبت جھوٹ ہے، فریب ہے، بناوٹ ہے، محبت اور ایثار ان دونوں میں صرف لفظی فرق ہے، معنیٰ دونوں کے ایک ہیں، ایثار سیکھو، ایثار کرو، ایثار ہی محبت ہے، تمہیں کھو کر بھی تمہاری محبت اپنے دل سے نہیں نکال سکتی۔ کیونکہ میری محبت ایثار ہے۔

میں اس گھر سے جا رہی ہوں، ہمیشہ ہمیشہ کے لئے؛ لیکن نہ جانے کہاں؟ خودکشی بزدلی ہے۔ اس لغویت کا ارتکاب مجھے نہیں ہوگا۔ لیکن کہاں جاؤں گی؟ کیا کروں گی۔ مجھے خود نہیں معلوم، خدا کی دنیا بہت وسیع ہے، کہیں نہ کہیں پاؤں ٹک ہی جائیں گے۔ آپا کے زیر سایہ رہ کر بہت کچھ سیکھ چکی ہوں، بھوکی نہیں رہوں گی، جب اس گھر میں آئی تھی، تو الھڑ تھی، نادان تھی، جاہل تھی، بزدل تھی، ڈرپوک تھی، اب یہاں سے جا رہی ہوں، مال و دولت نہیں ——— عزم، ہمت، حوصلہ، خود اعتمادی، کسی دوسرے شہر میں جا کر کسی اسکول میں پڑھانے کی نوکری کروں گی۔ وہاں کا دروازہ بند پایا، تو کسی ہسپتال میں نرس بن جاؤں گی۔ وہاں کام نہ ملا، تو سلائی کا کام کروں گی! بہر حال بے کار نہیں رہ سکتی، بھوکی نہیں مر سکتی۔

اپنے ساتھ صرف سَو روپے اور دو جوڑے کپڑے

لے کر جا رہی ہوں۔ میرے لئے، آپا نے جو زرق برق کپڑے بنانے تھے، جو قیمتی اور گراں مایہ زیور تیار کرانے تھے، جو بہت سا روپیہ دیا تھا، وہ سب تنویر کے لئے چھوڑے جا رہی ہوں۔ اس سے مجھے کتنی محبت ہے، بیان نہیں کر سکتی۔ اس کا جب خیال آ جاتا ہے تو میری صحت جواب دے دیتی ہے، میرا حوصلہ ڈانواڈول ہو جاتا ہے۔ میرے پاؤں لڑکھڑانے لگتے ہیں، لیکن پھر سوچتی ہوں کہ ماں سے زیادہ چاہے پھاپھا کٹنی کہلائے، خدا تمہیں سلامت رکھے، جتنی محبت تم اس سے کرتے ہو، میں نہیں کر سکتی۔ رخسانہ کا برتاؤ اس کے ساتھ ذرا سخت تھا، لیکن میرا دل گواہی دیتا ہے اب وہ بھی اُسے زیادہ چاہیں گی، وہ اس سے میری وجہ سے بھڑکتی تھیں، غلط فہمی کی وجہ سے، میں اب نہیں ہوں، وہ رخسانہ کو اتنا ہی چاہیں گی، جتنا ایک ممانی چاہ سکتی ہے۔ پھر یہ بات بھی ہے، کہ وہ اب بورڈنگ میں رہتی ہے۔ اس کا دل لگ گیا ہے، بہت خوش ہے وہاں، مجھے یاد تو کرے گی، لیکن بورڈنگ کی دلچسپی اور تمہاری محبت اس کے دل سے جلد ہی میری یاد کھرچ دے گی، اور یہی میں چاہتی ہوں، اس کے ننھے سے دل پر اپنی یاد کا بوجھ رکھنا نہیں چاہتی؛

اس روز تمہارے اور رخسانہ کے مابین جو گرما گرم بحث اور جوش وخروش کے ساتھ لڑائی ہوئی تھی اتفاق سے میں ادھر سے گزر رہی تھی، اپنا نام سن کر ٹھٹکی، اور ——— کچھ سن لیا میں نے، پھر تم تلوار بنے ہوئے "آخری" اور "انقلابی" فیصلہ کرنے پہونچے :- تو میں جاگ رہی تھی۔ جانتے ہو کیوں؟ میں رخسانہ کی باتوں پر غور کر رہی تھی، اور میں نے محسوس کیا، وہ سچ کہہ رہی تھی، میرے اختیار و اقتدار پر اُس کا اعتراض بالکل بجا تھا۔ وہ گھر کی بہو ہے آپا کے بعد، ہر اختیار و اقتدار کی مالک وہی ہے، اس سے بڑھ کر دھاندلی کیا ہو سکتی ہے کہ وہ الگ، غیر جانبدار تماشائی کی طرح بیٹھی رہے اور شائستہ خانم گھر کی مالک ومختار نظر آئے، آخر کیوں؟ کس حق سے؟ میں اگر اس کی جگہ ہوتی، تو شاید میرے دل میں بھی یہ طوفان انگڑائیاں لیتا، شاید میں بھی تم سے اتنی ہی شدید لڑائی کرتی، جتنی رخسانہ کر رہی تھی۔ اصل مشکل یہی ہے کہ، ہم جذبات کے دھارے میں بہ کر، دوسروں کے احساسات کا خیال نہیں کرتے، صرف اپنی طرف دیکھتے ہیں، صرف اپنا خیال کرتے ہیں، زندگی کا یہ کتنا گھٹیا تصور ہے۔

مجھے اُمید ہے اب تمہاری اور رخسانہ کی کبھی لڑائی نہیں ہوگی، وہ بڑی پیاری لڑکی ہے، کون سا گن اس میں نہیں ہے؟ کون سا ہنر وہ نہیں جانتی؟ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ تم سے محبّت بھی کرتی ہے۔ اس کی قدر کرو، اس کا دل کبھی نہ دکھاؤ۔ تمہارے (شوہر) کے سوا اس کا داعیہ کس پر ہے۔؟ کس پر وہ ناز کر سکتی ہے، کس سے وہ جھگڑ سکتی ہے؟ کس سے شکائتیں بیان کر سکتی ہے؟ پھر تمہی سنی کی اَن سنی کر دو گے، اس سے لڑو گے، اس کی محبت کا جواب محبّت سے نہیں دو گے، تو کیا اس کا دل نہیں ٹوٹے گا؟ اُسے صدمہ نہیں ہوگا۔

اچھا انجم!' اب اجازت دو، میں نے تمہارا کافی وقت ضائع کیا، ——— کیا تم مجھے معاف نہ کرو گے۔؟

شائستہ'!

انجم نے خط رخسانہ کی طرف بڑھا دیا، اور خود سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ اُس کی آنکھوں سے لگاتار آنسو کے قطرے گر رہے تھے۔!